لَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيْلاً

ہر گزنہ کریگااللہ واسطے کافروں کے اوپر مسلمانوں کے غلبہ

در فیض محمد وا ہے آئے جسکا جی چاہے
نہ آئے آتشِ دوزخ میں جائے جسکا جی چاہے

یعنی بابو دھر میال بی-اے (عبد لغفور سابق نوآریہ حال غازی محمود)
کے ترک اسلام کاسب سے پہلا جواب

مصنفہ

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ

ناشر

الکتاب انٹر نیشنل

F-50B مرادی روڈ بٹلہ ہاوس جامعہ نگر نئی دلی-۲۵

لَن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا
ہرگز نہ کرے گا اللہ واسطے کافروں کے اوپر مسلمانوں کے غلبہ

www.KitaboSunnat.com

در فیض محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جسکا جی چاہے

الحمدللہ کہ رسالہ

ترکِ اسلام

یعنی بابو دھرمپال بی۔اے (عبدالغفور سابق نو آریہ حال غازی محمود) کے
ترکِ اسلام کا سب سے پہلا جواب

مصنفہ

مولانا ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

الکتاب انٹرنیشنل
جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پہلے مجھے دیکھئے

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

زمانہ کی نیرنگیاں عجیب ہیں۔ جو اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتیں۔ انسان کچھ سمجھتا ہے ہوتا کچھ ہے۔ ابھی کل[1] کا ذکر ہے۔ ایک نوجوان مسلمان زادہ عبدالغفور نامی اکیس سالہ نے گجرانوالہ کی آریہ سماج میں داخل ہو کر دھرمپال بنکر اپنا رسالہ موسومہ "ترک اسلام" شائع کیا۔ جس سے مسلمانوں میں اس سرے سے اُس سرے تک بجلی کی طرح آگ لگ گئی۔ ہر فرقے نے اس کے جواب دیئے۔ سب سے پہلے خاکسار راقم کی طرف سے جواب نکلا جس کا نام تھا "ترکِ اسلام" اس کے دیباچہ میں میں نے وجدانی طور پر یہ لکھا تھا کہ

"مسٹر دھرمپال کے اسلام میں واپس آنے کی وجدانی طور سے ہمیں امید ہے" (ص ۳)

یہ فقرہ وجدانی تھا۔ مگر اس کی صحت مثل الہامی کے ظاہر ہوئی۔ چنانچہ مسٹر دھرمپال اسلام میں آ کر غازی محمود بنے اُن کی واپسی ہم اونہی کے الفاظ میں بتلاتے ہیں آپ لکھتے ہیں:۔

"۱۴ جون ۱۹۰۳ء کو میرے بارے میں جس قسم کی نمائش اور جس قسم کے جلسے یا رسم رسوم ادا کرنے کا سوانگ رچا گیا تھا۔ میں دیکھتا ہوں

[1] ۱۴ جون ۱۹۰۳ء -۱۴

کہ اسلام میں داخل ہونے کیلئے مجھے ہرگز ہرگز اس قسم کی نمائش جلسہ یا رسم رسوم ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ۱۴ جون ۱۹۰۳ء سے پورے گیارہ سال کے بعد یعنی ۱۴ جون ۱۹۱۴ء کو بغیر کسی شخص کی موجودگی کے تن تنہا اپنے خداوند قدوس کے حضور میں صدق دل سے دوزانو ہو کر میں نے جو اقبال کیا تھا۔ اسی اقبال کا میں یہاں پر اعلان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ اقبال یہ ہے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّنِیْ هَدَانِیْ رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (پ ۸ انعام ع ۲۰)

(المسلم بابت جولائی ۱۹۱۴ء)

اس انقلاب کا سبب کیا ہوا۔ اور "ترک اسلام" نے اس سبب میں کیا حصہ لیا؟ اس کا ذکر بھی اونہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"جب مولوی نورالدین صاحب (قادیانی) نے رسالہ "نورالدین"[1] کے ذریعہ اور مولوی ثناء اللہ صاحب نے "ترک اسلام" وغیرہ کے ذریعہ اسلام اور ملا ازم[2] کے درمیان خط تمیز کھینچ دیا۔ تو میری تصانیف کی قیمت ایک دیا سلائی کے برابر رہ گئی۔ میرے اعتراضات کا جواب دینے میں "نورالدین" کے مصنف کا نشانہ علمی معلومات کی بدولت بے خطا ہوتا تھا۔ مگر "ترک اسلام" کا وار زیادہ کاری ہوتا تھا جبکہ وہ میرے قلعہ کو جو میں سخت جد و جہد کے ساتھ تفسیروں

[1] مولوی حکیم نورالدین صاحب قادیانی نے بھی ترک اسلام کے جواب میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام تھا "نورالدین" اسی طرف اشارہ ہے۔ (مصنف)

[2] ملا ازم یعنی اقوال الرجال یا تقلید علماء کو کہتے ہیں (منہ)

کی بنا پر تعمیر کرتا تھا صرف اتنا سا فقرہ لکھکر مسمار کر ڈالتا تھا۔ کہ "تفسیر کا جواب تفسیر لکھنے والوں سے لو۔ قرآن مجید اس کا ذمہ دار نہیں ہے" اس ایک فقرہ نے ترکِ اسلام اور تہذیب الاسلام کو چھلنی کر ڈالا۔ میں نے نتیجہ نکال لیا کہ "نورالدین" کے مصنف کے ساتھ تو بحث چل سکتی ہے۔ مگر "ترک اسلام" کے مصنف کیساتھ جو ملا ازم کا سرے سے ہی منکر ہے۔ بحث کا چلنا مشکل ہے۔ مگر لطف یہ ہوا کہ "نورالدین" کے مصنف نے میرے مقابلہ پر دوبارہ قلم نہ اٹھایا حالانکہ میں آرزومند تھا کہ اس کے ساتھ بحث کا سلسلہ جاری رہے۔ لیکن "ترک اسلام" کے مصنف نے "تہذیب الاسلام" کے جواب پر پھر قلم اٹھایا مگر میں اس کے ساتھ بحث کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ "نورالدین" کے مصنف نے میرے مقابلہ پر دوبارہ قلم نہ اٹھایا۔ اور میں نے "ترک اسلام" کے مصنف کے مقابلہ پر قلم اٹھانے سے انکار کر دیا اسطرح ہماری پہلی جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد "ملا ازم" کو دوبارہ رگڑنے کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا۔ اسدفعہ میں نے تواریخ سے مدد لی اور "نخل اسلام" کے نام سے جلی سڑی ہوئی کتاب شائع کی۔ آریہ سماج کے اخبارات نے اس کتاب کا نہایت زوردار الفاظ میں ریویو کیا مسلم اخبارات نے اسکے برخلاف شور مچایا میں چاہتا تھا کہ پرانے ٹائپ کے ملا لوگ میرے مقابلہ پر آئیں۔ تاکہ مجھے اس بات کے جاننے کا موقع ملے۔ کہ وہ ان باتوں کا کیا جواب رکھتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اسدفعہ بھی وہی "ترک شیرازی" میدان میں آ کودا۔ اور یہ کہکر کہ قرآن مجید یا اسلام تواریخ یا تفاسیر کا جواب دہ نہیں ہے۔ "نخل اسلام" پر "تبر اسلام"[3] مار کر چلتا ہوا۔ اس طرح پرانے ٹائپ کے جن ملانوں کو

[3] تبر اسلام ہمارے رسالہ کا نام ہے جو نخل اسلام کے جواب میں نکلا تھا (مصنف)

رگڑنے کیلئے میں نے یہ دوسری کوشش کی تھی۔ وہ پھر بچگئے۔ آخر کار
جب میں نے دیکھا کہ "ملا ازم" کے ماننے والے تو میدان میں آتے نہیں
اور جو میدان میں آتے ہیں، وہ "ملا ازم" کے ماننے والے نہیں ہوتے
تو میں نے اس تمام بحث کا قطعی فیصلہ کرڈالا۔ اور "ترک اسلام" سے لیکر
اپنی آخری تصنیف تک جسقدر کتابیں تھیں ان سب کو میں نے ۴ جون
۱۹۱۱ء کو جلا کر خاک سیاہ کردیا" (المسلم صفحہ ۳۹۴ دسمبر ۱۴ء)

کتاب ترک اسلام کے علاوہ خاکسار کی شخصیت نے اس میں کہاں تک حصہ لیا۔ یہ ایک لطیف داستان ہے۔ گذشتہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر دھرمپال ۱۴۔ جون ۱۹۱۴ء کو اسلام میں آکر غازی محمود کے نام سے موسوم ہوئے۔ مگر میری ملاقات ان سے بہت پہلے ہوئی تھی اس ملاقات کی ضرورت اور شرح خود اونہی کے الفاظ میں مزہ دیگی جو درج ذیل ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"میری گذشتہ ایک سال کی بے ایذا زندگی نے میرے مسلمان بھائیوں
کے دلوں پر بھی میرے لئے اسقدر محبت پیدا کردی ہے۔ کہ جب اُن کو میری
بیماری کا حال معلوم ہؤا تو وہ جوق درجوق میرے پاس آنے لگے۔ ان
میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب کا نام خاصکر قابل ذکر ہے۔ مولوی صاحب
کے ساتھ تحریری دست پنجہ تو سالہا سال تک ہوتا رہا۔ مگر رُو در رُو ہونے کا
غالباً یہ پہلا ہی موقع تھا۔ جسکو ایک مبارک موقع ہی سمجھنا چاہیئے۔ خواہ وہ بیماری
کی شکل میں ہی نمودار ہوا ہو۔ مولوی صاحب فطرتاً خوش مذاق اصحاب میں سے
ہیں اسلئے سمجھ لینا چاہیئے کہ جہاں ایک طرف "ترک اسلام" اور "تہذیب
الاسلام" بلکہ "نخل اسلام" کا مصنف بستر مرض پر پڑا ہو۔ اور دوسری
طرف "ترک اسلام" اور "تغلیب الاسلام" بلکہ "تبر اسلام" کا مصنف
اُس کے سرہانے بیٹھا اسکی تیمار داری کر رہا ہو۔ وہاں اگر ملکوت السموات
والارض دلی مسرت سے یہ شعر پڑھ رہے ہوں کہ ؎

شکر ایزد کہ میانِ من و او صلح فتاد
حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند

تو کوئی عجب کی بات نہیں ہے۔ اس سے پیشتر میرا یہ خیال تھا۔ کہ مولوی
ثناء اللہ جو احمدیہ فرقے کے ساتھ ملانوں جیسی فضول چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے
وہ ضرور کوئی "کٹھ ملا" ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود اُن کی کوشش کرنے
کے میں کبھی اُن سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن پہلی ہی ملاقات میں
مجھے معلوم ہوا۔ کہ مولوی ثناء اللہ ایک خوش مزاج۔ خوش مذاق۔ خوبصورت
اور خوب سیرت جنٹلمین ہے۔ اور قدرت نے اُس کو ایک دلربا ادا دی
ہے سچ تو یہ ہے۔ کہ اس ابن یعقوب کو دیکھکر مجھے اپنے دل کو تھامنے میں
بڑی دقت پیش آئی۔ وہ ہر تیسرے روز امرتسر سے میری خبر لینے کے لئے
لاہور پہونچتے تھے[1] (اندر صفحہ ۹۲۔ بابت دسمبر ۱۲ء)

اس بیماری سے بھی بہت پہلے کا ایک واقعہ بہت دیرینہ صحبت یاد دلانیوالا ہے۔ وہ بھی مسٹر دھرمپال ہی کے الفاظ میں درج ہے۔

حسن اتفاق سے ایک دفعہ سیالکوٹ آریہ سماج کے جلسہ میں لبضرورت بحث میرا جانا ہوا۔ تو بعد مباحثہ دوسرے روز اسٹیشن کو جاتے ہوئے دونوں جماعتیں (مسلم اور آریہ) مل گئیں۔ اُس موقع پر میں سب کے سامنے مسٹر دھرمپال سے بغلگیر ہوا۔ اور کچھ الفاظ بھی کہے جو اونہی کی عبارت میں آتے ہیں۔ آہ! اس بغلگیری کا لُطف اُستاد مومن خاں مرحوم کو حاصل ہوتا۔ تو وہ کبھی مندرجہ ذیل شعر نہ لکھتے ؎

رکھ لیو یگے پتھر مگر ان سنگدلوں کو
توبہ ہے کہ سینے سے لگایا نہ کریں گے

اس واقعہ کا ذکر مسٹر دھرمپال یوں کرتے ہیں۔

"نہیں معلوم اسلام میں کونسا جادو ہے۔ اور مسلم قوم میں کونسی سپرٹ کام
کرہی ہے۔ کہ جسکو دیکھکر میں بعض اوقات حیران و ششدر رہ گیا ہوں

[1] ہر وقت کی حاضری کیلئے اپنے ایک دوست مولوی حاجی عبدالکریم کو لاہور میں مقرر کر رکھا تھا۔ ۱۲

اور مجھے بے ساختہ کہنا پڑا ہے کہ اسلام میں کوئی نہ کوئی ایسا جادو ضرور ہے
جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور کہ یہ ایک ایسی بلا کی قوم ہے کہ جسقدر میں اس قوم سے
دور بھاگتا ہوں اسی قدر وہ میرے نزدیک آنیکی کوشش کرتی رہی ہے یہانتک
کہ جن دنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے برخلاف میرا قلم نہایت ہی خوفناک آگ
برسا رہا تھا۔ عین انہی گولہ باری کے دنوں میں میرے اس حریف نے
جس نے میری آتش بار قلم کے مقابلہ پر سب سے زیادہ آتش باری کی تھی
ایک روز موقع تاڑکر مجھے سینکڑوں دیانندیوں کے مجمع میں لپک کر سینے سے
لگا لیا اور حسرت بھرے لہجہ میں کہا۔ کہ "آخر یہ جدائی کب تک" ۱۹۰۳ء
سے لیکر آجتک مجھے مسلم قوم کی سپرٹ کا دوسری قوموں کی سپرٹ سے مقابلہ
کرنیکا دو دفعہ موقع ملا ہے۔ اور میں دونوں دفع مسلم سپرٹ کی برتری کا قائل
ہونے کیلئے مجبور رہا ہوں۔ پہلا موقعہ تو اسوقت ملا تھا جبکہ
میں نے اپنا سب سے پہلا لیکچر "ترکِ اسلام" شایع کیا تھا۔ "ترکِ اسلام"
شایع کرنیکو میں شایع تو کر چکا۔ مگر چند ہی روز میں مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ
میں نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا ہے۔ چنانچہ چھ ہی ماہ میں دو درجن
کے قریب مسلمانوں نے اس کے جوابات شایع کئے اور اس کے بعد کئی
سالوں تک اس کے جوابات بھی شایع ہوتے رہے۔ کم از کم تیس رسالے
یا کتابیں تو میری نظر سے گذر چکی ہیں۔ جو کہ مسلمانوں نے "ترکِ اسلام" کے
جواب میں لکھی تھیں۔ اور جن کے مصنف خود ہی اپنی تصنیف کی ایک ایک
کاپی میرے پاس بھیجتے رہے اہلحدیث۔ شیعہ۔ سنی۔ نیچری۔ احمدی۔ چکڑالوی
غرضیکہ ہر ایک فرقہ کی طرف سے "ترکِ اسلام" کے جوابات شایع ہوتے
چونکہ ان جوابات میں سوامی دیانند کی تعلیم پر بھی الزامی حملے ہوتے تھے
اس لئے ان کتابوں نے ڈبل گولہ باری کا کام دیا۔ ایک تو "ترکِ اسلام"
پر اور دوسرا "آریہ سماج" پر گولہ برستا تھا۔ میں تو گورو کل کانگڑی کے

جنگل میں ایک جھونپڑی میں بیٹھا ہوا چپ چاپ اس تماشہ کو دیکھ رہا
تھا لیکن مسلمانوں کی اس گولہ باری سے آریہ سماج میں ایک سرے سے دوسرے
سرے تک ہل چل مچ گئی۔ اور آریہ سماج کی کشتی منجدھار میں جا پڑی۔ آریہ
سماج کے کارکنوں نے اس بات کو محسوس کرنا شروع کیا کہ "ترکِ اسلام"
کے شایع کروانے میں غلطی ہوئی ہے۔ آخر کار جب انہوں نے دیکھا۔ کہ اہل
اسلام کی طرف سے آتشباری دن بدن تیز ہوتی جاتی ہے۔ تو انہوں
نے یہ خیال کرکے کہ جس شخص کی بدولت آریہ سماج پر یہ آفت نازل ہوئی ہے
اسی کو اس آگ میں جھونک دینا چاہیئے۔ مجھے یہ جان کر کہ لوہے کو لوہا کاٹتا
ہے اہل اسلام کے مقابلہ پر کھڑا ہونے کیلئے مجبور کیا۔ چنانچہ یہ وہ موقع
تھا۔ جبکہ میں نے مسلمانوں کی آگ کے مقابلہ پر "تہذیب الاسلام"
وغیرہ کے ذریعہ آگ برسانی شروع کی۔ اور چھ سال تک متواتر آگ برساتا
گیا۔ گو میں اس کام کو کرتا تھا۔ مگر مجھے بار بار خیال آتا تھا۔ کہ میں سد سکندری
کے ساتھ ٹکر مار رہا ہوں۔ چنانچہ مجھے کامیابی نہ ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے
اپنی رفتار کو غلط جانکر اور اپنی طاقت کو ضایع ہوتے دیکھکر اپنی تمام کتابوں
کو جلا دیا۔ اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا"

(المسلم صفحہ ۴۹۔۵۰ بابت جولائی ۱۹۳۲ء)

اس ساری داستان کا مختصر مطلب یہ ہے کہ میں نے مسٹر دھرمپال کو علیحدگی کے دنوں
میں بھی اسی محبت سے دیکھا۔ جس محبت سے کوئی اپنے دور افتادہ عزیز کو دیکھا کرتا ہے
ہمیشہ میں اسی کوشش میں رہا کہ ہمارا عزیز گمراہی سے نکلکر ہدایت پر آجاوے۔ چنانچہ بحمداللہ
ایسا ہی ہوا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس صورت میں ترکِ اسلام بھی جل گیا۔ اور اس کا مصنف
خود قائل اسلام ہو گیا۔ تو اب ترکِ اسلام کی اشاعت کی کیا ضرورت؟
یہ سوال غازی محمود نے خود مجھپر کیا تھا۔ کہ جس صورت میں میں اپنی کتابوں کو جلا چکا ہوں

آپ کیوں اپنی کتابیں شایع کرتے رہے ہیں۔ مَیں نے جواب دیا تھا کہ ہم دونوں کی حیثیت میں فرق ہے۔ آپ نے اُن کتابوں کے مضامین سے رجوع کرکے وہ کتابیں جلائی ہیں اور میں ابھی اپنی کتابوں کے مضامین پر جما ہُوا ہوں۔ اس لئے میرا حق ہے۔ کہ میں شایع کروں۔

اس جواب کے علاوہ عام جواب یہ ہے کہ ہمیں اُن اعتراضات کے جواب دینے منظور ہیں۔ جو رسالہ ترکِ اسلام میں مرقوم ہیں۔ ممکن ہے مصنّف کے سوا اور کوئی وہی اعتراض پیش کرے اُنکو یہ کہا جائے کہ مصنّف ترک اسلام تو اِن سوالوں کو خود ترک کر چکا ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہدے میں اُسکی سمجھ کا پابند نہیں۔ چونکہ سوالات ملک میں شایع ہیں۔ لہٰذا جواب بھی شایع رہیں گے۔ چنانچہ ابھی تک انکی مانگ بھی ہے۔

نوٹ ترک اسلام آج تک پانچ دفعہ چھپ کر ختم ہو چکا ہے۔ اب یہ چھٹی دفعہ ہے خدا قبول کرے۔ آمین۔ پہلے طبعات سے جو اس میں اختلاف ہوگا وہ زمانہ کے اقتضا سے ہوگا ناظرین اسی میں مصلحت سمجھیں۔

خاکسار

ابو الوفاء ثناء اللہ

مصنّف "ترک اسلام"

امرتسر

طبع اوّل نومبر ۱۹۰۳ء

طبع ششم ۱۹۲۷ء

کہتی ہے ہمکو خلق خُدا غائبانہ کیا

رسالہ ترکِ اسلام کے متعلق معزز ناظرین کی رائیں

۱۔ جناب مولانا ابو محمد عبد الحق مرحوم مصنّف تفسیر حقانی دہلی۔

مولانا المکرم المعظم السّلام علیکم! آپکا رسالہ ترک اسلام بر ترک اسلام پہنچا واللہ مید ان مناظرہ میں آپ نے مخالف کو ایسے جواب دیئے ہیں کہ ہر طرف سے صدائے آفرین و تحسین آرہی ہے جزاکہ مرحبا میں نے بھی ایک رسالہ اسی مضمون کا بنایا تھا۔ ابھی وہ شایع نہ ہونے پایا تھا کہ اُسکا بھائی ترک اسلام نکل آیا جس نے ترک اسلام کے مصنف کی وہ خبر لی کہ یاد ہی کریگا۔ اللہ اکبر آریہ اور اسلام پر اعتراض؟ مولانا زندہ رہو۔ سلامت رہو۔

۲۔ جناب مولانا حافظ محمد عبد العزیز صاحب رئیس رحیم آباد ضلع دربھنگہ

مولانا المحترم بعد اشتیاق نیکو دارد۔ ترک اسلام شما ماشاء اللہ تعالیٰ سنگ خویش بر دلہائے دشمناں زد بل ومارا از ایشاں بر آورد۔ توفیق ایزد توانا رفیق مشکور تو باد حسن جزا در دنیا و آخرت نصیب بود۔

۳۔ جناب مولانا وحید الزمان صاحب الملقب نواب وقار جنگ بہادر حیدر آباد دکن

مولوی صاحب! مخدوم ومکرم دام لطفکم! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپکی

سے مولانا حقانی زندہ ہوتے۔ تو آج دیکھتے کہ ترک اسلام کا مصنف آپ کی پیشگوئی کے مطابق اللہ اکبر کے نعرے لگا رہا ہے۔ (مصنف)

کتاب ترکِ اسلام دیکھکر بہت خوشی حاصل ہوئی۔ جزاکم اللہ خیراً۔ اسوقت جہاد لسانی اعدائے دین سے جیسے آریہ۔ نصاریٰ وغیرہ ہیں۔ جہاد سیفی سے زیادہ ثواب اور اجر رکھتا ہے مولانا! یہاں بھی آریوں کا بڑا بلوئی ہو رہا ہے۔ میں آپکی کتاب کی فکر کر رہا ہوں۔ اور اہل اسلام کو اُسکے منگوانے کی ترغیب دے رہا ہوں۔ سرکار میں بھی کوشش کر رہا ہوں فی الحال دس نسخے ترکِ اسلام کے بذریعہ وی پی بھیجدیجئے۔

۴۔ جناب مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب غازی پوری زاد مجدھم

اما بعد۔ ہندوستان میں ایک صاحب سوامی دیانندجی پیدا ہوئے۔ جنھوں نے ایک کتاب ستیارتھ پرکاش لکھی جس میں قرآن شریف پر بسم اللہ سے لیکر اخیر تک اعتراضات کئے۔ اس کے جواب کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک شیر مرد بندے مولانا ابوالوفا ثناء اللہ مولوی فاضل مصنف تفسیر ثنائی سلمہ اللہ کو کھڑا کر دیا۔ جس نے اپنی خداداد لیاقت سے ایک بے نظیر کتاب حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش لکھکر شایع کر دی۔ جو تمام ملک میں قبولیت کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ اتنے میں ایک نو آریہ صاحب نے اپنے تبدیل مذہب پر ایک لیکچر دیا۔ جسکا نام ترکِ اسلام تھا۔ آخر اس کے جواب کیلئے بھی پھر وہی شیر مرد مولوی ثناء اللہ کھڑا ہوا۔ اور بہت ہی جلد گویا دم کے دم میں اسکا بھی بہت عمدہ جواب ترکِ اسلام شایع کیا۔ اسلام کے سچے فدائیوں سے اُمید ہے کہ اس جواب کی اشاعت میں مقدور بھر کوشش فرمائیں گے۔ اور اہل وسعت مسلمان حصول ثواب کی غرض سے اس کے متعدد نسخے خرید کر اپنے بیگانوں میں تقسیم فرما دیجئے تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو)

۵۔ جناب منشی محمد اسمٰعیل صاحب داروغہ سیواس ریاست بھوپال

مخدوم من! میں نے آپکی کل تصانیف کو عموماً اور حق پرکاش اور ترکِ اسلام کو خصوصاً دیکھا۔ سبحان اللہ! نہایت فائدہ بخش ہیں۔ ہر مسلمان کو ان کا مطالعہ لازم ہے۔ کہ عقائد میں مضبوطی ہو۔ بھوپال کے طبقہ علما نے ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

۶۔ حافظ احمد مسیح صاحب مسیحی از دہلی

مخدومی مکرمی جناب مولانا صاحب! تسلیم بعد تکریم۔ آپ کی مرسلہ کتابیں (دی۔ پی) پہونچیں۔ نہایت شکرگذار ہوں۔ واقعی آپ کی تصانیف قابلقدر معلومات سے مملو (پُر) ہوتی ہیں۔ اور میرا یقین ہے کہ اگر ہوشیار آدمی اُن سے استفادہ کرے۔ تو مخالف کے مقابلہ میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ جہانتک میں نے دریافت کیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ماشاء اللہ ایک نوجوان ہیں۔ اور یہ جو کچھ ہے آپ کی ابتدائی جودتِ طبع کا نتیجہ ہے۔ اس لئے میں اس خداداد ذہانت اور طباعی کی آپ کو مبارکباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپکی کتابوں میں اختصار اور جامعیت کا التزام بالکل زمانہ جدید کے لائق مصنفوں کا طرز ہے اور اس مضامین میں آپ کی تحریر ایک بہترین نمونہ ہے۔ صفائی اور سادگی اور پھر ظرافت کی چاشنی بالکل سونے پر سہاگہ بنگئی ہے امید کہ اسی اسلوب سے آپ اپنی کوششوں کا سلسلہ برابر جاری رکھیں گے۔ میں آپ کا بے حد مشکور ہوں گا۔ اگر آپ میرا نام اپنی کتابوں کے مستقل خریداروں کی فہرست میں درج کر دیں۔ اور جب کبھی آریوں کی تردید میں آپ کوئی کتاب لکھیں تو مجھے اطلاع دیا کریں۔

۷۔ جناب مولوی امیر اللہ صاحب بریلوی

جامع علوم عقلی و نقلی قاطع رسوم کفری و بدعی جناب مولوی صاحب سلامت السّلام علیکم! ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ترکِ اسلام فی الواقع بمقابلہ ترکِ اسلام ترکِ اسلام ہی ہے۔ جو فصول اوّل رسالہ میں مقدم فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ! قابل تقدیم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر حالات بہت اچھی طرح تحریر فرمائے جزاک اللہ خیر الجزاء۔

تُرک اسلام کی اپیل اعیان اہلِ اسلام کی خدمت میں

بھائیو! میرا کلام آپ نے دیکھ لیا میرا حملہ آزما لیا۔ میری مدافعت کو جانچ لیا۔ میری تجربہ کاری کی شہادت بزرگان قوم بلکہ دشمن سے سُن لی۔ پھر ابھی کچھ کسر ہے؟ نہیں تو کیوں میری طرف خیال نہیں کرتے۔ کیا آپ نے نہیں سُنا؟ کہ میرے بھتیجے رسالہ تُرک اسلام کی مٹھی بھر آریوں نے کتنی آؤ بھگت کی ہے کہ ہزارہا تعداد میں اس کو شائع کیا۔ پس آپ حضرات بھی میرے قوت بازو بنئے اور مجھکو آریوں میں بھیجئے۔ پھر دیکھئے کہ کس زور سے جاکر میں اپنا کام کروں۔ ایسا کہ سلطان محمد فاتح کی یاد دلا دوں۔ میرے متعدد متعدد نسخے خرید کر مفت تقسیم کرائیں۔ تو پھر دیکھیں کہ تُرک بہادر کیسی تیز رفتاری سے جاکر اپنا سکہ جما تا ہے۔ کیسے گھڑے کی مچھلی بناتا ہے۔

پس اب اور کونسا وقت ہوگا؟ کہ آپ صاحبان تُرک اسلام جیسے قوی اور نامی پہلوان کی قدر افزائی کریں گے۔ والسّلام

خاکسار

تُرک اسلام ابو الوفا ثناء اللہ

بر (بقلم)

تُرک اسلام امرتسری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ

ثنائے حضرتِ رحمٰن واللہ — یہی کافی ہے کہہ الحمد للہ

اسی میں ہے ثنا کا مرحلہ طے — کہ بجز الحمد للہ ہو نہ درپے

یہ جامع حمد ہے قرآں میں آئی — کہ اُس نے اپنے اُمّی کو سکھائی

نعتِ سیّد المرسلین

وہ اُمّی کون؟ فخر دین و ملت — وہ اُمّی مصدرِ اسرار وحدت

وہ اُمّی صاحب و مخدوم جبریل — وہ اُمّی ناسخ توریت و انجیل

وہ اُمّی مخزنِ علم خداوند! — کہ جس کے آگے ہر عالم کا دم بند

وہ اُمّی عارفِ علم معانی! — وہ یکتا کوئی بھی جس کا نہ ثانی!

وہ اُمّی عالم علم لدن ہے — وہ اُمّی واقف اسرارِ کُن ہے

وہ اُمّی جس کی بعثت اور رسالت — بحق اُمتِ مقبولِ رحمت

وہ اُمّی جس کی ذات باکرامت — پئے الزام ہر بے دین حجت

وہ اُمّی جس کی اِک اِک بات اعجاز — وہ اُمّی جس سے عاجز فتنہ پرداز

وہ اُمّی کیا کہوں اب میں کہ کیا ہے — دلیلِ دین حق ہے معجزہ ہے

وہ اُمّی جس کی فرخندہ بشارت — رقم توریت میں ہے بالوضاحت

وہ اُمّی وصف میں جس کے خود انجیل — مبشر ہے باجمال و بتفصیل

وہ اُمّی کون؟ محبوبِ الٰہی! — محمدؐ جس نے ہے معراج پائی

سلام اُس نور رب العالمیں پر — سب اُسکی آل اور اصحاب دیں پر

مقدمۂ جواب

جواب دینے سے پہلے بغرض آسانی چند امور بطور اصول موضوعہ[1] کے ضروری ہیں۔ مخالف کو اگر ان کے تسلیم میں تردد ہو۔ تو وجوہ انکار پیش کرنے کا اُسے حق ہے۔

۱۔ دنیا میں جو افعال ہیں سب اپنے اپنے اسباب سے وابستہ ہیں۔ مگر تمام اسباب کے سلسلے کو چونکہ خدا ہی نے مرتب کر رکھا ہے۔ اس لئے افعال کی نسبت جیسی اُن کے اسباب کی طرف کرنی جائز ہے۔ مسبب الاسباب یعنی خدا کی طرف بھی روا ہے۔ مثلاً جیسا یہ صحیح ہے۔ کہ پانی کھیت کو ہرا بھرا کرتا ہے۔ ایسا یہ بھی درست ہے کہ خدا سرسبز کرتا ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ اگر ویدک مت سے اس کا ثبوت چاہیں۔ تو سنئے پرمیشور کہتا ہے۔

"میں پرمیشور اُس راج میں جہاں دہرم کی پابندی ہوتی ہے۔ قائم رہتا ہوں میں اس راج میں فوج کے گھوڑوں اور بیلوں کو قوت عطا کرتا ہوں" (یجروید ادھیائے ۲۰ منتر ۵)

۲۔ مخلوق سب کی سب ضرور قانون قدرت سے وابستہ ہے۔ گو کوئی واقعہ کیسا ہی بعید المدت ہزارہا سال نہیں لاکھہا بلکہ کروڑہا بلکہ اربہا سالوں بعد بھی کیوں نہ ہو ضرور ہے کہ اُس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی قانون ہوگا۔ جب کبھی کسی وقوعہ کا علم ہو۔ خواہ دیکھنے سے ہو یا صحیح خبر سے اُسکو ہم خلاف قانون نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ یہ کہیں گے کہ اُس کیلئے بھی کوئی قانون ہوگا۔ مثلاً عام قانون ہے۔ کہ حیوانات کی دو آنکھیں ہوتی ہیں مگر لکھنؤ کے عجائب خانہ میں اسوقت بھی بکری کے ایک بچّہ کی شبیہ موجود ہے جس کی دو آنکھوں کی بجائے صرف ایک ہی آنکھ ہے۔ وہ بھی پیشانی پر۔ مگر یہ کوئی خلاف قانون نہیں بلکہ ہم کہیں گے کہ اُس کا بھی کوئی قانون ہے۔ گو ہمیں اُس کی اطلاع نہ ہو۔

[1] یہ اصول موضوعہ عموماً مخالفین اسلام کے مقابلہ میں کارآمد ہیں۔ گو ہم اس کتاب میں بعض سے کام لیں اور کسی سے نہ لیں۔

۳۔ قدرتی اور مصنوعی تعلق اور رشتوں میں فرق ہے۔ قدرتی تعلقات اور رشتے جو قدرت نے وابستہ کر رکھے ہیں۔ وہ تو کبھی نہیں ٹوٹتے۔ اور مصنوعی قابل انفصال ہیں۔ جنکی مثال بھائی اور دوست کی ہے کہ بھائی ہر حال میں بھائی ہے دوست آج اگر دوست ہے تو ممکن ہے چند دنوں بعد دشمن ہو جائے۔

۴۔ خدا تعالےٰ نے جو مخلوق کیلئے قدرتی قانون جاری کئے ہیں۔ اُن پر اُسکی رضا لازم نہیں بسا اوقات اُن کے استعمال سے خدا ناراض بھی ہوتا ہے۔ مثلاً یہ اُس کا قانون ہے کہ زور آور کمزور کو دبا لے۔ تلوار بندوق والا۔ بے ہتھیار کو مار ڈالے مگر ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ مارنے والا اگر بے وجہ مارتا یا دباتا ہے۔ تو ظالم ہونے کیوجہ سے مجرم ہے۔ گو قانون قدرت کے مطابق مظلوم کا گلا کاٹتا ہے۔ کیونکہ تلوار کا چلانا اور تلوار سے مظلوم کا سر اُتر جانا بالکل قانون قدرت ہے مگر فاعل مجرم ہے۔

۵۔ ہر ایک زبان میں الفاظ کا اصلی اور لغوی ترجمہ معتبر ہوتا ہے۔ لیکن جہاں کوئی قرینہ ایسا ہو۔ جو اصل معنی سے روکتا ہو۔ تو اُس کے مناسب دوسرے معنے لئے جاتے ہیں مثلاً شیر کا لفظ اگر بغیر کسی قرینہ کے ہوگا۔ تو وہی جنگلی درندہ مراد ہوگا۔ اور اگر کسی قرینہ کیساتھ ہوگا تو بہادر کے معنے بھی ہو سکیں گے۔ اس اصول کو دیانند جی نے بھی بھومکا میں خود تسلیم کیا ہے (ترجمہ بابو نہال سنگھ کرنال صفحہ ۱۰)

۶۔ ہر ایک کلام کے صحیح معنی وہی ہونگے۔ جو متکلم آپ بیان کرے یا اسکی منشا اور حیثیت کے مطابق ہوں۔ متنازعہ کلام کے متصل ہی متکلم کا بیان ہو یا آگے پیچھے۔ بیان حالی ہو یا مقالی۔ یعنی وہ اپنے کلام کا مطلب لفظوں میں بتلا دے۔ یا اُسکی وضع اور طریق برتاؤ سے ظاہر ہو اس اصول کو سوامی دیانند جی نے بھی دیباچہ ستیارتھ پرکاش صک پر منظور بلکہ خود تجویز کیا ہے۔

۷۔ خدا تعالیٰ دنیا کیلئے علت موجدہ اور مثبتہ دونوں ہے۔ یعنی اُسی نے اس دنیا کو پیدا کیا۔ کوئی شئے اس کے حکم کے بغیر وجود پذیر نہیں ہوتی۔ اور وہی اُسکو تھامے ہوتے ہے۔ اگر اُسکی حفاظت نہ ہو۔ تو کوئی چیز موجود نہیں رہ سکتی۔ رگ وید۔ منڈل سوکت ۱۲۴

منتر ۳۹ میں - اور یجروید - ادھیائے ۱۳ منتر ۱ - مندرجہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۲۳ میں یہ مضمون تسلیم ہے کہ خدا تعالیٰ سب کا خالق اور منتظم بھی ہے۔

۸- کسی چیز کے ذکر نہ ہونے سے اُس کا عدم لازم نہیں آتا - مثلاً گھر میں دو آدمی زید - عمرو ہیں کسی نے کہا زید گھر میں کھانا کھا رہا ہے تو عمرو کی نفی نہ ہوگی - کیونکہ عدم علم یا عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا - دنیا کی بہت سی چیزوں کو ہم نہیں جانتے تو وہ معدوم ہیں ؟ ہرگز نہیں -

۹- اصول فطرت اور قانون قدرت خدا کا فعل ہے - اور الہامی کتاب اسکا قول - قول و فعل میں مطابقت نہیں - تو قول غلط ہے -

۱۰- جسطرح جسمانی اشیاء کیلئے جسمانی اسباب کا سلسلہ ہے - اسی طرح روحانی صحت اور امراض کی ترقی اور تنزل کیلئے بھی اسباب کا سلسلہ ہے - کہ ایک نیک کام کرنے سے دوسرے کی رغبت ہوتی ہے کبھی ایک گناہ دوسرے گناہ تک پہونچا نیکا سبب ہوجاتا ہے اور اس مضمون پر دیانند جی بھی ستیارتھ پرکاش میں دستخط کر چکے ہیں - جہاں لکھتے ہیں -

"بودھوں نے جہالت میں کس درجہ ترقی کی ہے یہ اُن کو دید اور ایشور کے چھوڑنے کی سزا ملی ہے - صفحہ ۴۱۵ -

۱۱- جس طرح بعض غذائیں جسم کو مضر ہوتی ہیں - اسی طرح بعض غذائیں روحانی طاقت میں بھی مخل ہیں مثلاً اپنے ہاتھوں کی محنت اور مزدوری میں جو خیر و برکت اور روحانی بشاشت اور توفیق خیر ہوگی - وہ چوری کی غذا میں نہ ہوگی - علی ہذا القیاس -

۱۲- بعض اوقات سلسلہ روحانی سلسلہ جسمانی پر مؤثر ہوتا ہے - چنانچہ آریوں کا مسئلہ اصول ہے کہ شروع دنیا میں جو لوگ پیدا ہوتے ہیں - اُن کے اعمال ہی اس پیدائش کے لئے مقتضی ہوتے ہیں (ستیارتھ پرکاش باب نمبر ۲۴) بلکہ عورت مرد کی تفریق یا خوبصورت اور بدشکل کی تمیز بھی بقول آریہ سماج اعمال ہی کے نتائج ہیں -

۱۳- الہامی کتاب کی مثال طبیب اور ڈاکٹر کی سی ہے - جہاں ڈاکٹر بہت سی مفید چیزیں کھانے کا حکم کرتا ہے ایسے ہی بہت سی مضرات سے بچنے کی بھی رائے دیتا ہے اسی طرح الہامی کتاب یا خود خدائے تعالیٰ بہت سے مفید امور کا حکم کرتے ہیں -

اور بہت سی مضر باتوں سے منع کرتے ہیں - خواہ وہ افعال ہوں یا غذائیں -

۱۴- خدا کے حکم دو قسم پر ہیں - ایک شرعی جو بذریعہ الہام مخلوق کو پہنچتے ہیں - یہ حکم تو بذریعہ الفاظ بندوں کو سُنائے جاتے ہیں - ایک قسم ایجادی یا تکوینی ہے - یعنی مخلوق کی پیدائش کے متعلق - اس حکم (ایجادی) کے لئے الفاظ کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ سلسلہ اسباب کا کمال اور اپنی انتہا پر پہونچنا ہی اُس مسبب اور معلول کے لئے حکم ہے -

---

جوابات

چونکہ جواب سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سائل کا مطلب سائل ہی کے لفظوں میں بتلایا جاوے - اس لئے ترک اسلام کی پوری پوری عبارت مصنف کے الفاظ میں پہلے لکھی جاتی ہے - جس پر آریہ کا لفظ ہوگا - پھر اُس کا جواب شروع ہوگا جس پر مسلمان کا لفظ ملیگا - لیکن جو باتیں سوال سے زائد بطور مخول اور مسخری کے حسب معمول بابو دھرمپال صاحب نے لکھی ہیں - اُن کو حذف کیا گیا - اصل سوال اُنہی کے الفاظ میں ہے - پس سنئے !

آریہ نمبر (۱) قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا بڑا مکار اور فریبی ہے - دیکھئے وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (ترجمہ - مکر کیا کافروں نے اور مکر کیا خدا نے اور خدا بہتر ہے مکر کرنیوالوں سے" سورہ آل عمران آیت ۳۵)

(۲) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا فریب کرتا ہے - اور دہوکا بازی کرتا ہے - کسی بھلے مانس آدمی پر جو سچ مچ فریبی نہ ہو - یہ الزام لگایا جاوے - تو وہ گلے پڑ جاوے گا - اور عدالت تک پہونچیگا - مگر خدا پر فریب بازی کا الزام لگانا کسی بڑے ہی مَن چلے

آدمی کا کام ہوسکتا ہے۔ افسوس میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا (سورہ انفال آیت ۳۰)

مسلمان نمبر ۲

مکر کے معنی عربی کے اصل محاورے میں خفیہ تدبیر یا داؤ چلانے کے ہیں۔ چونکہ خدا کے تمام کام خفیہ ہی ہوتے ہیں۔ جو اندر ہی اندر اپنا کام کر جاتے ہیں۔ ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ کبھی کسی کو خدا نے سامنے آکر طمانچہ یا مُکا مارا ہو؟ نہیں بلکہ اندر ہی اندر اُس کے احکام جاری ہو کر اپنا کام کر جاتے ہیں۔ انہی معنے سے خدا کی نسبت مَکَرَاللّٰہ کہا جاتا ہے یعنی خفیہ خفیہ اپنے احکام جاری کرنیوالا۔ سنو! قرآن شریف خود بتلاتا ہے لَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ (خدا کے مکر سے یعنی اسکی تدبیر اور مخفی احکام سے ٹوٹا پانے والے ہی بے خوف رہتے ہیں) اسلئے کہ جو کوئی خدا پر ایمان رکھتا ہے وہ یہ بھی مانتا ہے کہ خدا کے احکام ہمیشہ مخفی طور پر جاری ہوتے ہیں۔ پس جو کوئی خدا کے اس وصف سے انکاری ہے۔ وہ حقیقت میں خدا ہی سے انکاری ہے۔ اور یہی وجہ ٹوٹا پانے کی ہے۔ یہ عام طور پر آریوں اور دیگر قوموں کی غلطی ہے۔ کہ عربی زبان سے ناواقفی کی وجہ سے عربی الفاظ کو اردو فارسی کے معنے میں سمجھتے ہیں۔ کئی ایک الفاظ ایسے ہیں۔ جو عربی میں کراہت اور ناپسندیدگی نہیں رکھتے۔ مگر اردو یا فارسی میں آن کر اُن میں ایک قسم کی کراہت اور ناپسندیدگی آجاتی ہے۔ اسکی مثال عربی میں شراب ہے۔ جس کے معنے پینے کی چیز کے ہیں۔ خواہ پانی ہو یا دودھ مگر اردو میں خالص نشہ آور کو کہتے ہیں۔ جس مکان پر "شراب کی دوکان" لکھا ہو۔ دیکھنے والا جان جاتا ہے کہ یہاں نشہ آور چیز بکتی ہے۔ اسیطرح کئی ایک مثالیں ہیں۔

آپ اگر عربی زبان سے واقف ہوتے۔ تو ہمیں اس تفصیل کی حاجت نہ ہوتی بلکہ یوں کہئیے۔ کہ آپ یہ سوال ہی نہ کرتے۔

مختصر یہ کہ عربی میں ماکر یا مکّار کسی بڑے پولیٹشن یا مدبر سلطنت کو کہتے ہیں۔ جیسے گلیڈسٹون یا سلطان عبدالحمید خاں نہ ہر ایک ؎

کلاہِ خسروی و تاجِ شاہی بہر کل کے رسد حاشا وکلّا!

پس اس آیت کے معنے یہ ہوئے۔ کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کے پکڑنے اور تکلیف پہنچانے میں ہر طرح کی خفیہ سے خفیہ تدبیریں کیں خدا نے اُن کو بچانے کی خفیہ تدبیر اور مخفی احکام جاری کئے۔ یعنی ایسے اسباب پیدا کئے کہ مخالف کامیاب نہ ہوتے پس خدا کی تدبیر سب پر غالب آئی۔ اسیطرح "کید" کا لفظ ہے جس کے معنے بعینہ مکر کے ہیں جو جواب اس کا ہے وہی اس کا بہرحال سوال ایک ہی ہے۔ جو مکر کے لفظ پر ہے۔ جسے آپنے متعدد بتلانے کو دو کر دیا۔

آریہ نمبر (۳)

قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا روحانی بیماریوں کی روحانی بیماری کو دیدہ دانستہ زیادہ کرتا ہے۔ اور پھر اوپر سے عذاب بھی دیتا ہے۔ بیشک یہ پرلے درجے کی بے رحمی اور ظلم ہے۔ کوئی عقلمند اور پڑھا لکھا خدا کو ایسا ظالم اور بے رحم قرار نہیں دیسکتا (بقرہ آیت ۱۰)

مسلمان نمبر (۳)

اصول موضوعہ نمبر اوّل کو ملحوظ رکھتے۔ تو بابو صاحب کبھی یہ اعتراض نہ کرتے۔ اصل ان کی بیماری تو اپنے سبب ہی سے بڑھتی ہے۔ جو حق سے گردن کشی اور بے جا غرور کی وجہ سے ہے مگر علت العلل کی نسبت کیا جاتا چونکہ جائز ہے۔ اس لئے خدائی حکومت اور جبروت بتانے کو ایسا کہا گیا۔ قرآن شریف اصلی سبب خود اطلاع دیتا ہے۔ ذرا غور سے سنو!

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[1]

اگر وید کا پرمان چاہو۔ تو سنو!

"جو پرمیشور علم عطا کرنے والا ہمیں کے ظل حمایت و پناہ و عنایت سے محروم ہونا ہی موت ہے" (یجروید ادھیائے ۲۵۔ منتر ۱۳)

جس مضمون کو یہاں وید میں یوں لکھا ہے۔ کہ پرمیشور کی عنایت سے محروم رہنا ہی موت ہے اسی مضمون کو قرآن شریف نے ان لفظوں میں ادا کیا ہے۔ سنو!

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا[2]

[1] کافروں بدکاروں کے دلوں پر ان کی بد اعمالی نے زنگ کر دیا ہے۔
[2] پس اللہ نے اُنکی بیماری بڑھا دی۔

اور اگر آپ سوامی دیانند جی کے دستخط چاہتے ہیں تو سنئیے! سوامی جی لکھتے ہیں:۔

"بودھوں کس درجہ اپنی جہالت کی ترقی کی ہے۔ جس کی نظیر اُن کے سوا دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ یقین تو یہی ہے کہ وید اور ایشور سے مخالفت کرنے کا اُن کو یہی نتیجہ ملا ہے" (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۵۴۱)

کہئیے بابو صاحب! "خود غلط بود آنچہ تو پنداشتی" یا کچھ اور حاجت ہے؟ سچ ہے کرہٹ دھرمی متکلم کے منشاء کے خلاف معنے کیا کرتے ہیں (دیباچہ ستیارتھ پرکاش صث)

آریہ نمبر (۴)

قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا بڑا لڑاکا ہے۔ بھلا جب خدا ہی لڑاکا ہو گیا۔ تو پھر زمین پر صلح اور امن کون قائم کر سکتا ہے" (نساء آیت ۸۴)

مسلمان نمبر (۴)

جس آیت پر آپ کو شبہ ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں:۔

وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَأْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا (پ۵ ع۸)

یعنی خدا سخت لڑائی والا اور سخت عذاب والا ہے" گر یاد رہے کہ لڑاکا ہونے کے وہی معنے ہیں۔ جو یجر وید کے ہیں۔ پس غور سے سنو!

"میں اُس محافظ کائنات صاحب جاہ و جلال نہایت زور آور فاتح کل تمام کائنات کے ساجا قادر مطلق پرمیشور کو جس کے آگے تمام زبردست بہادر سر اطاعت خم کرتے ہیں۔ ہر جنگ میں فتح پانے کو مدعو کرتا ہوں" (ادھیائے ۲۰ منتر ۵۰)

بتلائیے! جس کے آگے بڑے بڑے بہادر سر اطاعت خم کرتے ہیں وہ کیا بڑا بہادر اور لڑاکا ہوگا؟ یہ آریہ سماج کے بانی اور باپ روحانی دیانند جی کی قدیمی غلطی ہے۔ جو اُن کے چیلوں میں سرایت کر گئی ہے۔ کہ خدا کے کاموں کو اپنے کاموں پر قیاس کرتے ہیں۔ لیکن اُن کو یہ خبر نہیں۔ کہ "خدا کے ہاتھ پاؤں نہیں مگر سب سے زیادہ سرعت رکھتا ہے" (ستیارتھ پرکاش باب ۷ نمبر ۳۰)

اسی طرح اُسکے پاس تلوار بندوق نہیں۔ لیکن تمام تلوار بندوق والوں پر غالب ہے اور سب سے طاقتور ہے۔ یہی معنے ہیں اُس کے قاہر یا قہار ہونے کے۔ سنئیے!

قرآن شریف بتلاتا ہے وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ضابطہ ہے کہئیے بابو جی متکلم کے خلاف منشاء معنے کرنیوالے کون ہوتے ہیں؟

آریہ نمبر (۵)

قرآن کی یہ تعلیم ہے۔ کہ خدا لوگوں میں دشمنی ڈال دیتا ہے اور قیامت کے دن تک باہمی کینہ پھیلا دیتا ہے طالب حق اور عاشق خدا کیلئے اس سے بڑھکر مکروہ تعلیم کیا ہو سکتی ہے (مائدہ آیت ۱۵)

مسلمان نمبر (۵)

بابو صاحب کو جس آیت پر اعتراض ہے۔ اُسکے الفاظ یہ ہیں وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَھُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ یعنی خدا فرماتا ہے کہ ہم نے عیسائیوں سے تعمیل احکام کا وعدہ لیا۔ یعنی اُن کو احکام دیئے اور اُنہوں نے اُن کی تعمیل کا صدق دل سے اقرار کیا۔ مگر آخر کار وہ بہت سا حصہ اُن احکام کا جو اُن کو بتلائے گئے تھے۔ بھول گئے۔ توحید کی بجائے تثلیث۔ اور نیک اعمال کی بجائے کفارہ مسیح تجویز کر بیٹھے۔ پس یہ بدعملیاں اس بات کی باعث ہوئیں۔ کہ اُن میں عداوت کا تخم بویا گیا۔ اصل عداوت کا سبب اور موجب تو اُن کی بدعملیاں اور بداعتقادیاں ہیں مگر بحکم اصول موضوعہ نمبر(۱) اُسکو خدا کی طرف نسبت کیا گیا یعنی اصل سبب اُنکی تفرقہ کا یہ تھا کہ وہ خدائی ہدایت کو بھول گئے تھے۔ جیسے کسی کی موت کا قریبی سبب اُسکی زہر خوری ہو لیکن خدا کی طرف بھی اُسکو نسبت کیا جاتا ہے۔ بحکم اصول موضوعہ نمبر اوّل کہئیے! بابو صاحب کیا اعتراض ہے۔ اصول مذکورہ میں دیکھو کہ پرمیشور منصف راجہ کے گھوڑے کس طرح پالتا ہے۔ کیسا ذلیل کام اُس نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ افسوس! بقول آپ کے طالب صادق ایسے پرمیشور کو مانیگا؟

آریہ نمبر (۶)

قرآن کی یہ تعلیم ہے۔ کہ خدا منصف ہے مگر توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اور گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بھلا انصاف اور معافی کا میل کہاں؟ جہاں معافی آئی انصاف اُڑ گیا (بقرہ آیت ۱۶۱)

مسلمان نمبر (۶)

انصاف اور عدل کے معنے یہ ہیں۔ کہ ہر ایک شئے کو اس کے اصلی مقام پر رکھنا۔ پس توبہ جو انسان کرتا ہے۔ خدا کے آگے گڑگڑاتا ہے۔ عاجزی کرتا ہے۔ روتا ہے۔ ناک زمین پر رگڑتا ہے۔ حالانکہ نہ تو خدا کو اور نہ اُس کے عذاب کو اُس نے دیکھا ہے۔ صرف اُسکی قدرت اور خدائی کے آثار سے اتنا جانتا ہے کہ کوئی ہے۔ توکیا اس عاجزی اور انکساری کی بھی کوئی جگہ ہے جسپر اسکو رکھا جاتے؟ اور انصاف اور عدل کے معنے اور اقتضا پورا ہو۔ اگر یہ عاجزی اور توبہ قبول ہوئی تو فبہا ورنہ کہنا پڑیگا۔ کہ اس بیچارے سے انصاف نہیں ہوا۔ خدا نے اُس کیلئے عدل نہیں کیا۔ سچ پوچھو تو توبہ قبول ہونا ہی عدل کا مقتضا ہے۔ دنیا میں جسقدر صفات حسنہ ہیں اُن سب کا سرچشمہ خدائے تعالیٰ کی ذات پاک ہے مثلاً رحم۔ سلوک۔ محبت سخاوت وغیرہ یہ سب کی سب ایک نمونہ اور نشان ہیں اُس بحر مواج کے جس سے اُن کو وہی نسبت ہے جو قطرے کو سمندر سے ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سخت سے سخت دل آقا جو بڑا ہی کنجوس اور نامہربان ہو۔ وہ بھی اپنے نوکر سے جس کا اخلاص اسکو کامل طرح معلوم ہو۔ اُسکی توبہ اور عاجزی پر خطا معاف کر دیتا ہے۔ حالانکہ اُس کو اُس کے دل کا پورا علم بھی حاصل نہیں کہ اخلاص سے توبہ کرتا ہے یا نفاق سے۔ لیکن خداوند تعالیٰ جو دلوں کے حال سے پورا واقف اور مطلع ہے۔ جو بندے کے اخلاص اور نیاز عبودیت سے پورا آگاہ ہے۔ وہ نہ بخشے تو سچ سمجھو کہ ہمارے ہاں کے کنجوس بنیوں سے کہیں بڑھکر سنگدل ہوگا۔ سنئے قرآن شریف خود بتلاتا ہے۔ کہ توبہ کی قبولیت کے حقدار کون ہیں؟ اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟ غور سے سنو!

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ

یعنی توبہ انہی لوگوں کی قبول ہوتی ہے جو بُرے کام غفلت سے کر گذرتے ہیں پھر فوراً توبہ کرتے ہیں نہ اُن لوگوں کی جو مرتے دم تک (جب اُنکو موت اور آخری سفر کے آثار معلوم ہوتے ہیں)

تو بُرے کاموں میں مشغول رہیں اور اُسوقت توبہ کرنے بیٹھیں اور نہ اُنکی جو کفر ہی کی حالت میں مرجائیں۔ اگر بعد مرنیکے توبہ کریں گے تو قبول نہ ہوگی" (سورت نساء ع ۳)

مختصر یہ کہ ہوش وحواس صحت وسلامتی میں محض خدا کے خوف سے اُس کو اپنا مالک شہنشاہ جانکر اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو۔ اور عاجزی سے توبہ کرے۔ تو خداوند تعالیٰ جو بڑا منصف اور عادل ہے اُسکی توبہ کو جو دل کے اخلاص سے کرتا ہے۔ فوراً قبول کر لیتا ہے اور ایسا کرنے پر اس کا وصف عدل اور انصاف مقتضی ہے کہ ایسا نکرے تو منصف اور عادل نہیں۔ اب سنئے وید کیا پرمان دیتا ہے۔

"اے پرمیشور مجھے سچے نیک چلن اور دھرم پر عمل کرنے کی طاقت ہو آپ مجھکو ہمت دیجئے کہ میرا یہ سچے دھرم کا عہد آپکی عنایت سے پورا ہو۔ میں آج سے سچے دھرم کی پابندی اور جھوٹ کھوٹے چلن سے اور ادھرم سے دوری اختیار کرتا ہوں"

(یجروید۔ ادھیائے ۱۔ منتر ۵)

اسی مضبوط عہد کو قرآن شریف کی اصطلاح میں توبہ کہتے ہیں۔ کہیئے! اس عہد کا فائدہ بھی کچھ ہے؟ اگر نہیں تو وید نے یہ دعا عبث کیوں سکھائی۔ ذرہ سوچکر جواب دیجیگا۔ جو فائدہ اس عہد کا ہوگا۔ وہی یا اُسکے قریب قریب توبہ کا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ توبہ سے وہ گناہ معاف نہیں ہوتے۔ جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہوں۔ کسی کا خون کر کے گھر جاکر توبہ کر لیگا۔ تو یہ نہ سنا جاویگا۔ یا کسی کا مال دباکر توبہ کرنے لگیگا تو جبتک اُس کا مال اُس کو نہ دیگا یا اُس سے معاف نہ کرائیگا نہ بخشا جائیگا۔

آریہ نمبر (۷)

قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا غفار ہے۔ مگر قرآن کو پڑھتے جاؤ اور دوزخیوں کی آہ وزاری پر خیال کرو کس طرح سے چلا رہے ہیں۔ معافی مانگ رہے ہیں۔ توبہ کر رہے ہیں۔ مگر خدا کے کان بہرے ہوگئے ہیں۔ کچھ نہیں سنتا۔ کیا خدا کی غفاری اگر وہ کوئی چیز ہے تو قیامت کے دن اُڑ جائیگی؟ اور خدا سنگدل ہو جائیگا؟ اے آنکھ تو خون کے آنسو بہا کہ قرآن میں خدا کے بارے میں تعلیم کیسی بھدی ہے (نساء ایت ۵۵)

مسلمان نمبر (۷)

خدا بے شک غفار ہے۔ مگر اُس نے خود بتلا دیا ہے کہ میری صفت غفاریت کن لوگوں کے متعلق ہے۔ سنو! اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ یعنی خدا مشرکوں کو کبھی نہ بخشیگا۔ اور اُن کے سوا جسکو چاہیگا۔ بخشیگا۔ (چاہنے کے معنے نمبر ۸ و ۹۔ میں آتے ہیں) اں اگر زندگی میں توبہ کریں۔ تو بیشک قابل بخشش ہوسکتے ہیں جسکی بحث اوپر گذر چکی ہے۔ بابو صاحب کہیئے تو متکلم کے خلاف منشاء معنے کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ دیباچہ ستیارتھ دیکھکر جواب عنایت ہو۔

آریہ نمبر (۸)

قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا بدی ناپسند کرتا ہے۔ مگر کتنی شرم کی بات ہے۔ کہ اُسکو بدی کا پیدا کرنیوالا مانا گیا ہے۔ (نساء آیت ۷۸)

(۹) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے۔ خدا کے حکم سے ہوتا ہے تو پھر زناکاروں کی زناکاری۔ شراب نوشی۔ ڈاکہ۔ چوری۔ قتل۔ خون۔ لوٹ مار وغیرہ تمام کام بھی خدا کے حکم سے ہوئے۔ شیطان بے چارے کو کیوں بدنام کیا جاتا ہے؟ افسوس خدا کو نادان لوگوں نے کیا تماشہ بنا دیا (یونس ۹۹)

مسلمان نمبر ۸-۹

بابو صاحب کے پتے تو ماشاء اللہ بے ٹکانے ہیں۔ البتہ ہم خود ہی ظاہر کرتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں یہ مضمون ہے۔ لَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ

یعنی "خدا اپنے بندوں سے کفر کو پسند نہیں کرتا"۔ اور یہ مضمون بھی مختلف مقامات کے ملانے سے ملتا ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے۔ خدا کی مشیت سے ہوتا ہے۔ مگر آپنے مشیت کے معنی پر غور نہیں کیا۔ کرتے بھی کیسے جبکہ تحقیق حق منظور ہی نہ تھی۔ قرآن شریف اور اُس کے لوازمات سے ناآشنا ہوکر تحقیق ہو کیسے سکتی ہے؟ سنئے! مشیت اللہ خدا کے قانون مجریہ کا نام ہے۔ جس پر بموجب اصول موضوعہ نمبر (۴) خدا کی رضا لازم نہیں تفصیل سے سُننا چاہو۔ تو غور کرو۔ کہ ایک جوان مرد جوان خوبصورت عورت کو دیکھکر

اُس سے گلوگیر ہوکر کچھ کا کچھ کر گذرتا ہے۔ یہانتک کہ بعض جوشیلے عاشقوں سے تو اتنا بھی صبر نہیں ہوسکتا۔ کہ اپنے ننگ وناموس کا بھی خیال رکھیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ سر بازار اُنہوں نے مُنہ کالا کیا۔ آخر پا بجولاں ہوکر بڑے گھر کی سیر کو بھی گئے لیکن سوال یہ ہے۔ کہ ایسے جوش کے لئے سبب کیا ہے اور وہ کس کا مقرر کردہ ہے؟ کچھ شک نہیں کہ آستک (خدا کے قائل) یہی کہیں گے۔ کہ خدا تعالیٰ ہی نے یہ قانون مقرر کیا ہوا ہے۔ کہ جوان مرد جوان خوبصورت عورت کو دیکھکر یہ سب کچھ کر گذرنے پر آمادہ ہو۔ اسیطرح باقی گناہوں کی مثال ہے۔ دراصل یہ سب اُسی قانون قدرت کے کرشمے ہیں۔ کسی اہل دل نے اسی راز کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

کار زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت را تہمتے برآہوئے چین بستہ اند

پس اگر ہمارا جواب پسند نہ ہو۔ تو آپ ہی فرمایئے۔ کہ پرمیشور ایسے کاموں پر مجرموں کو کُتّے بلّے اور سؤروں کی جونوں میں بھیجتا ہے؟ کیا یہ انصاف ہے کہ ٹہرا کام اسکے قانون کے مطابق ہو۔ اور سزا دیوے بندے کو؟ اسکی مثال دنیاوی طرز پر سننا چاہو تو نیشنل کانگرس کو دیکھو۔ جو کچھ نیشنل کانگرس کر رہی ہے گورنمنٹ کی اجازت یعنی قانون سے کر رہی ہے۔ کوئی خلاف قانون نہیں۔ مگر جہانتک ہمیں معلوم ہے یہ کام کانگرس کا موجب انعام تو کیا رضا بھی نہیں۔ بلکہ گورنمنٹ اس کے بعض کاموں سے ناراض بھی ہو تو ممکن ہے۔ ٹھیک اسیطرح جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے خدا کے حکم یعنی قانون مجریہ سے ہوتا ہے۔ لیکن وہ بدکاریوں سے راضی نہیں لَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ
ہم آپکی خاطر اس مقام پر اور بھی ذرہ تفصیل اور توضیح کرنے کو ایک دو آیتیں لکھتے ہیں۔ پس سنیئے!

لَوْشَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ لَوْشَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکُوْا
لَوْشَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰھَا

اِن آیات میں بھی اُسی قانون مجریہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر خدا کا قانون ایسا ہوتا کہ ہر فاعل مختار اپنے ارادے میں کم و بیش کامیاب ہوتا ہے۔ جس تلوار سے ایک

مہاتما ایک دُشٹ کو مار کر واصل جہنم کرتا ہے۔ اُسی کو لیکر ایک پاجی ایک صالح نیکبخت کو شہید کر دیتا ہے ایسا ہوتا تو مشرک کافر شرک اور کفر نہ کرتے۔ پس ہم بلند آواز سے کہتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہوتا ہے۔ خدا کے حکم اور ارادے سے ہوتا ہے زانی زنا کرتا ہے تو اُس کے قانون قدرت سے کرتا ہے۔ چور چوری کرتا ہے۔ تو اُس کے قانون سے کرتا ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَخْرُجُ شَيْءٌ مِنْ حِكْمَتِهٖ وَمَشِيَّتِهٖ لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی کوئی چیز اُس کے حکم سے باہر نہیں۔ بابو صاحب! کہیئے تو یہ قرآن کی خوبی کی بات ہے یا مذمت کی؟ مگر آگے پیچھے نہ دیکھنے والوں کو علم کہاں؟

(اُپدیش مکامصنفہ سوامی دیانند صت ۵۲)

شیطان کی مذمت اُسی قدر ہے جتنی کسی مشیر بد تدبیر کی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ صرف بطور مشورے کے بُرا کام سمجھاتا ہے۔ نہ کہ بطور جبر کے۔ اسکی بحث بھی اپنے موقعہ پر آئیگی۔

ہم نے اس نمبر کو آپکی خاطر تفصیل سے لکھدیا ہے۔ پس امید ہے کہ آئندہ کو آپ اصول موضوعہ نمبر (۴) کو ملحوظ رکھکر یہ سوال مُنہ پر نہ لا دیجئے۔ اگر لادیں گے۔ تو ہم اُسی نمبر کا حوالہ دینے پر قناعت کریں گے۔ کیونکہ آپکے گھر سے بھی ہمارا یہی دستور ہے جس سے آپکا حق زائد نہیں۔

آریہ نمبر (۱۰) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا لوگوں کی ہدایت کیلئے نبی بھیجتا ہے مگر جگہ بجگہ قرآن میں دیکھو گے۔ کہ خدا ہی لوگوں کو جبرًا گمراہ کر رہا ہے۔ اور وہ آپ ہی اس بات کا معترف گردانا گیا" ہاں ہم گمراہ کرتے ہیں اور جسکو ہم گمراہ کرتے ہیں۔ اُسکو کوئی راہ نہیں دکھا سکتا" بھلا پھر پیغمبروں کی جان کھپانے کی کیا ضرورت اور کتابوں کی بھر مار کی کیا حاجت اور شیطانوں کو ملزم گرداننے کی کیوں نوبت آئی (مائدہ - ۲۵)

مسلمان نمبر (۱۰) افسوس کہ اس نمبر میں بھی آپ اصول موضوعہ نمبر (۱) بھول گئے گمراہی کا اصل سبب تو خود قرآن شریف نے بتلا دیا ہے غور

سے سنو! قرآن مجید جو بانئ فطرت کا کلام ہے۔ کیسی پتہ کی بتلاتا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى[1]

اصل گمراہی کا سبب تو انسان کی اپنی ذاتی شرارت اور خدا سے بے نیازی ہے مگر چونکہ بموجب اصول موضوعہ نمبر اوّل اُسکو خدا کی طرف بھی نسبت کرنا جائز ہے۔ اس لئے علت العلل پر اطلاع دینے کو قرآن شریف نے بتلا دیا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا[2]

آریہ نمبر (۱۱) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا پاکیزگی کو پسند کرتا ہے مگر قرآن کو بغور پڑھنے سے پتہ لگتا ہے کہ خدا نے ناپاک دل کو پاک کرنا نہ چاہا۔ بلکہ ناپاکی کو اور بھی زیادہ کر دیا۔ اور گمراہی بڑھا دی بچوں کا کھیل ہے ایک بے بنیاد بات کو قائم رکھنے کے واسطے بہت کچھ گھڑ منٹ کرنا پڑا۔ مگر فضول۔ (مائدہ آیت ۲۵)

(۱۲) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا تمام عیوب سے پاک ہے مگر دیکھئے شیطان کو بہکانے والا اور گمراہ کرنے والا خدا ہی ہے۔ ہم شیطانی ڈھکوسلے سے فرض کرسکتے ہیں۔ کہ شیطان لوگوں کو بہکاتا ہے۔ مگر شیطان کا گمراہ کنندہ خدا ہے۔ (اعراف - ۱۶)

مسلمان نمبر ۱۱-۱۲ افسوس ان نمبروں میں بھی آپ اصول نمبر اوّل کو بھول گئے جناب من! ہر ایک کام کیلئے خدا نے اسباب بنائے ہیں۔ جب تک اُن اسباب سے کام نہ لیا جائے۔ کامیابی نہ ہوگی۔ جبتک آگ کے ذریعہ روٹی نہ پکا ئینگے نہ پکے گی۔ تعجب تو یہ ہے۔ کہ جو بات آریہ سماج بڑے زور سے کہتی ہے جب وہی مضمون قرآن شریف سے نکلتا ہے۔ تو اُس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ پس جبتک کوئی نیک نیتی اور صفائی دلی سے خدا

[1] بیشک انسان کی گمراہی کا سبب یہی ہے کہ وہ اپنے آپکو کسی کا محتاج نہیں جانتا (سورہ اقرا)
[2] اس قرآن کیساتھ اللہ بہتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ اور کئی ایک گمراہ کرتا ہے (سورہ بقرہ ع ۳)

کی طرف نہ جھکیگا۔ عصمت اور پاکی نصیب نہ ہوگی۔ یہی معنی اس آیت کے ہیں جسپر آپکو شبہ ہوا ہے۔ غور کیجئے!

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ

سُنئے! اس آیت سے پہلے یوں مذکور ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

یعنی بعض یہودی جھوٹ سننے کے عادی ہیں۔ دوسرے لوگوں کیلئے (جو تمہارے پاس نہیں آتے) باتیں سنتے ہیں۔ کلام کو اصل جگہ سے بگاڑتے ہیں۔ اپنے معتقدوں کو کہتے ہیں۔ کہ اگر یہی مطلب جو ہم نے تم کو بتلایا ہے۔ کوئی بتلائے تو قبول کرنا۔ ورنہ اس سے بچنا۔ جسکو خدا ہی کسی بلا میں مبتلا کرنا چاہے تم ہرگز اس کیلئے ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھوگے۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پاک کرنا نہیں چاہا۔ دنیا میں ان کے لئے ذلت ہے۔ اور آخرت میں بھی عذاب"

تمام آیات کو ملانے سے مطلب صاف ہے۔ کہ وہ لوگ چونکہ خدا تعالیٰ کے قانون جبریہ کے مطابق ہدایت کی طرف رُخ نہیں کرتے۔ اس لئے گمراہی میں پھنس رہے ہیں اسی مرحلے کے اظہار کو بحکم اصول موضوعہ نمبر اوّل اُن کی گمراہی اور عدم طہارت کو خدا نے اپنی طرف نسبت کیا۔ تو کیا اعتراض؟

بابو صاحب! آگے پیچھے کو ملاکر معنے نہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ ذرہ سوامی دیانندجی سے پوچھکر بتلانا (دیکھو سکا ملاحظہ)

شیطان کی حمایت پر آپ بہت کمر باندھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ پہلا ہی

اصول موضوعہ بھول جاتے ہیں۔ ہم بتلا آئے ہیں کہ فعل کی نسبت جیسی مسبب کی طرف ہوتی ہے مسبب الاسباب اور علت العلل کی طرف بھی جائز ہے۔ جہاں کہیں گمراہی کو خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کیا گیا ہے وہ اسی بناء پر کیا ہے کہ خدا سب کا علت العلل ہے" درخانہ اگر کس است یک حرف بس است" دیکھو قرآن شریف جو علام الغیوب کا کلام ہے شیطان کی گمراہی کا سبب قریب بتلاتا ہے۔ غور سے سنو!

* اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ* فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ

یعنی شیطان نے خدا کے حکم کی تعمیل سے انکار اور تکبر کیا اور کافر ہوگیا پس اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی۔

بایں ہمہ چونکہ بموجب اصول موضوعہ نمبر اوّل علت العلل کی طرف بھی نسبت کرنا جائز ہے شیطان نے اپنی گمراہی کو خدا کی طرف نسبت کرکے بِمَا اَغْوَيْتَنِىْ (تو نے مجھے گمراہ کیا) کہدیا۔ تو تعجب کیا ہے۔ اور سوال کیا؟ ہے ری جانبداری تیرا ستیاناس! تو انسان سے ضد کی حالت میں کیا کچھ نہیں کراتی۔ ساجی دوستو! سچ ہے۔؟ ہٹ دھرمی مذہب کی تاریکی میں عقل کو زائل کر لیتے ہیں (دیباچہ ستیارتھ پرکاش)

آریہ نمبر (۱۳) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا مخول کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ مگر افسوس وہی خدا مسخرا۔ مخولیا، ٹھٹھول گردانا گیا ہے (بقرہ۔ آیت ۱۵)

مسلمان نمبر (۱۳) ع تو آشنائے حقیقت نہ خطا اینجاست

جس لفظ پر آپ کو شبہ ہے وہ استہزاء ہے جو آیت کریمہ میں مضارع کی صورت میں آیا ہے۔ سنو!

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ

اس آیت میں منافقوں کا (جو بظاہر مسلمان بنتے اور اندر سے کافر ہوتے تھے) بیان ہے

* یہ عبارت قرآن کے دو مقاموں کی ہے۔

مطلب بتلانے سے پہلے استہزا کے معنے بتلا دینے ضروری ہیں۔

استہزاء۔ افسوس کردن وانکار چیزے نمودن۔ ومکافات فسوس دادن یا ناگاہ گرفتن برآں (منتہی الارب)

پس ان معنے کو یاد رکھکر آیت کا مطلب سنئے! خدا فرماتا ہے "جب منافق لوگ ایماندار وں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ہم مدت سے ایمان لاتے ہیں۔ اور جب اپنے شیطانوں یعنی سرگروہوں کے پاس جاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اُن (مسلمانوں) سے تو ہم صرف مخول اور ٹھٹھا کرتے ہیں (ان کے جواب میں خدا نے فرمایا) اللہ اُن کے اس مخول کی اُن کو سزا دیگا۔ اور ناگاہ پکڑیگا۔ اور سردست اُن کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ اس لئے اپنی گمراہی میں سرگردان پھر رہے ہیں"

کہئے! کیا اعتراض ہے؟ کاش آپ سوامی دیانند جی کے بھومکا میں "شلیشا لنکا" یعنی فرک کی بحث ہی دیکھ لیتے۔ تو آپکو معلوم ہو جاتا۔ کہ ایک لفظ کے متعدد معنے بھی ہوتے ہیں۔ جو متکلم کی شان اور منشاء کے موافق ہوں۔ وہ لئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس کہ بہت لوگ ایسے ضدی اور متمرد ہوتے ہیں۔ کہ وہ متکلم کے خلاف منشاء تاویل کرتے ہیں۔ (دیباچہ ستیارتھ مٹ)

آریہ نمبر (۱۴) قرآن کی یہ تعلیم ہے۔ کہ خدا قسم کھانے کو اچھا نہیں سمجھتا۔ مگر قرآن کی ورق گردانی کرو۔ دیکھو گے ایک کم اعتبار جھوٹے شخص کی طرح کہ جس کی بات کا کوئی بھروسہ نہ کرتا اور لاچار قسم کھانے پر مجبور رہوتا۔ خدا گھوڑوں اونٹوں۔ درختوں۔ پہاڑوں کتابوں۔ ہواؤں۔ سورج۔ چاند۔ ستاروں کی پے درپے قسمیں کھا رہا ہے (شمس ۱۔ ۶)

مسلمان نمبر (۱۴) جس مقام کا حوالہ آخر میں آپ نے لکھا ہے۔ وہ تو یہ ہے سورت شمس کی اول سے ۶ آیت تک۔ مگر افسوس کہ اس میں ایک لفظ بھی نہیں۔ جس کا یہ مطلب ہو۔ کہ خدا قسم کھانے کو اچھا نہیں

سمجھتا۔ ہم اپنی تحقیق کی رو سے خود ہی بتلا دیتے۔ مگر افسوس کہ ہمیں بھی تمام قرآن شریف میں ایسا کوئی حکم نہیں ملتا۔ جسکا یہ مطلب یا مفہوم ہو کہ خدا قسم کھانے کو اچھا نہیں سمجھتا۔ ہاں ایک مقام پر صرف اتنا ہے۔

لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ

یعنی تم ایسے نابکار کے کہے میں نہ آنا جو بہت بہت قسمیں کھاتا۔ اور (اپنے جھوٹ کیوجہ سے) ذلیل ہے۔ لوگوں پر آوازے کسا کرتا ہے۔ اِدھر اُدھر کی چغلیاں لگاتا ہے۔ اپنی حد سے بڑھا ہوا بد کردار اکڑ اور بد اصل ہے"

اس حکم سے جو کچھ ثابت ہے۔ وہ کسی مزید تشریح کا محتاج نہیں۔ یعنی یہ کہ جھوٹی قسمیں کھانیوالے دغابازوں سے بچتے رہنا چاہئے۔ لیجئے! اس پر ہمارا بھی صاد ہے۔ مگر اس سے وہ مطلب کہاں ثابت ہوا۔ جو آپکا دعویٰ ہے؟ جھوٹی قسم کھانا بے شک لعنتیوں کا کام ہے۔ مگر سچی قسم سے کون مانع ہے؟ قسم تو صرف اعتبار جتانے کے لئے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عدالتوں میں بھی دستور ہے۔ کہ شہادت سے پہلے ہر ایک شخص کو اس کے مذہب کے مطابق قسم دی جاتی ہے۔ لطف تو جب ہو کہ سماجی عدالت میں حاکم کے سامنے قسم نہ کھائیں۔ اور ستیارتھ پرکاش دکھا کر حاکم سے کہیں کہ قسم کھانا جھوٹوں کا کام ہے۔ ہم تو قسم نہ کھائیں گے۔ پھر دیکھیں کہ ستیارتھ پرکاش کتنی مدت تک اُن سے جدا رہتی ہے۔ سنئے! اصل یہ ہے کہ قرآن شریف چونکہ عربی زبان میں الہام ہوا ہے۔ اس لئے عربی لٹریچر (زبان) کی پابندی اس میں ضروری ہے۔ عرب کے لوگ سچی قسموں کو معیوب نہ جانتے تھے۔ بلکہ اُن میں عام دستور تھا کہ قدرتی اشیاء کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ جس سے اُن کی غرض خالق کی عظمت ہوتی تھی۔ سنئے! قیس (مجنوں) کہتا ہے ؎

الا زعمت لیلیٰ انّنی لا احبھا
بلیٰ ولیال العشر والشفع والوتر

یعنی سنو لوگو! لیلیٰ کہتی ہے۔ کہ مجھے اُسکی محبت نہیں۔ کیوں نہیں۔ مجھے "اس راتوں اور جوڑے اور طاق کی قسم ہے"۔

پیارے پال! آؤ ذرہ تمہیں آریہ دہرم کی پستک کے درشن بھی کرائیں۔ سنوا منوجی کیا پرمان دیتے ہیں:۔

"عورت کی شادی میں اگر لڑکے والے اعتبار نہ کریں۔ یا گئو کی خوراک دینے کیوقت اور برہمن کی حفاظت کیواسطے اگنی ہوتر کے واسطے ایندھن کی ضرورت جتلانے میں قسم کھانا بُرا نہیں" (ادھیائے ۸۔ شلوک ۱۱۲)

اور سنیئے!

"براہمن کو سچ کی قسم اور کشتری کو سواری اور ہتھیاروں کی قسم اور ویشہ کو گئو اور بیج اور سونا کی اور شودر کو تمام پاپوں کی قسم دلائے" (ایضاً۔ شلوک ۱۱۳)

آریہ نمبر (۱۵) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا کُن کہنے سے سب کچھ کرسکتا ہے۔ مگر کیا وہ پاگل[1] ہوگیا تھا۔ یا اپنی کُن کی طاقت کو بھول گیا تھا۔ کہ خواہ مخواہ زمین و آسمان بنانے میں چھ دن لگا دیئے؟ کیوں نہ کُن ہی کہدیا۔ یا کیوں نہ تین دن میں ہی سب کچھ بنا دیا۔ (دھرم ملاپ ۳)

مسلمان نمبر ۱۵

اللہ رے ایسے حُسن پہ یہ بے نیازیاں
بندہ نواز! آپ کسی کے خدا نہیں۔

آپکے اعتراضات پر بے ساختہ ہنسی تو آتی ہے۔ مگر شکر ہے۔ کہ آپ سے پہلے آپکے بلکہ کُل آریہ سماج کے گرو نہیں مہاں گرو۔ سوامی دیانند جی مہاراج کے پرشن ستیارتھ پرکاش میں گوش گذار ہو چکے ہیں۔ اس لئے آپکی نسبت بگمان اس بات کے کہ "آنچہ اُستاد ازل گفت ہماں میگوئی" مجبوری اور معذوری کی رائے پاس کرتے ہیں۔ مگر ہاں اتنا کہنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ کہ آپ نے ترکِ اسلام کرنے میں جلدی کی۔ عجب نہیں کہ ہمارا وجدان جو ہم نے دیباچہ میں

[1] ساجیوں کی شیریں کلامی اور تہذیب۔ (ترک)

لکھا ہے۔ آخرکار صحیح نکلے خدا کرے ایسا ہی ہو۔ سنئے!

دونوں آیتیں ٹھیک ہیں۔ کُن کہنے کا مطلب تو یہ ہے کہ جس چیز یا چیز کی کیفیت کو خدا کُن کہتا ہے۔ وہ اسی وقت ہو جاتی ہے گر زمین و آسمان میں چونکہ کیفیات بیشمار ہیں جو حسب استعداد جسمانی بتدریج اپنے کمال کو پہنچنے کی قابلیت رکھتی ہیں اس لئے ہر ایک کیفیت جسکی استعداد موجود ہوئی۔ کُن ہی سے پیدا ہوئی۔ گیہوں کے کھیت بظاہر تو چھ مہینے میں پکتے ہیں۔ مگر واقف اسرار جان سکتے ہیں کہ اُن میں کیفیات ان گنت ہیں جو ہر آن خدا کے حکم کُن سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور سنئے!

انسان اور گائے کا بچہ بظاہر تو ۹۔ ماہ بعد باہر نکلتا ہے۔ ناواقف سمجھیگا۔ کہ ۹۔ ماہ میں بنا ہے۔ مگر دانا جانتے ہیں کہ اس میں کیفیات بے شمار ہیں۔ جو حسب استعداد خود خدا کے حکم کُن سے ہر آن پیدا ہوتی رہی ہیں۔

ہاں یہ بھی یاد رہے کہ کُن کہنے سے یہ مراد نہیں۔ کہ خدا کاف اور نون کا مرکب لفظ بولتا ہے۔ نہیں اُس کے بولنے میں تو دو حرف درکار ہیں۔ جو خود حادث ہیں بلکہ خداوند تعالیٰ نے ہم کو ایک نقشہ دکھلایا ہے کہ تمہارے نزدیک جو چیز جلدی سے جلدی ہوسکتی ہے اُسکی تصویر یہ ہے کہ تم کہو اور ہو جاوے پس تم یہ سمجھو کہ میری قدرت میں بھی یہی دستور ہے کہ ارادہ ہوتے ہی چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہیں فرق صرف آپکی سمجھ اور بے سمجھوں کی تقلید کا ہے (اصول موضوعہ نمبر ۴ ضرور دیکھو)

آریہ نمبر ۱۶ قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا قدوس ہے مگر قرآن کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی روح ایک عورت کے رحم میں بھی جاسکتی ہے۔ اور خون حیض کھا سکتی ہے۔ اور نو مہینے غلاظت میں پڑی رہکر برسوں تک انامی جامہ میں مقید ہو کر بذریعہ پھانسی نجات پاسکتی ہے مجھے دلی افسوس ہے کہ قرآن نے بائیبل کی تقلید کی (انبیاء۔ ۹۱)

مسلمان نمبر ۱۶

عجا سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

جس آیت کی طرف آپنے اشارہ کیا ہے اُس کے الفاظ

یہ ہیں :-

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

ترجمہ سے پیشتر اصول موضوعہ نمبر اوّل کو یاد کیجئے۔ پھر سنئے کہ اس آیت میں صدیقہ مریم والدہ ماجدہ حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جنکی نسبت یہودی لوگ زنا کی تہمت لگایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ جیسے اولوالعزم خدا کے رسولؑ کو معاذ اللہ ناجائز مولود کہتے۔ اُنکی غلطی کے اظہار اور امر واقعی کے بیان کرنے کو خدا نے فرمایا "مریم نے اپنے فرج کو زنا سے محفوظ رکھا ہم نے اس میں اپنی طرف سے ایک رُوح پھونکی تھی۔ کیسے پھونکی تھی؟ اصول موضوعہ نمبر اوّل کو دیکھو جسطرح سب میں پھونکی جاتی ہے۔ ہاں اُس کیلئے جو سبب تھا۔ اُسی سے پھونکی تھی۔ مگر علت العلل کی طرف نسبت کرنے کو خدا کی طرف اس فعل کو نسبت کیا گیا۔ قرآن شریف کے محاورے میں دُنیا کی سب چیزیں خدا ہی کی ہیں۔ سنئے قرآن شریف بتلاتا ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى

"یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان بلکہ زمین کے تمام طبقات سے نیچے ہے وہ سب خدا ہی کا ہے"

پس ان معنے سے جو روح صدیقہ مریم کے رحم میں بلکہ تمام عورتوں کے رحم میں گھستی ہے وہ سب خدا ہی کی روحیں ہیں مگر آپکو بتقلید پنڈت دیانند سوامی اس بنا پر شک پیدا ہوا کہ خدا کی روح ان معنے سے آپنے سمجھی۔ جن معنے سے اپنی روح کو سمجھتے ہیں۔ یعنی مدار حیات۔ مگر اس اصول پر دونوں گرو چیلے نے غور نہ کیا کہ کسی چیز کو دوسری کیطرف نسبت اور اضافت کئی وجہ سے ہوتی ہے۔ کبھی جزو کی کل کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے میرا ہاتھ تیرا منہ وغیرہ کبھی مملوک کی مالک کی طرف جیسے میرا گھوڑا تیری گھوڑی کبھی مصنوع کی صانع کی طرف یعنی ماجرمن کا چاقو۔ اور لازمن کی عینک وغیرہ وغیرہ۔ اب بتلائیے دیانند جی نے ان نسبتوں میں سے کونسی نسبت مراد لی اور آپ نے اُنکی تقلید میں کیا سمجھا۔

اور اگر آپ سوامی ہی کے دلدادہ ہیں تو سنئے! یہ اضافت اُسی قسم کی ہے۔ جیسے سوامی جی ستیارتھ صفحہ ۹۲ ۲ باب فقرہ ۲۴ پر دنیا کی پہلی پیدائش کو ایشوری سرشٹی (خدائی پیدائش) کہتے ہیں مطلب آیت کا ہوگیا۔ اب سنئے اس موقعہ پر ایک سوال کرنیکو ہماراجی بھی چرا جاتا ہے آپکے گرو سوامی دیانند جی خدا تعالیٰ کے تولد نہ لینے کی دلیل سے ثابت کرنے لگے ہیں فرماتے ہیں

"ایشور کا جنم لینا دلیل سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص اگر اس لاانتہا اکاش کو کہے کہ حمل میں سماگیا۔ یا مٹھی میں رکھ لیا گیا۔ تو ایسا قول کبھی سچ نہیں ہوسکتا کیونکہ اکاش غیر متناہی اور محیط کل ہے۔ اسی واسطے نہ باہر آتا ہے نہ اندر جاتا ہے اسیطرح پرمیشور کے غیر متناہی اور محیط کل ہونے کیوجہ سے اس کا آنا جانا کبھی ثابت نہیں ہوسکتا کسی کا جانا اور آنا اُس جگہ ہوسکتا ہے۔ جہاں وہ نہو۔ کیا پرمیشور رحم میں نہیں تھا کہ کہیں سے آیا اور کیا باہر نہیں تھا جو اندر سے نکلا؟ اس لئے پرمیشور کا آنا جانا جنم لینا اور مرنا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا" (ستیارتھ صفحہ ۲۴۹)

سوامی جی کی عبارت سے اتنا تو بدیہی ثابت ہے کہ پرمیشور ہر ایک عورت کے رحم بلکہ ہر جگہ میں ہے پس آگے آپ اپنی بات ملاکر جواب دیں کہ ایشور؟ ہاں جگدیشور؟ ہاں نراکار؟ ہاں سرب شکتیمان؟ حیض کا خون تو کھاتا ہوگا۔ البتہ خون وغیرہ الائشوں سے ضرور آلودہ ہوگا! سچ ہے!

(مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ۝ (سورہ زمر ع ۸)

(لوگ خدا کی شان کے مناسب اسکی قدر نہیں کرتے)

آریہ نمبر ۱۷

قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا زمین اور آسمان پر کرسی نشین ہے۔ گویا سب جگہ حاضر و ناظر ہے اور اُس کا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ مگر آسمان کے اوپر عرش کا آٹھ فرشتوں کے سر پر اُٹھائے کھڑے ہونا۔ جبرائیل کا خدا کی طرف سے نازل ہونا حضرت عیسےٰؑ کا آسمانوں پر اُڑ جانا۔ پیغمبر عربی کا بُراق پر سوار ہوکر آسمانوں کی سیر اور خدا سے بات چیت کرنا۔ شیطانوں کا آسمانوں پر جاکر چھپ چھپا کر

خدا اور فرشتوں کی بات چیت کا سننا اور اُنپر ستارے توڑ کر ملے جانا وغیرہ وغیرہ کیا یہ اس قسم کے ڈھکوسلے ہیں جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ خدا زمین پر بھی ہے (البقرہ - ٢٥٥)

مسلمان نمبر ١٧

اے کہ آگاہ نہ عالم درویشاں را
تو چہ دانی کہ چہ سودائے سرِ است ایشاں را

قرآن شریف میں خدا کے احاطہ قدرت اور زمین و آسمان میں ہونے کے متعلق صاف صاف لفظوں میں کئی ایک جگہ ارشاد ہے۔ غور سُنو!

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا (سورہ مجادلہ آیت)

"یعنی جہاں کہیں تین آدمی ہوں۔ چوتھا خدا ہوتا ہے۔ جہاں پانچ ہوں چھٹا خدا ہوتا ہے اس سے کم ہوں یا زیادہ وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں بھی ہوں"

ہاں کُرسی کی بابت بابو صاحب نے جس آیت کا حوالہ اخیر کتاب میں دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اس میں کُرسی کا لفظ آیا ہے جسکی تحقیق ہوتے ہی آیت کے معنی حل ہو جائیں گے کُرسی کے معنی قاموس میں لکھے ہیں کہ هُوَ السَّرِيْرُ وَالْعِلْمُ یعنی تخت اور علم" علم کا مطلب تو صاف ہے۔ البتہ تخت سے مراد حکومت ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے جو علمائے دہلی میں بلکہ کل ہندوستان میں ایک بڑے پائے کے مستند عالم گذرے ہیں آیت موصوفہ کا یوں ترجمہ کیا ہے۔

"فراگرفتہ است بادشاہی او آسمانہا و زمین را"

یعنی خدا کی حکومت دُنیا کے ہر ذرّے ذرّے پر گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ کوئی نایاب اور کمیاب نہیں۔ ہر ایک جگہ مل سکتا ہے۔ ملاحظہ کر لیں اور اگر کُرسی کے معنی علم لیں تو بھی مطلب صاف ہے۔ کہ خدا کا علم تمام ذرّے ذرّے کو شامل ہے کہئیے کیا اعتراض؟

ہاں ہم مانتے ہیں کہ خدا عرش پر ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ خدا کی طرف سے جبرائیل آتا تھا ہم مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر چلے گئے وغیرہ۔ پس پہلے عرش پر ہونے کے معنے سنیئے مگر پہلے بھومکا صفحہ ٣٥ کو یاد کر لیجئے۔ کہ کلام کو آگے پیچھے ملا کر جو معنے نکلیں گے وہی صحیح ہونگے۔ اور صفحہ ١ بھومکا بھی دیکھ لیجئے گا۔ جہاں حقیقی معنے نہ ہو سکیں وہاں مجازی مراد ہونگے پس پہلے آیت کے اصلی الفاظ سنیئے!

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (اعراف)

اس ساری آیت میں تحقیق طلب ایک ہی لفظ ہے یعنی اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پس استوا کی بابت عرب کا محاورہ سنیئے! ایک شاعر کہتا ہے

قد استوی بشر علی العراق
من غیر سیف ودم مھراق

یعنی بشر نے ملک عراق پر قبضہ کر لیا۔ اور حکومت کا سکہ جمایا" ایک اور شاعر کہتا ہے

[1] سلف محدثین تو ایسے الفاظ کی کوئی تفسیر نہیں کرتے بلکہ وہ اتنا ہی کہتے ہیں کہ ھو سبحانہ اعلم بذاتہ وصفاتہ (وہی اللہ اپنی ذات اور صفات کو بخوبی جانتا ہے مگر متکلمین یعنی وہ گروہ علماء کا جنکو مخالفین اسلام سے پالا پڑتا رہا ہے وہ ان آیات کے معنے کرتے ہیں چنانچہ امام رازی امام غزالی قاضی بیضاوی شیخزادہ وغیرہ علماء مفسرین نے یہی معنے کئے ہیں جو ہم نے نقل کئے ہیں۔ لیکن اگر بغور دیکھا جاوے تو محدثین اور متکلمین میں یہ اختلاف صرف لفظی نزاع ہے۔ کچھ ایسا نہیں کہ ایکدوسرے سے کشیدگی پیدا کرے۔ چنانچہ نواب صاحب بھوپال باوجودیکہ محدثین کی روش پر ہیں تاہم اپنے رسالہ احتواء علی مسئلۃ الاستواء کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "یہ سب اختلافات نزدیک محققین کے شبیہ باختلاف لفظی و نزاع حرفی ہیں لہٰذا ایک دوسرے کی تکفیر و تذلیل نہیں کرتے"

فَلَمَّا علونا واستوینا علیھم
جعلناھم صرنسر وطائر

یعنی جب ہم اُنپر غالب ہوئے اور اُنپر قبضہ تام کیا۔ تو اُن کو ایسا مارا کہ جانوروں کیلئے خوراک بنا دیا'

خود "صحاح جوہری" میں (جو لغت عرب میں بینظیر اور معتبر کتاب ہے) موجود ہے استوی استولیٰ وظہر یعنی استویٰ کے معنے قبضہ کرنے اور غالب آنے کے ہیں پھر ان پر وہی شعر نقل کیا ہے جو ہم نے پہلے لکھا ہے۔ ایسے ہی اور لغت عرب کی کتابوں مثل لسان العرب صراح۔ تاج العروس۔ جاسوس۔ قاموس وغیرہ میں لکھا ہے۔

پس اب سنیئے! آیت کے معنے یہ ہیں کہ "تمہارا پروردگار اور قابل عبادت وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں مکمل کر دیا۔ پھر ان تمام موجودات پر قابض اور متصرف ہوا۔ وہ تمہارا پروردگار رات دن کی تبدیلی کرتا ہے (رات دن) ایک دوسرے کے پیچھے گویا تلاش میں لگے ہوئے ہیں اُسی نے سورج اور چاند کو پیدا کیا اور تمام ستارے اُسی کے حکم کے مسخر اور قابو ہیں۔ سنو! پیدا کرنا اور حکم دینا اُسی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے بڑا ہی برکت والا ہے"

اب سنیئے! اس آیت کی علماء مفسرین نے کیا تفسیر کی ہے۔ تاکہ آپ یا آپکا کوئی ہمخیال یہ نہ سمجھے کہ ہم نے جو معنے اس آیت کے لکھے ہیں آریوں کے اعتراضوں سے دبکر لکھے ہیں۔

امام بیہقی نے جو چوتھی پانچویں صدی ہجری میں بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں

(۹) ہماری تحقیق میں تو دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ خاکسار راقم چونکہ محدثین اور اہل حدیث کا خادم ہے۔ ساتھ اسکے متکلمین کے احسانات کا معترف ہے لہذا چاہتا ہوں کہ ان دونوں گروہوں اور اسلام کے سچے فدائیوں میں اَن بَن نہ رہے اس لئے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کیلئے اس مسئلہ میں میں نے ایک مستقل رسالہ آیات متشابہات لکھا ہے جو چھپکر شائع ہو چکا ہے۔ منہ

وفیما کتب الی الاستاد ابو منصور بن ابی ایوب ان کثیرا من متاخری اصحابنا ذھبوا الی ان الاستواء ھو القھر والغلبۃ ومعناہ ان الرحمٰن غلب العرش وقھرہ وفائدتہ الاخبار عن قھرہ مملوکاتہ وانھا لم تقھرہ والاستواء بمعنی القھر والغلبۃ شایع فی اللغۃ کما یقال استوی فلان علی الناحیۃ اذا غلب اھلھا وقال الشاعر ؎

استویٰ بشر علی العراق
من غیر سیف ودم مھراق

(کتاب الاسماء والصفات صفحہ ۲۹۲)

اپنی کتاب الاسماء والصفات میں اپنے سابق استاد ابو منصور کا قول نقل کیا ہے۔ کہ بہت سے متاخرین کہتے ہیں کہ استوا کے معنی حکومت اور غلبہ کے ہیں۔ آیت کے معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش کا حاکم ہے اس سے غرض یہ ہے کہ اپنی مخلوقات اور مملوکات پر حکومت کی خبر دے اور استواء کے معنے حکومت اور غلبہ کے عام طور پر لغت میں آتے ہیں جیسے کوئی زمین کے کسی حصہ پر قبضہ کر لے تو کہتے ہیں استویٰ فلان علی الناحیۃ یعنی فلاں شخص حصہ زمین پر قابض ہو گیا پھر وہی شعر نقل کیا ہے جو ہم اوپر لکھ آتے ہیں۔

امام رازی نے کئی ایک ورقوں میں اسپر بحث کر کے ثابت کیا ہے۔ کہ اس آیت سے مراد انتظام حکومت وسلطنت ہے قفال مفسر کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد تنفیذ حکم ہے پھر اُسکی نسبت لکھا ہے کہ یہ قول بالکل ٹھیک اور بلاشبہ درست اور راست ہے امام غزالی نے احیاء العلوم میں یہی معنے کئے ہیں۔ اور شعر اوّل کو سنداً نقل کیا ہے (دیکھو جلد اوّل قواعد العقائد) تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں شیخزادہ نے بڑی تقریر لکھی ہے۔ جو کسیقدر یہاں بھی نقل کیجاتی ہے۔

فی تاویل الایۃ قولان ملخصان اشار المصنف الیھما بقولہ استوی امرہ او استولی ای استقر وجری حیث شاء وکما یشاء وتوضیح الاول ماذکرہ القفال وھو ان العرش فی کلامھم ھو السریر الذی یجلس علیہ الملوک ثم جعل العرش کنایۃ عن نفس الملک یقال ثل عرشہ ای انتقض ملکہ وفسد واذا استقام لہ ملکہ واطرد امرہ وحکمہ قالوا استوی علی عرشہ

واستقر علی سریر ملکہ وھذا نظیر قولھم للرجل الطویل فلان طویل النجاد والرجل الذی تکثر اضیافہ کثیر الرماد ولیس المراد بمثل ھذہ الالفاظ ظاھر معناھا واما المراد تعریف للمقصود علی سبیل الکنایۃ فکذا فی الایۃ المراد من الاستواء علی العرش نفاذ القدرۃ فی مصنوعاتہ علی حسب ارادتہ و مشیتہ وجریان امرہ وتدبیرہ فیھا ثم لما تم امر عالم الملک عمد الی تدبیرہ کالملک الجالس علی عرشہ لتدبیر المملکۃ فدبر الامر من السماء الی الارض بتحریک الافلاک وتسییر الکواکب وتکویر اللیالی والایام فمحصول الایۃ انہ تعالیٰ اخبر انہ خلق السموات کما اراد وشاء من غیر منازع ومدافع ثم اخبر انہ بعد ان خلقھا استوی علی الملک والتصرف کیف شاء ویدل علی صحۃ ھذا التاویل انہ تعالیٰ قال فی سورۃ یونس ان رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ فان قولہ یدبر الامر اجری مجری التفسیر لقولہ استوی علی العرش یغشی اللیل النھار یطلبہ حثیثا الایۃ وھذا یدل علی ان قولہ ثم استوی علی العرش اشارۃ الی ما ذکرناہ فان قیل اذا حملتم قولہ تعالیٰ ثم استوی علی ان المراد استوی علی الملک وجب ان یقال لم یکن اللہ تعالیٰ مستویا علی الملک قبل خلق السموات و الارض اجیب بانہ تعالیٰ کان قبل خلق العالم قادرا علی تخلیقھا وتکوینھا لا انہ کان مکونا وموجدا لھا باعیانھا فضلا عن ان یکون مدبرا ومتصرفا فیھا لان التصرف فی الشی انما یاتی بعد تکوینہ فاستوائہ تعالیٰ علی العرش وظھور تصرفہ فی ھذہ الاشیاء انما یکون بعد خلقھا (شیخزادہ۔ جلد دوم۔ حاشیہ بیضاوی)

جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ یہ آیت ایک تمثیل ہے۔ جیسے بادشاہ حکمران ہوتا ہے یوں کہا کرتے ہیں۔ کہ بادشاہ تخت نشین ہوا۔ اسی طرح حسب محاورہ عرب کے

استویٰ علی العرش سے مراد اس کے احکام کی تنفیذ* ہے۔ مخلوقات میں چنانچہ دوسری آیتوں سے اس امر کو ثابت کیا ہے۔ پھر اس شبہ کا جواب دیا ہے۔ جو ان معنے پر کیا جاتا ہے۔ اگر بعد پیدا کرنے کے خدا نے حکمرانی اور تنفیذ احکام کی تو کیا پہلے وہ حاکم نہ تھا۔ اس کے احکام پہلے جاری نہ تھے۔ اس کا جواب دیا ہے کہ تنفیذ احکام تو (محکوم) کے پیدا کرنے کے بعد ہوتا تھا جب مخلوق ہی نہ تھی تو حاکم کس پر ہوتا؟ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے وہ پیدا کرنے پر قادر تھا۔ نہ کہ اُن پر حاکم اور منفذ احکام تھا۔

کوئی شخص دنیا کی پیدائش اور ماہیت کو سمجھکر یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ کہ خدا دنیا پر ازل سے حاکم ہے کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ دنیا بھی ازل سے ہے۔ جو بجز دہریوں کے کوئی نہ کہیگا۔ اس بحث کے متعلق ہمارا رسالہ **حدوث دنیا** قابل ملاحظہ ہے

شیخ الاسلام عزالدین مصری نے جو چھٹی صدی ہجری میں مشاہیر علماء مصر سے گذرے ہیں۔ جنکے اقوال امام سیوطی بھی تفسیر اتقان میں لاتے ہیں۔ اپنی کتاب الاشارۃ الی الایجاز میں لکھتے ہیں کہ۔ استویٰ علی العرش سے مراد تدبیر اور غلبہ ہے پھر اس شعر اول کو بطور سند نقل کیا ہے۔

استوائہ وھو مجاز عن استیلائہ علی ملکہ وتدبیرہ ایاہ کما قال الشاعر۔ قد استوے بشر علی العراق من غیر سیف و دم مھراق وھو مجاز التمثیل فان الملوک یدبرون ممالکھم اذا جلسوا علی اسرتھم (ص۲۰)

علم کلام کی مشہور کتاب شرح مواقف میں ہے کہ اکثر علماء نے استواء سے مراد غلبہ قدرت لیا ہے۔ پھر وہی دونوں شعر عربی کے سنداً نقل کئے ہیں۔ جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

لما وصف تعالیٰ الاستواء فی قولہ الرحمن علی العرش استوی اختلف الاصحاب فیہ فقال الاکثرون ھو الاستیلاء ویعود الاستواء حینئذ الی صفۃ القدرۃ قال الشاعر (جلد ثالث مصری)

پس آیت استوی علی العرش کی تحقیق یہ ہے۔ جو حسب ضرورت مفصل اور طویل

* اجرائے احکام

ہوگئی۔

قیامت کے روز آٹھ فرشتوں کا عرش کو اُٹھانا بھی ایک عظمت اور جلالت ایزدی کا بیان ہے (دیکھو تفسیر کبیر)

جبرائیل کا خدا کی طرف سے نازل ہونا بھی ان معنے سے ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السّلام کا خدا کی طرف سے آنا یا دیدوں کا پرمیشور کی طرف سے نازل ہونا (دیکھو ستیارتھ اردو طبع اوّل صفحہ ۳۰۷ سطر ۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے آسمان پر جانے سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ آسمان میں محفوظ جگہ جا پہنچے۔ اس سے بھی خدا کا محدود المکان ہونا کیونکر لازم آیا؟

کیا کوئی شخص زمین میں کسی محفوظ جگہ جائے تو کیا اعتراض۔ ہاں یاد آیا شاید آپ عیسائیوں سے خطاب کر رہے ہیں۔ جنکی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ مسیح خدا کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا پس اگر یہ مراد ہے۔ تو اس سوال کا جواب پوچھنے میں ہم بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں عیسائیو! کہاں ہو؟

پیغمبر علیہ السّلام کا آسمانوں کی سیر کرنا بھی اسی لئے تھا۔ جو خود قرآن شریف نے بتلایا ہے لِنُرِیَهُ مِنْ اٰیٰتِنَا یعنی تاکہ ہم (خدا) اُن کو اپنی قدرت کے نشان دکھا دیں جو زمین پر نہ دیکھ سکتے تھے۔ ہائے کیا ظالم اور سرکش ہے۔ جو متکلم کے خلاف منشا تاویل کرتا ہے (دیباچہ ستیارتھ صک)

شیطانوں کا فرشتوں کی گفتگو اور کلام کو سننا بھی اُن کے ایک روحانی تعلق پر متفرع ہے۔ اس سے بھی خدا کو محدود المکان سمجھنا معدوم العقل کا کام ہے۔

ہاں یاد آگیا۔ کہ ہم اور ہمارا قرآن خدا کو زمین پر اُن معنے سے مانتے جن معنے سے آریہ دھرم مانتا ہے۔ پس غور سے سنیئے! سوامی دیانند ایک بڑی مضبوط دلیل سے پرمیشور کا اوتار نہ لینا ثابت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"اگر کوئی شخص اس لاانتہا آکاش (جو یا آسمان) کو کہے کہ حمل میں سما گیا یا مٹھی میں رکھ لیا گیا تو ایسا قول کبھی سچ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پرمیشور غیر متناہی اور محیط کل ہونے کی وجہ سے اُس کا آنا جانا ثابت نہیں ہو سکتا کسی کا جانا اور آنا اُس جگہ ہو سکتا ہے۔ جہاں وہ نہ ہو۔ کیا ایشور (عورت کے) رحم میں نہیں تھا۔ کہ کہیں سے آیا۔ اور کیا باہر نہیں تھا جو اندر سے نکلا۔ اسلئے پرمیشور کا آنا جانا جنم لینا مرنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا (ستیارتھ صہ۲۴۹)

سماجیو! سچ ہے کہ پرمیشور دنیا کے اجسام میں ایسا سرائت کئے ہوئے ہے جیسے پانی میں کھانڈ؟ اگر یہی ہے تو کس منہ سے نوین ویدانتیوں (ہمہ اوستوں) کا ردّ کیا کرتے ہو؟

آریہ نمبر ۱۸

قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا مشرکوں سے بیزار ہے۔ مشرک ناپاک ہیں۔ مگر خدا نے ہی سب سے پہلے شرک کی تعلیم فرشتوں کو دی۔ کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اور جب ایک فرشتے نے شرک کرنے سے انکار کیا۔ تو اُسکو ملعون کر دیا۔ اب سزا کس کو ملے۔ شیطان کو یا خدا کو۔ مشرک کون ہوا؟ خدا یا شیطان؟ (البقرہ۔ ۴-۳۴)

مسلمان نمبر ۱۸

یہ پُرانی شیطانی حمایت ہے۔ جو آریہ لوگوں نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہے مگر صد آفرین کہ ہزار بار جواب پا کر بھی اپنی ڈیوٹی سے غافل نہیں۔ سینہ ٹھونک کر اُس نالائق کی حمایت کئے جائیں۔ سنو! جس آیت پر یہ سوال ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں:-

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

یعنے خدا فرماتا ہے۔ کہ ہم نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے کیا۔ مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبّر کیا اور کافر بن گیا"۔

اب اس آیت میں امر تنقیح طلب تین ہیں۔ ایک یہ کہ سجدے کے یہاں کیا معنی ہیں؟ دوم سجدہ کیوں کرایا؟ سوم ابلیس یعنے شیطان نے سجدے سے انکار کیوں کیا؟

امر اوّل یعنی سجدہ کی بابت تو تحقیق یہ ہے کہ یہ سجدہ عبادت کا سجدہ نہ تھا۔ بلکہ معمولی آداب و نیاز تھا۔ جیساکہ عموماً ادنیٰ یا ماتحت اعلیٰ افسروں سے کیا کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت کچھ مشکل نہیں۔ بشرطیکہ اصول موضوعہ نمبر ۶۔ اور دیباچہ ستیارتھ پرکاش صٹ کو ملحوظ رکھکر وہی معنی صحیح سمجھے جائیں جو متکلم کی مراد ہوں۔

پس سنئے! قرآن شریف صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں میں فرماتا ہے کہ خدا کے سوا کسی ایسی چیز کی عبادت نہ کرو۔ جو نہ تو کچھ پیدا کرسکے نہ تمہیں نفع یا نقصان دے سکے۔ سنو!

قرآن شریف مشرکوں کی شکایت کن لفظوں میں کرتا ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (سورت فرقان ع۱)

یعنی مشرکوں کی غلطی دیکھئے کہ اللہ کے سوا ایسے لوگوں کی عبادت کرتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرسکتے۔ بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ اُن کو تو اپنے نفس سے ضرر ہٹانے اور نفع حاصل کرنیکا بھی اختیار نہیں۔ اور نہ کسی کی موت اور نہ حیات اور نہ موت سے بعد اُٹھانا ان کے اختیار میں ہے"

اور سنیئے!

لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ

یعنی خدا کے سوا کسی ایسی چیز سے دعا مت مانگو یعنی اُسکی عبادت مت کرو جو نہ تم کو ضرر دے سکے نہ نفع۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یاد رکھو تم بھی ظالموں میں سے ہوجاؤ گے

اور سنیئے! قرآن شریف کے شروع میں ہی آپکو ملیگا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

"یعنی اے ہمارے مولا! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں"

اِن آیات کو دیکھو۔ قرآن شریف کیسے صاف اور صریح لفظوں میں غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ کہ آدم کیلئے سجدہ عبادت کا حکم دے ہاں پس اصول موضوعہ نمبر ۶ اور دیباچہ ستیارتھ صٹ سامنے رکھو تو معلوم ہوگا کہ سجدے کے معنی وہی ہیں۔ جو یجروید میں "نمسکار" کے ہیں سنو!

"محیط کل پریشور جو عالموں کے باطن میں جلوہ گر ہے اس محبت کو نمسکار ہو اور جو عالموں سے اس برہم کا علم حاصل کرکے براہم کا درجہ پاتا ہے یعنی جسپر ایشور ایسا مہربان ہوتا ہے۔ جیسے باپ کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے۔ اس براہم یعنے برہم کی عبادت کرنے والے کو بھی نمسکار ہو" (یجروید۔ ادھیائے ۳۱۔ منتر ۲۰)

جس طرح سے اس منتر میں عالموں کی خدمت میں نمسکار یعنی تعظیم و تکریم یا سلام و نیاز کرنیکا حکم ہے۔ اسی طرح آیت مرقومہ میں آدم سجدہ کرنے کا حکم ہے اور وجہ بھی وہی ہے جو اس منتر میں ہے۔ یعنی علم۔ کیونکہ قرآن مجید میں اس حکم سے پہلے صاف لفظوں میں مذکور ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

"یعنی آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر اُن فرشتوں کے سامنے پیش کرکے اُن سے کہا کہ اگر تم سچے ہو۔ تو ان چیزوں کے نام بتلاؤ"

اِس آیت میں صاف اور صریح لفظوں میں کہا گیا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ نے علم کلی کا دعویٰ کیا تھا اس لئے اُن کی تکذیب کرنے کیلئے خدا نے حضرت آدم کو تمام علوم سکھا کر فرشتوں سے بغرض اظہار اُن کی عاجزی کے استفسار فرمایا۔ تاکہ وہ خود ہی اپنی زبان سے اپنی عاجزی کا اعتراف کریں۔ چنانچہ اُنہوں نے خود ہی اعتراف کیا۔

لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

"یعنی اے خدا ہمیں اسی قدر علم ہے۔ جتنا حضور نے ہمیں سکھایا ہے اُس سے زیادہ سب چیزوں کو حضور ہی کا علم حاوی ہے۔ بیشک ہم جاہل ہیں"

چونکہ آدم علیہ السّلام نے سب چیزوں کے نام اور ماہیت بتلا دی۔ اس لئے حسب دستور وہ اس بات کے مستحق ہوئے۔ کہ فرشتے اُن کو سلام و نیاز یا حسب محاورہ وید نمسکار کریں چنانچہ کیا گیا۔

تیسرا امر کہ شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیوں کیا۔ اس کا بیان بھی خود قرآن شریف سے ملتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ قرآن شریف اپنا مضمون خود بتلاتا ہے۔ اور "پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند" کی طرح معتقدوں کا منہ نہیں تاکتا۔ کہ کب سوامی دیانند جی دیا کریں۔ تو اگنی کے معنے آگ کے چھوڑ کر خدا کے بتلاویں۔ بہر حال سنو! قرآن شریف خود اپنی تفسیر کرتا ہے۔ کہ شیطان نے کیوں سجدے سے انکار کیا۔ شیطان نے صاف لفظوں میں کہا تھا۔

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (سورہ ص)

یعنے میں بھلا کیونکر اسے سجدہ یا نمسکار کروں حالانکہ میں اس سے عمدہ اور بہتر ہوں۔ میری پیدائش آگ سے ہے۔ اور اس کی پیدائش مٹی سے"

اِس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر آدم کو حکم ہوتا کہ تو شیطان کو سجدہ اور نمسکار کر تو شیطان بڑی خوشی سے اس سجدہ کو قبول کرتا۔ بس یہی وجہ اُس کے انکار کی ہوئی کہ اس نے اس سجدہ کا مستحق آدم کو نہ جانا۔ کیوں نہ جانا؟ اس لئے کہ اپنے آپ کو اس سے اچھا جانتا تھا۔ نہ کہ توحید کے اثر سے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ یہ سلام و نیاز توحید کے خلاف نہیں۔ بلکہ وید میں بھی اس نمسکار کا حکم ہے (جو اُس کا قدیمی مذہب تھا۔ کیونکہ وید قدیم سے ہیں؟ چیئرز!)

پس شیطان کے حامیوں کو اس بیان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ جس صورت میں اُن کا موکل ایک امر کی نسبت خود بیان دے چکا ہے۔ تو اُن کا

اس کے خلاف زور دینا کیونکر صحیح ہوگا۔ پس اگر اصول موضوعہ نمبر ۶۔ اور دیا چہ تیا کا مضمون صحیح ہے۔ (جو بیشک صحیح ہے) تو کچھ شک نہیں کہ آریوں کا تار و پود یا الکل تارِ عنکبوت سے بھی ضعیف ہے۔

مختصر یہ کہ آیت میں نہ تو شرک کی تعلیم ہے۔ نہ توحید کے خلاف ہے۔ بلکہ صرف دیانند جی اور اُن کے دام افتادوں کی سمجھ کا پھیر ہے[ف]

کَمْ مِّنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِیْحًا
وَّ اٰفَتُهٗ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِیْمِ

سنئے! شرک کی تعلیم ہم آپ کو بتلاتے ہیں۔ مگر تعلیم سے پہلے مشرکوں کے دیوتا اگنی (آگ) کی ماہیت اور پوری تعریف کا بتا دینا بھی ضروری ہے تاکہ کسی کج فہم کو مجال انکار نہ رہے۔ سنیئے! اور ہوش سے سنیئے!!

"اگنی انسان کے ایندھن سے پیدا کیا گیا ہے تاکہ وہ صبح سے ملے۔ جو دودھ دینے والی گائے کی طرح چلی آ رہی ہے۔ جسطرح جوان درخت اپنی شاخوں کو بلندی کی طرف نکالتے ہیں۔ اسی طرح اگنی کے شعلے آسمان کے گنبد کی طرح چڑھ رہے ہیں" (سام وید فصل اول پرپاٹک ۳ منتر ۱)

اور سنیئے!

"راکشسن دیوتا قلعہ کو تباہ کرنے والا سنہری داڑھی والا۔ اپنی درہ کیساتھ خوب عظیم الشان ہے" (منتر ۲)

ان دونوں منتروں سے اگنی کی ماہیت تو معلوم ہو چکی۔ کہ وہ ایک ایسی چیز ہے۔ جو ایندھن سے پیدا ہوتی ہے۔ لوکدار ہے۔ آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ

اب سنئے! مشرکانہ تعلیم اگنی کی بابت کیا ہے۔

"ہم اگنی کو بطور قاصد کے پسند کرتے ہیں۔ وہ اس مقدس رسم کا پرہیز منتظم ہے۔ وہ ایسا ہوتر ہے کہ جسکے پاس کل دولت جمع ہے" (سام وید فصل ا۔ پرپاٹک اول منتر ۲)

[ف] بہت سے آدمی صحیح مضمون پر اعتراض کرتے ہیں۔ جسکی وجہ ان کی سمجھ کی کمزوری ہے۔ منہ

"اے اگنی دیوتا لوگ نہایت ادب سے طاقت کیواسطے تیری مدح سرائی کرتے ہیں تو دشمن کو خطروں سے تکلیف دے" (رِگ وید پہاٹک ۲ ۔ منتر ۱)

اور سنئے!

"میں یہاں مضبوط اتحاد کے واسطے اگنی کو بلاتا ہوں ۔ اُسکو جو کہ تمہیں خوش قسمتی دیتا ہے ۔ اور ہماری مقدس رسموں میں آتا ہے" (رِگ وید پہاٹک ۳ ۔ منتر ۳)

اور سنئے!

"اے اگنی تو اپنی لوکدار شعلے سے ہر خونخوار اور مہلک دشمن کو پامال کرے ۔ کاش ایسا ہو کہ اگنی لڑکا ہمارے لئے دولت جیتے یعنی جنگ میں اپنی تیزی اور حرارت سے دشمنوں کو قتل کرے" (منتر ۲)

اور سنئے!

"یہ اگنی مالک ہے خوش قسمتی بہادری ۔ دولت ۔ شریف اولاد اور گاؤں کی بے شمار تعداد کا وہ دیوتا ہے دشمن سے لڑنے والا" (فصل دوم پر پہاٹک ۱ منتر ۴)

اور سنئے!

"اے اگنی میں تیرا سچا بندہ بہت سی نذروں کے ساتھ" (باب ۲م فصل اوّل پر پہاٹک ۱ منتر ۱)

اور سنئے!

"اے اگنی تو ھَوَن کے کام میں بڑا ہنر رکھتا ہے ۔ پس اے اگنی تو دیوتاؤں کو اس ہنر گار کے پاس لا جو خوشی خوشی تیری عبادت کرتا ہے ۔ تیری شوکت ہمارے دشمنوں کو دور کرتی ہے" (منتر ۴)

اور سنئے!

"اے اگنی جس کسی کا رابطہ صداقت تجھکو پسند ہوتا ہے ۔ وہ تیری مدد سے اُس چیز کو فتح کر لیتا ہے جو اُسکے لئے بہادر فرزند لاتی ہے اور بڑے بڑے کام کرتی ہے" (رِگ وید پہاٹک ۲ منتر ۴)

اور سنئے!

"اے اگن تو ہمارے پاس وہ شان و شوکت لا ۔ جو ہمارے گھروں ۔ کے ہر لچی اور لوگوں کے بغض آمیز غصے پر غالب ہو ۔ (منہ)

اور سنئے!

چونکہ انسان کا سرگرم مالک اگنی منوؔ[1] کے خاندان پر مہربان ہے اس لئے وہ جلد اگستوں کو ہم سے دور کرتا ہے" (منتر ۸) مطبوعہ ودیا ساگر پریس بروٹھا ضلع علیگڈھ

آجتک تو آریوں کا عام دستور ہے کہ جو بات اُن کے مذہب کے خلاف اُنکے ویدوں یا اُنکی کسی مسلّم کتاب سے دکھائی گئی ۔ اُنہوں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ ترجمہ غلط ہے ۔ دیکھئے اب منتروں کے جواب میں وہی چال چلتے ہیں یا کوئی اور راہ نکالتے ہیں ۔ بہرحال کچھ ہو مقامات مرقومہ کو پہلے دیکھ لیں دیکھکر اقرار کریں کہ حوالہ صحیح ہے تاکہ ہم تو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوں

آریہ نمبر ۱۹

قرآن کریم کی تعلیم ہے کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ۔ بھلا خدا نے چند آدمیوں کی خاطر جنہوں نے نوح کا کہنا نہ مانا تمام دنیا کو ڈبو دیا؟ دیگر انسانوں نے کیا گناہ کیا تھا ۔ حیوانوں نے کیا قصور کیا تھا کہ ان سب کو بھی غرق طوفان کیا اور پھر شیخی بھگارنے لگا ۔ کہ ہم نے طوفان نوح نازل کر کے سب کو غرقاب کر دیا" (مومنون ۔ ۲۵)

مسلمان نمبر ۱۹

اس بیان میں تو آپ نے قرآن شریف سے ناواقفی کا ثبوت دیا ۔ پیارے پال! دھرم سے کہنا کہ قرآن کی کسی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ طوفان نوح تمام دنیا پر آیا تھا؟ جس میں بیگناہ لوگ بھی مارے گئے تھے ۔ بابو صاحب! جھوٹ بولنا ہر مذہب میں برا ہے خصوصاً قرآن شریف میں تو اس فعل بد پر لعنت آئی ہے ۔ حق تو یہ تھا کہ جبتک آپ قرآن کی کسی آیت سے اپنا مدعا ثابت نہ کر لیتے ہم جواب کے مکلف نہ تھے مگر چونکہ ہمیں یقین ہے کہ آپ اس میں ہرگز کامیاب نہ ہونگے ۔ چاہے سوامی دیانند کی روح بھی آپ کی مدد کرے ۔ اس لئے ہم ہی آپکی غلط فہمی رفع کرنیکو بتلاتے ہیں سنئے!

قرآن شریف آپکے اس باطل دعویٰ کو دو طرح (عموم و خصوص) سے رد کرتا ہے ۔

[1] یہ لفظ جتلا رہا ہے کہ یہ منتر منو جی سے پیچھے بنا ہے ۔ حالانکہ منو جی شروع دنیا میں نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اپنی سمرتی کے باب اوّل میں پیدائش عالم کی تفصیل لکھی ہے ہماری غرض یہ ہے کہ یہ منتر معہ اُس وید کے جس میں یہ منتر ہے ۔ شروع دنیا سے نہیں بلکہ بعد میں بنائے گئے ہیں مفصل کے لئے ہمارا رسالہ "حدوث وید" ملاحظہ ہو ۔ منہ

عموم بیان قرآن شریف کا تو یہ ہے

مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (سورہ بنی اسرائیل ع۲)

یعنی خدا فرماتا ہے کہ ہم کسی قوم یا ملک کو عذاب نہیں کیا کرتے۔ جبتک رسول نہ بھیجیں

بعد بھیجنے رسول کے یا اُسکی تعلیم کی جب وہ مخالفت کرتے ہیں۔ تو عذاب نازل ہوتا ہے۔ پس آپکے وہ معصوم بچّے اور بے گناہ آریہ جن کو حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ نہ پہنچی تھی۔ کیطرح ہلاکت کے مستوجب نہیں۔ مطمئن رہیں۔

خصوص بیان قرآن شریف کا خاص حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے متعلق ہے۔ جس میں صاف ارشاد ہے کہ۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً (پ۱۹ ع۲)

یعنی نوح کی قوم نے جب نوح کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو غرق کیا۔ اور اُن کو اور لوگوں کے لئے عبرت کا نشانہ بنایا۔ کہ وہ بھی سُنکر عبرت پکڑیں"

کہئیے! بابو صاحب! بے گناہوں کو غرق کیا یا اونہی کو جو وید کی تعلیم کے مطابق بھی کُتے۔ بندر۔ سؤر بننے کے قابل تھے۔ میں شکایتًا تو نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے طور پر کہتا ہوں کہ آپ نے قرآن شریف کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں لگایا۔ جارج سیل کا انگریزی یا کوئی معمولی اردو ترجمہ قرآن دیکھکر اور غیر محقق واعظوں اور لیکچراروں کے لیکچر سنکر قرآن شریف کے سر تھوپ دیئے۔ جو ایک محقق کی شان سے بہت بعید ہے مگر آپ بھی کیا کریں آپکے گرو دیانند جی کی بھی یہی عادت ہے۔ پس ع

آنچہ اُستادِ ازل گفت ہماں میگوئی

آریہ نمبر (۲۰)

قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ خدا نے اکثر لوگوں کے دلوں پر مُہر لگادی اور کانوں میں پردے ڈالدیئے۔ تاکہ وہ اسکی بات کو نہ سمجھ سکیں۔ مگر پھر اُن کو سمجھانے کیلئے نبی بھیجنا سراسر حماقت ہے۔ اور جب اُس نے خود ہی کانوں پر مہر لگادی۔ تو عذاب اُن کو کیوں؟

چاہیئے کہ خدا خود دوزخ میں پڑجائے۔ یا جو اس قسم کی فلاسفی بناتا ہو۔ وہ افسوس صد افسوس راہ ہدایت کہاں؟ (بقرہ)

مسلمان نمبر (۲۰)

بلا سے کوئی ادا اُن کی بدنما ہو جائے ○ کسی طرح سے تو مٹ جائے ولولہ دلکا

افسوس! بابو صاحب! مجھے آپکے حال پر بڑا ہی رحم آتا ہے۔ یہ تحقیق اور یہ جرأت! کہ ایک ایسی کتاب کا ردّ لکھنے بیٹھے۔ جس کے فدائی اس وقت کروڑہا دنیا میں آباد ہیں۔ جن میں ہر قسم کے لوگ عالم۔ فاضل۔ منطقی۔ فلاسفر۔ حکیم۔ طبیب۔ ہیئت کے اُستاد۔ ریاضی کے موجد وغیرہ وغیرہ ہیں۔ مزید برآں یہ افسوس کہ اپنے گرو سوامی دیانند جی کا قول بھی بھول گئے۔

جو مذہب دوسرے مذہبوں کو جن کے ہزاروں کروڑوں[1] آدمی معتقد ہوں جھوٹا بتلادے اور اپنے کو سچا ظاہر کرے اُس سے بڑھکر جھوٹا اور مذہب کون ہو سکتا ہے؟"

(ستیارتھ صفحہ ۶۹۷)

اب میں آپکو اصول موضوعہ نمبر اوّل کی طرف توجہ دلا کر سفارش کرتا ہوں کہ نمبر ۳ اور نمبر ۴ اور نمبر ۱۲ کو ملاحظہ کریں۔ جن سے آپ سمجھ جائیں گے۔ کہ جو فعل کسی سبب سے ہوتا ہے۔ اُسکو اصلی علّت العلل کی طرف منسوب کردینا بھی جائز ہے۔ پس مہر کا سبب اُنکی بدعملی ہے جسکو علّت العلل (خدا) کیطرف منسوب کیا گیا۔

نبیوں کا بھیجنا بھی اُنہی اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ جو خدا نے دنیا میں سلسلہ اسباب بنا رکھا ہے۔ چاہے کوئی اس میں مستفید ہو یا نہ ہو ○

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ○ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

آریہ نمبر (۲۱)

قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ خدا کے ہاں کسی کی سفارش منظور نہیں ہوتی۔ مگر پھر فوراً کہدیا۔ کہ ہاں بعضوں کی سفارش خدا منظور کریگا۔ بھلا سفارش اور گناہ کا کیا تعلق؟ قرآنی خدا ایک مطلق انسان بادشاہ ہے۔ جسکے سامنے قیدی لائے جاتے ہیں۔

[1] اسپر جو سوال ہوگا۔ وہ ہم پر نہ ہوگا۔ بلکہ سوامی جی پر ہوگا ذرہ سوچکر کرنا۔

وزیر سفارش کر رہا ہے۔ کارکن دیگر امورات سلطنت سرانجام دے رہے ہیں اور خاصہ اورنگ زیبی دربار لگا ہوا ہے۔ (بقرہ۔ ۲۵۵)

مسلمان نمبر (۲۱)

اصول موضوعہ نمبر ۲۔ اور دیباچہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۷ کو دیکھ لیتے تو کبھی یہ سوال منہ پر نہ لاتے۔ قرآن شریف جب اپنا مطلب خود بتلاتا ہے۔ تو آپکے حاشیہ چڑھانے کی حاجت کیا ہے۔ سنیئے!

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا

"یعنی دربار رب العالمین میں کوئی چوں نہیں کر سکتا لیکن جس کو عرض کرنے کی اجازت ملے۔ اور وہ بات بھی درست کہے"

یعنی کسی مشرک۔ اگنی پرست۔ مسیح پرست۔ صلیب پرست۔ بت پرست۔ قبر پرست وغیرہ کی سفارش نہ کرے۔ سفارش بھی ادنیٰ گناہوں پر ہوگی۔ جو قابل معافی ہوں گے ہاں یاد آیا کہ پرمیشور کی سلطنت تو اتنی بڑی ہے کہ۔

"تینتیس دیوتا اس پرماتما کے تقسیم کئے ہوئے فرائض کو پورا کر رہے ہیں" (اتھرو وید کانڈ ۱۰ اپرپاٹھک ۲۳ انوواک ۴ منتر ۲۷)

کسی بڑے راجہ بکرماجیت کا سا دربار ہوگا! نہیں نہیں ہمارے شاہ انگلستان کا سا ہے! مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (کافر خدا کی شان کے مناسب قدر نہیں کرتے)

مہاشہ جی! ہر ایک جرم پر سفارش قبول نہ ہوگی۔ اور نہ ہر ایک مجرم کے حق میں ہوگی بلکہ خاص ان لوگوں کے حق میں ہوگی۔ جن کا اخلاص اور دلی محبت خدا تعالیٰ کی جناب میں ثابت ہونگے مگر کسی نفسانی خواہش سے گناہ میں مبتلا ہو کر بے توبہ مر گئے ہونگے۔ چونکہ آپنے بھی اس بیان میں کوئی دلیل عقلی ایسی نہیں لکھی۔ جس سے سفارش کا ہونا محال ثابت ہو۔ اس لئے ہم بھی سردست اسی پر قناعت کرتے ہیں۔ کہ سفارش ایک دعا ہے۔ جس کا قبول کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔

ہاں ہم یہ بھی آپکو بتلائے دیتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں۔

جو شفاعت سے بالکل منکر ہیں۔ میں سفارش کرتا ہوں۔ کہ اگر یہ شفاعت کا مسئلہ بھی آپکو ترک اسلام کا سبب ہوا ہے تو آپ کو مسلمان رہکر بھی اُن فرقوں میں جگہ ملجانے کی گنجائش ہے۔ بہرحال علیحدگی اچھی نہیں ؎

کون کہتا ہے کہ تم ہم میں لڑائی ہوگی ۔۔۔ یہ ادائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی

آریہ نمبر (۲۲)

قرآن کی یہ تعلیم کہ خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور اُس میں روح پھونکی۔ یعنی پہلے ایک مٹی کا پتلا بنایا اور پھر اُس میں جان ڈالی گئی۔ وہ روح کہاں سے آگئی۔ اگر ہم یہ کہیں کہ خدا نے اپنی روح اس میں ڈالی۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ خدا میں بھی وہ صفات ذمیمہ موجو ہیں۔ جو اُسکے ایک روح میں (جو آدم میں آیا) موجود تھیں۔ اگر یہ کہیں کہ خدا نے نیستی سے روح پیدا کی۔ تو یہ بالکل لغو ہے۔ کیونکہ نیستی سے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ نیستی نام ہی اُس چیز کا ہے۔ جس کا کوئی وجود مفہوم نہیں ہو سکتا بہروجہ قرآن کا یہ مسئلہ میں تسلیم نہیں کرتا۔ (حجر ۲۸۔ ۲۹)

مسلمان نمبر (۲۲)

اس نمبر کا اصل جواب تو نمبر ۱۹۔ میں ادا ہو چکا ہے۔ اور ہم بتلا آئے ہیں۔ کہ اضافت کئی قسم پر ہوتی ہے۔ یہاں بھی اضافت مصنوع کی صانع کی طرف ہے۔ ذرہ ورق اُلٹ کر صفحہ ۳۲ ملاحظہ کیجئے گا۔

رہی یہ بحث کہ رُوح کہاں سے پیدا ہوئی؟ سو یہ سوال قرآن شریف پر نہیں کیونکہ قرآن شریف نے روح کی پیدائش کا یہاں پر ذکر نہیں کیا۔ البتہ ہم دلائل عقلیہ سے اتنا تو یقیناً جانتے ہیں۔ کہ اگر روح مخلوق نہ ہوتی۔ تو خداوند تعالیٰ جو بڑا ہی منصف نیاکاری دیالو رحیم ہے۔ ممکن نہ تھا کہ اس پر حکومت کرتا۔ بھلا اگر روح اسکی مخلوق نہیں۔ تو وہ اسپر حکومت کا کیا حق رکھتا ہے۔ کیوں اُس کو دبائے بیٹھا ہے کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ کیا روح بغیر اُس کی مدد اور سہارے کے جی نہیں سکتی؟

؎ اس شعر کا اثر ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ کتاب ہذا۔

اگرچہ نہیں سکتی تو بھی اُسکے مخلوق ہونے کی علامت ہے۔ کیا وہ اسکو اپنی پناہ میں نہ لے تو یہ فنا ہو جائیگی؟ اگر جواب ہاں میں ہے۔ تو اُس کے حادث ہونے میں کیا شبہ ہے۔ پھر بغیر پیدا کرنے کے اُسکو حکومت کا کیا حق ہے؟

بعض سادہ لوح آریوں سے سُنا کہ ہم جو اپنے گھوڑے۔ بیل گدھے وغیرہ پر حکومت کرتے ہیں۔ تو کیا یہ ہماری پیدائش ہیں؟

ہاں صاحب! حکومت کے کئی اسباب ہیں۔ یا تو زر خرید ہو۔ یا زر خرید کی اولاد یا کسی نے ہبہ کی ہو۔ یا خیرات میں دی ہو۔ یا کسی مورث اعلےٰ سے وراثت میں پائی ہو اور اگر مختصر پوچھو۔ تو ان سب اقسام ملکیت کا مدار ایک ہی بات پر ہے کہ اُس چیز کے خالق نے ہمیں اُس کی حکومت کا اختیار دے رکھا ہے۔ پس بتلایئے۔ خدا کو کس نے اختیار حکومت دیا ہے۔ اس کے سوا کون روحوں کا خالق ہے جس نے اُس سے کہہ رکھا ہے۔ کہ تو ان پر حکومت کیا کر۔

اور سنیئے! بھلا اگر ہم سب مل کر قومی کانگرس کر کے ایک میموریل تیار کریں کہ آج تک تو جو ہوا سو ہوا۔ گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ کو آپ ہم پر سے اپنی حکومت اُٹھا لیجئے یا کوئی معقول وجہ اس حکومت کی بتلایئے۔ تو غالبًا کیا یقینًا ایشور فورًا اس میموریل کو جو نہایت ہی معقول وجوہات پر مبنی ہو گا قبول کر لیگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہمکو وہ چھوڑ کر کیا کریگا۔ اُسکی رعیت کون ہو گا۔ اور وہ راجہ کس کا؟ بس پھر تو وہ ایک ایسے دکاندار کی طرح جو دکان برباد کر کے حیران سرگردان پھرتا ہے۔ آوارہ پھرتا رہے گا۔ ادھر ہم آپس میں ایسے مضبوط عہد و پیمان کر لیں گے۔ اور ایک دوسرے کو خوب سمجھا دیں گے کہ ؎

حسینوں سے نہ ملے دل ہمارے دیکھے بھالے ہیں
نہیں ڈسنے سے رُکنے کے ستمگر ناگ کالے ہیں

اصل پوچھو تو خدا نے اگر روحیں پیدا نہیں کیں۔ تو کچھ شک نہیں کہ

وہ ہماری سادگی اور غفلت سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ مگر جب سے ہم اپنے حقوق سے آگاہ ہو چکے ہیں مقابلہ میں معقول وجوہات پوچھینگے۔ ورنہ عام ایجیٹیشن (جوش) پھیلا دینگے۔ غرض جہانتک ہوسکیگا کرینگے مگر (سوراج) رہائی لئے بغیر نہیں رہیں گے ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

باقی مادہ کا ابطال مفصل دیکھنا ہو۔ تو ہمارا رسالہ "حق پرکاش"[1] بجواب ستیارتھ پرکاش نمبر ۲ ملاحظہ کریں۔ جسکا مختصر مطلب یہ ہے کہ آریوں کا مسئلہ مادہ قدیم نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں لمبائی چوڑائی ہے جو بغیر اتصال کے نہیں ہوسکتی۔ اور جس میں اتصال ہو۔ وہ قابل انفصال بھی ہوتا ہے۔ اور علم فلسفہ ہمکو بتلاتا ہے کہ قابل اتصال اور انفصال قدیم نہیں ہوسکتا۔

آریہ نمبر (۲۳)

قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ آدم سے اُسکی بیوی کو پیدا کیا۔ مگر یہ صاف معلوم نہیں ہوتا۔ کہ آدم کی بیوی اُس سے کیونکر پیدا کی گئی۔ آیا آدم میں عورتوں کی طرح بچہ دان یا رحم تھا؟ اور اگر رحم سے پیدا ہوئی۔ تو نطفہ کہاں سے گیا خدا کے ہاں سے نازل ہوا یا کسی فرشتے نے آدم کو حمل ٹھیرایا؟ دوسری خدا کی کند ذہنی کی دلیل دیکھیئے کہ جب خدا نے بائبل نازل کی تو وہاں تو آدم کی بیوی کا نام بتا دیا۔ مگر قرآن میں نام بتانا بھی بھول گیا۔ شاید اس لئے کہ جہاں بائبل سے اور بہت سی باتوں کا حل اہل قرآن کو ملجائیگا وہاں آدم کی بیوی کا نام بھی ملجائیگا۔ کاش میرے بھائیوں کو سچی روشنی ملے۔ (زمر۔ ۲)

مسلمان نمبر ۲۳

کیا اچھا ہوتا۔ کہ آپ ایکسال تک کسی محقق عالم سے قرآن شریف پڑھ لیتے۔ سنیئے! قرآن شریف نے خود اس سوال کا جواب دیا ہے۔ ایک مقام پر تو اتنا فرمایا۔

جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

[1] نیز مسئلہ ہذا کی تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ اصول آریہ ملاحظہ کریں۔

جس کے معنے ہیں آدم کی جنس سے اُسکی بیوی کو پیدا کیا۔ اُسی کی جنس سے کیوں پیدا کیا؟ تاکہ اُس سے مانوس ہو۔ غیر جنس سے انس اور محبت نہیں ہوتی"

رہی یہ بحث کہ آدم کی بیوی کی پیدائش کیونکر ہوئی؟ سچ پوچھو تو جس طرح آدم وغیرہ اگلی دنیا اور اُنکی جوروؤں کی ہوئی تھی۔ پس ابتو آپکا سارا غصہ پانی کی طرح بہہ گیا ہوگا۔ بیشک جو صحیح اور سچی بات ہو وہ بائیبل سے ہو یا وید سے ہم بتعلیم قرآن لینے کو طیار ہیں مگر اس خوشی میں کہیں نیوگ نہ پیش کر دیجئیگا۔ (چیرز)

آریہ نمبر (۲۴) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا نے آدم کو معہ اُسکی بیوی کے بہشت میں رکھدیا کہ خوب کھاؤ پیو۔ مگر اوس درخت کے پاس مت جانا۔ گنہگار ہو جاؤ گے۔ ہمیں قرآن سے انار۔ انگور زیتون۔ کیلے وغیرہ درختوں کے نام تو ملتے ہیں۔ مگر اُس ممنوع درخت کا نام کہیں نہیں ملتا۔ اس کیلئے پھر ہمیں بائیبل تلاش کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کی نسبت زیادہ مستند اور زیادہ پہلے کی ہے۔ (بقرہ۔ ۲۵)

مسلمان نمبر (۲۴) بائیبل کی تلاش تو آپ بہت کرتے ہیں مگر افسوس کامیابی کی صورت کوئی نہیں بائیبل میں بھی اس سے زیادہ آپکو کیا ملیگا کہ نیک و بد کی پہچان کا درخت تھا (پیدائش ۲ باب کی ۱۷)

اصل یہ ہے کہ ایسے مضامین سے غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ خدا کی بے فرمانی کا نتیجہ بد ہوتا ہے۔ اس سے کیا مطلب کہ وہ درخت کیا تھا۔ چونکہ اُسوقت بوجہ محسوس ہونے درخت ممنوع کے یہ کہا گیا تھا۔ کہ اُس درخت کے نزدیک مت جانا۔ اُسی عبارت کو بعینہ بتلایا گیا۔ درخت کی تعیین پر کوئی امر موقوف نہ تھا۔ کہ اُسکی تعیین بھی کر دی جاتی۔ صرف قلت تدبر کیوجہ ہی ہے اور کچھ نہیں۔

آریہ نمبر (۲۵) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ آدم بمعہ اپنی بیوی کے بہشت سے نکالا گیا۔ اور زمین پر پھینکا گیا وغیرہ وغیرہ

جس کا سر ہے نہ پیر کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا جمع کر دیا گیا ہے۔ بائیبل کے پڑھنے سے بابا آدم کا قصہ کم از کم ہمیں ایک مسلسل کہانی معلوم ہوتی ہے۔ مگر قرآن میں سلسلہ ہی ندارد ہے۔ بیسیوں دفعہ آدم کا قصہ شروع کیا۔ مگر دو یا تین باتوں کو دُہرانے کے سوا اور کچھ دماغ کے اندر سے نہیں نکلیگا۔ آخر انسانی دماغ انسانی دماغ ہی ہے۔ (بقرہ۔ ۳۵)

مسلمان نمبر (۳۵) اس سوال کا خلاصہ تو یہ ہے کہ قرآن شریف سے آدم کا قصہ مسلسل نہیں ملتا۔ اگر مسلسل ہوتا۔ تو کہتے کہ قرآن شریف محض ایک تاریخی کتاب ہے۔ الہام سے اُسے کیا نسبت؟ سچ ہے ؎

نہ از جورِ مردم رہد زشت رو | نہ شاہد ز نامردم زشت گو

بابو صاحب! ہر ایک مصنف اور کتاب کی خوبی یہی ہے کہ وہ اپنے موضوع کو عمدگی سے نبلاہے۔ چاہے اُس کا طرز دوسری سے الگ ہو۔ مثلاً دیکھئے! آپ کے گرو سوامی دیانند آنجہانی نے قرآن شریف پر اعتراض کئے۔ تو اُن کی یہ صورت ہے کہ بسم اللہ سے بسم اللہ کر کے انتہا پر انتہا کی۔ مضامین کا کوئی لحاظ نہیں کیا آپ باوجودیکہ اُنہی کے پیرو بنے مگر طرز نیا اور طریق جدید۔ کہ مضامین کو الگ الگ کر دیا کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ملا کر ایک رسالہ بنا دیا۔ تو کیا کوئی اعتراض ہے؟ کہ اُنہوں نے ایسا کیا تو آپنے ایسا کیوں کیا؟ جس موضوع اور مطلب پر کوئی مصنف قلم اٹھاتا ہے۔ وہ اُسی کا پابند رہتا ہے۔ اور یہی اُسکی خوبی ہے۔ سلسلہ ٹوٹے بلاسے ٹوٹے۔ ٹھیک اسی طرح سے قرآن شریف اور بائیبل کا موضوع الگ الگ ہے۔ بائیبل کی غرض واقعات کا علم کرانا ہے قرآن کی غرض اُن سے نتائج پیدا کر کے عبرت دلانا ہے۔ اس لئے جتنے مضمون سے یہ غرض حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآن شریف اسی قدر لیکر اپنے اصلی مدعا پر آگاہ کر کے آگے چلدیتا ہے۔

آپ نے لکچراروں کو سنا ہوگا۔ کہ ایک مجلس میں ایک قصہ نہایت ہی

مختصر بیان کرتے ہیں۔ بوجہ اس کے کہ اُس مجلس کا اقتضا ہی یہی ہوتا ہے دوسرے موقع پر اُسی قصہ کو اتنا لمبا بیان کرتے ہیں۔ کہ اُس سے زائد ہو نہ سکے قرآن شریف بھی چونکہ قومی لیکچر یا انسانی مواعظ کی کتاب ہے۔ اس لئے اُسی اصول کا پابند ہے۔ جس پر مخالفوں نے آجتک غور نہیں کیا۔ اس کے مکرر سہ کرر قصوں سے گھبرا کر یہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ قرآن شریف میں تکرار ہے یہ ہے وہ ہے مگر یہ سب اُنکی اپنی ہی سمجھ کا پھیر ہے۔ ؎

گلست سعدی در چشم دشمناں خار ست

آریہ نمبر (۲۶) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ ایک دن نرسنگا پھونکا جاویگا تمام جاندار مر جائیں گے۔ نہ معلوم یہ نرسنگا کس جگہ پھونکا جاوے گا۔ اور اُسکی آواز روئے زمین پر کسطرح یکلخت پہونچیگی اور تمام جاندار ایک وقت کیونکر تباہ ہو جائیں گے۔ اور یہ واقعات کب ہونگے اور آیا پھر خدا ساری دنیا کا خاتمہ کر کے بعضوں کو دائمی بہشت میں اور بعضوں کو ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں گرفتار کر کے آپ ہمیشہ کیلئے بیکار ہو جائیگا۔ اور دنیا کے مخمصوں سے آزاد ہو کر سو رہیگا کیا کریگا؟ افسوس کہ میں قیامت کے نرسنگے وغیرہ کو قبول نہیں کر سکتا

(سورہ تعبیلہ ۱۸)

مسلمان نمبر (۲۶) بابو صاحب! معاف رکھیے! بچوں کی سی باتیں ہیں آپ کنوئیں کے مینڈک کی طرح دریا کو کنوئیں سے بڑا تسلیم نہ کرینگے۔ تو کیا دریا کی بڑائی میں فرق آجائیگا؟ اصول موضوعہ نمبرا ہی کو دیکھیے کہ ہر ایک چیز کیلئے سبب ہے اسی طرح دنیا کے فنا ہونے کیلئے بھی کوئی سبب ہے۔ قرآن شریف بتلاتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا

"یعنی خدا فرماتا ہے اے رسول! تجھ سے پہاڑوں کی بابت سوال کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اُنکا کیا حال ہوگا؟ پس تو کہدے کہ میرا پروردگار ان کو ایک دم میں اُڑا دیگا۔ ایسا کہ تم زمین کو چٹیل میدان دیکھوگے" (سورہ طٰہٰ ع ۲)

سنیئے! یہی حرکت زمین کی جو تعلیم یورپ تم لوگ بھی اب مانتے ہو۔ اپنے وقت پر خاصی تیز ہو کر تمام چیزوں کو برباد کر دے گی۔ وہی نرسنگے یا صور کا وقت ہے نرسنگے کا مقام بتلانا کیا ضرور ہے۔ جہاں حکم ہوگا پھونکا جاویگا۔ تمام جاندار اسیطرح مرینگے جس طرح آریوں کے پرلے کیوقت سب کچھ برباد ہو جائیگا۔ کیا اس کے بعد پرمیشور بیکار رہیگا۔ اور اس دنیا کے مخمصوں سے چھوٹ جائیگا؟ کیونکہ سارا دھندا تو جیو آتما کا ہے۔ جو اُسوقت نکمی اور بالکل بیکار گہری نیند سو رہی ہوگی (ستیارتھ صفحہ ۲۸۱ باب ۸ نمبر ۱۲ ضرور دیکھو)۔ بابو صاحب آپ نے خدا کو کسی ریاست کا راجہ سمجھا ہے؟ کہ سلطنت کے کاموں سے فرصت ہوئی۔ تو تاش اور شطرنج میں دل بہلانے لگ گیا۔ یہ معلوم نہیں کہ خداوند تعالیٰ جیسا علت موجدہ ہے۔ علت مبقیہ بھی وہی ہے۔ دیکھو اصول موضوعہ نمبر۲ قرآن مجید تو اس سوال کا جواب تو دے سکتا ہے کہ بعد ہونے اس موجودہ دنیا کے جنت دوزخ والوں کی پرورش کریگا۔ اور اگر چاہیگا تو اور دنیا بھی بنا دیگا مگر وید بالکل خاموش ہے۔ بتلا نہیں سکتا۔ کہ پرلے کیوقت خدا کو کیا شغل ہوگا؟ اتنے دنوں تک اُس نے روحوں پر (جو بقول وید اسکی مخلوق نہیں ملک نہیں) ناجائز حکومت کر لی اس سے بعد کیا کریگا؟ ؎

آخر بشر کے واسطے کچھ شغل چاہیئے ۔۔۔ کیا کیجیئے گا اس ستم ناروا کے بعد

آریہ نمبر (۲۷) قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا فرشتوں کی قطار کے ساتھ میدان حشر میں آئیگا اور اُس کے تخت کو آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہونگے۔ بھلا اگر خدا مجسم اور عرش مجسم اور محدود

ؔ آریوں کے مذہب کے مطابق چار ارب سال کے بعد موجودہ دنیا فنا ہوتی ہے اس کا نام پرلے ہے اسلامی اصطلاح میں یہی قیامت ہے۔ منہ

چیزیں نہیں تو پھر اُس کو اٹھانے کے لئے مجسّم فرشتوں کا ہونا چہ معنی دارد ؟

اور اگر کوئی کہے کہ فرشتے بھی مجسّم نہیں ہیں۔ تو جبرائیل ومیکائیل کے قد وقامت بیان کرنیکی کیا ضرورت تھی۔ مریم کے پاس انسان کی شکل میں فرشتہ بھیجنے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے ؟ قرآن کی تعلیم سے فرشتے مجسّم ثابت ہوتے ہیں۔ علی ہذا القیاس خدا بھی جو عرش پر بیٹھا ہوا حکم احکام جاری کر رہا ہے اور کبھی کبھی آگ کی شکل میں پہاڑوں اور میدانوں میں بھی اُترتا ہے (انبیاء ۱۰۴)

مسلمان نمبر ۲۸ اس جگہ نمبر ۲۷ لگانا غلط ہے۔ اصل میں ۲۸ ہے۔ نمبر ۲۷ لکھا ہی نہیں کیونکہ نمبر ۲۷ کا حوالہ آپنے سورہ انبیاء کی ۱۰۴ آیت کا دیا ہے۔ حالانکہ وہاں اسم قسم کا ذکر ہی نہیں۔ البتہ نمبر ۲۸ والا حوالہ اس مضمون کا ہے بہرحال ایک نمبر آپ بھول گئے۔ کیونکہ نمبر ۲۷ سے آگے نمبر ۲۹ ہے پس فہرست اور حوالہ کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ نمبر ۲۷ بھولے ہیں۔ اور یہاں ۲۷ کا ہندسہ غلط لگایا ہے۔ ۲۸ چاہیئے تھا۔ مگر چونکہ ہماری غرض دہوکہ بازی اور میدان جیتنے کی نہیں۔ اس لئے ہم اس مضمون کا خواہ نمبر کچھ ہی ہو۔ جواب دیتے ہیں۔ ؎

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ ہی ۔۔۔ دلکو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

عرش پر بیٹھنے اور عرش کو اٹھانے کا ذکر تو نمبر ۱۰ میں ہو چکا ہے یہاں پر اللہ اور فرشتوں کے صفیں باندہ کر آنیکا جواب دینا ہے پس پہلے آیت کے الفاظ سنو !

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (فجر آیت ۲۲)

جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جس دن (قیامت کے روز) زمین کوٹ کر برابر کیجائیگی اور تمہارے پروردگار کا حکم اُسپر ایسا کرنے کی بابت آ پہونچیگا۔ اور تمام فرشتے عاجزانہ صفیں باندہ کر حاضر ہو جائیں گے"

اس ترجمہ میں ہم نے اور کچھ نہیں کیا۔ صرف ایک مضاف مقدر مانا ہے یعنی جَآءَ رَبُّكَ کے معنے جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ سے کئے ہیں۔ پس اس مضاف یعنے اَمْرُ کے مقدر ہونیکا ثبوت

دینا ہمارے ذمہ ہے۔ اور بس۔ پس سنو !

قرآن شریف اپنی خود تفسیر کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (سورہ نحل آیت اوّل) کفار عرب قیامت کا نام سُنکر جاری چاہتے تھے۔ تو اُنکی فہمائش کو یہ کلام نازل ہوا تھا کہ" اللہ کا حکم آنے کو ہے پس تم جلدی نہ کرو"

شاید آپکو یا آپکے کسی دیانندی مباشہ کو شبہ ہو کہ ہم نے اُن کے سوال سے دب کر یہ معنی کئے ہیں تو وہ سنیں۔ تفسیر معالم میں بھی جو سینکڑوں سال اور کئی صدیوں کی بنی ہوئی حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر تابعی کا قول جو پہلی صدی ہجری میں معتبر امام گذرے ہیں۔ یوں لکھا ہے۔

قال الحسن جاء امرہ وقضاءہ

پس کہیئے ! خدا کے امر اسوقت بھی دنیا پر آتے ہیں یا نہیں۔ آپکی اور میری پیدائش بلکہ دیگر اشیاء کے جینے اور مرنے کے متعلق بھی اُسکے احکام آتے ہیں۔ یا نہیں بس اسی طرح قیامت یا آپکے لفظوں میں پرلے کے متعلق بھی اُس کا حکم آجاویگا تو کیا اعتراض ؟

اصل فساد کی جڑھ تو یہ ہے کہ آپ قرآن شریف کو عربی زبان میں نہیں سمجھے اس لئے آپ دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ ورنہ آپ عربی جانتے اور عربی میں قرآن شریف کو سمجھتے تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ سنیئے ! ہم آپکو اس آیت کی ترکیب بتلاتے ہیں۔

صفا صفا لفظ الملك سے (جو اسم جنس ہونے کی وجہ سے جمع کے معنے میں ہے) حال ہے اور ذوالحال معطوف ہے رَبُّكَ پر۔ آپکو غلطی تو یہ لگی۔ کہ آپنے صفا صفا کو دونوں (معطوف اور معطوف علیہ) کا حال سمجھا۔ حالانکہ وہ صرف معطوف کا حال تھا چنانچہ دوسری آیت میں صرف ملائکہ ہی کا حال بتایا ہے۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (سورہ نباء آیت ۳۸)

یعنی روح اور فرشتے صفیں باندھکر کھڑے ہونگے" پس آپکا سارا تار پود ٹوٹ گیا تو کپڑا کہاں

آریہ نمبر ۲۹

قرآن کی تعلیم یہ ہے۔ کہ مُردے جاگ اُٹھیں گے عجیب بات ہے کہ گھاس پات کی طرح مُردے سر نکالیں گے بھلا جو جلا دیئے گئے۔ جنکی راکھ دریاؤں میں بہا دی گئی۔ جنکو شیر بھیڑیئے کھا گئے وہ قبروں سے کیونکر پیدا ہوجائیں گے۔ (ہدایات ۲۰)

مسلمان نمبر ۲۹

یہ سوال تو قرآن شریف میں اہالی عرب کی طرف سے پیش ہو کر جواب دیا گیا ہے۔ پس بہتر ہے کہ ہم اس سوال و جواب کو قرآن شریف ہی کے الفاظ میں نقل کر دیں۔ پس سُنو!

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰس ۵)

یہ ایک کافر منکر قیامت کا ذکر ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ کہ یہ نالائق انسان نہیں جانتا کہ ہم نے اسکو نطفہ سے پیدا کیا مگر اب تو صریح مقابل بن بیٹھا ہے۔ ہمارے حق میں تمثیلیں دیتا ہے اور اپنی ہستی کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کریگا لیجئے آپ بھی اس کے ہمراہ ہولیں تاکہ دونوں کا ایک ہی حشر ہو۔ پس سُنیئے!

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ

یعنی "(اے رسول علیہم السلام) تو اسکو کہدے کہ ان ہڈیوں کو وہی زندہ کریگا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے"

یہ اخیر فقرہ "وہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے" آپکے سوال سے متعلق ہے۔ بابوجی! کہاں کے ریزے اور کہاں کے ذرّے هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ کہیں بھی ہو سب کو اکٹھا کریگا۔ کس طرح کریگا؟ اس کے جواب کیلئے اصول موضوعہ نمبر۱ ملاحظہ ہو۔ باقی یہ سوال کہ ایسا کبھی ہوا بھی؟ اس کے لئے اصول موضوعہ نمبر۲ کو دیکھو اور اپنے پڑنے اور پڑنے کے بعد ایڈوری سرشٹی کا مضمون یاد کرو۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۹۴)

آریہ نمبر (۳۰)

قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ خدا ترازو لگا کر بیٹھیگا

لوگوں کے اعمال نیک و بد تولیگا۔ اور بہشتیوں کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں اور دوزخیوں کو بائیں ہاتھ میں دیگا۔ معلوم نہیں ہوتا کہ خدا کو دکانداروں کی طرح تکڑی بٹے کی کیا ضرورت پڑے گی۔ بھلا اعمال بھی کوئی مادی چیز ہیں کہ جن کو وزن کر لیا جاویگا۔ اعمال کا وزن کرنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص تکڑی بٹے کے ساتھ اپنے وہمی خیالات کو تولنے لگ جائے۔ جو سراسر نادانی اور بے وقوفی کی حرکت ہے۔ خدا اگر علیم کُل ہے۔ تو فوراً سب کو بتلا دے کہ تمہارے اعمال یہ ہیں۔ بیفائدہ رنج و تعب کی کیا ضرورت ہے؟ (انبیاء ۔ ۲۴)

مسلمان نمبر (۳۰)

جس آیت کا آپنے حوالہ دیا ہے اُسکے الفاظ یہ ہیں

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ

میرے خیال میں اس آیت کا ترجمہ ہی آپکے سوال کو اٹھا دینے کیلئے کافی ہوگا۔ پس سُنو!

القسط کا لفظ الموازین سے بدل ہے۔ اسی لئے اس پر نصب (زبر) ہے پس آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ قیامت کے دن ہم انصاف سے ہر ایک کو اس کے عملوں کا بدلہ دینگے۔ اگر ایک ذرّہ کے برابر بھی عمل ہوگا۔ تو وہ بھی لے آئیں گے۔ اور ہم خود ہی حساب کرنے کو کافی ہیں۔

آج معلوم ہوا۔ کہ علام الغیوب نے اخیر فقرہ جسپر ہم نے خط دیا ہے۔ آپ ہی کے جواب دینے کو بڑھا دیا ہے۔ کیا صاف اور صریح لفظوں میں خدا کا عالم الغیب ہونا بتلایا ہے کہ باید و شاید۔ میرے خیال میں انصاف پسند دل کو تو اور کسی آیت کے حوالہ دینے کی ضرورت نہیں۔ تاہم چونکہ آپ کو خدا کے رنج و تعب کا بہت ہی خیال ہے اور آپکو (بقول خود) خدا پر بہت ہی رحم آتا ہے اس لئے آپ کو بتلاتا ہوں۔ کہ آپکی اس تجویز سے آسان تر تجویز پہلے قرآن شریف ہی بتلا چکا ہے۔ سُنو!

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ (الرحمٰن ۳)

"یعنی مجرم اور بدکار اُس دن چہروں کے نشانوں ہی سے پہچانے جائیں گے اور ماتھے اور قدموں سے پکڑے جائیں گے"

ہاں ہم آپکو بتلاتے ہیں کہ اعمال کا اندازہ بھی ہوگا۔ مگر کیوں؟ اس کا جواب دینے سے پہلے اصول موضوعہ نمبر ۶ اور دیباچہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۷ کا حوالہ دینا ضروری ہے تاکہ آپ کو پھر کوئی شبہ نہ رہے۔ اسلئے ہوگا کہ مجرموں کو کوئی عذر باقی نہ رہے کیونکہ خدا کی ذات کے متعلق تو قرآن شریف نے کھلے لفظوں میں عالم الغیب والشہادۃ کا اطلاق کیا ہے۔ سُنو!

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ

"یعنی خداتعالیٰ حاضر و غائب سب کو جانتا ہے بہت بڑائی والا اور بہت بلندی والا ہے اُسکے نزدیک برابر ہے کوئی تم سے آہستہ بات کہے یا اونچے اور جو رات میں چھپ کر رہیں اور جو دن دہاڑے چلتے پھرتے ہوں سبکو جانتا ہے"

اب ذرہ ویدبانی بھی سنیئے! تاکہ آپ کو بھی قدر وقیمت عافیت معلوم ہو۔ بے علمی کے نشان یہ ہوتے ہیں۔ پرمیشور پوچھتا ہے۔

"اے بیاہے ہوئے مرد عورتو! تم دونوں رات کو کہاں ٹھیرے تھے اور کہاں بسر کیا تھا۔ اور تم نے کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا۔ تمہارا وطن کہاں ہے"

(رگ وید اسٹک ۷۔ ادھیائے ۱۔ ورگ ۱۲۔ منتر ۲)

آریہ سماج جو اس منتر کی تشریح کرتی ہے ہم اس سے بے خبر نہیں مگر ہم چاہتے ہیں کہ آپ اسکی توجیہ کرتے ہوئے ہماری طرح وید کے حوالے سے اسکے معنے بتلادیں۔ جیسے ہم قرآن شریف کی تفسیر پر قرآن سے شہادت بتلاتے ہیں۔ تاکہ "پیراں نمی پرند مریداں ہمی پرانند" کی سی مثال نہ ہو جائے۔

آریہ نمبر (۳۱) قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ قیامت کے دن پہاڑ روئی کیطرح اڑینگے۔ کیا خوب! اگر گپ بھی ماری جاوے تو ذرا وزندار ہیما لیہ کا پہاڑ جو کئی سو میل لمبا اور کتنے ہی میل چوڑا ہے اڑکر کہاں جائیگا؟ ادہر امریکہ اور یورپ کے پہاڑ روئی کیطرح اڑکر کس آسمان پر پہنچینگے؟ (قارعہ ۵)

مسلمان نمبر (۳۱) آپکے اس سوال کا جواب خود قرآن شریف میں موجود ہے پس اس سے بہتر کون دیسکتا ہے۔ بہتر ہے کہ اُسی کو نقل کر دیا جاوے۔ پس سُنو!

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا

اس آیت میں آپکے بھائیوں (مشرکین عرب) کا سوال نقل کرکے جواب دیا ہے پس غور سے سُنیئے خدا فرماتا ہے۔

"اے رسول (علیہ السّلام) تجھے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں۔ تو کہہ میرا پروردگار اُن کو یکدم اُڑادیگا۔ اور زمین کو چٹیل میدان کر دیگا ایسا کہ ذرہ بھر بھی اُس میں اونچائی اور نیچائی نہ دیکھوگے"

اگر اب بھی نہ سمجھے ہو۔ تو سُنو! ممکن ہے پہاڑوں کے پتھروں کو سمندر کی تہ میں لا کر یکساں سطح کی جاوے اور یہ کب ہوگا؟ جب زمین سریع الحرکتی کی وجہ سے ایسی چلیگی کہ ایک سے ایک چیز ٹکرا کر چور ہو جاویگی۔ اور اگر آپکا واضح مطلب چاہو۔ تو یہ سمجھو کہ پرلے کے قریب زمانہ میں بلکہ اُسی زمانہ میں ایسا ہوگا۔

ہاں یاد آیا کہ پرلے کیوقت سب چیزیں فنا ہو جاویں گی۔ تو ہمالیہ و دیگر پہاڑ کہاں جائیں گے؟ ستیارتھ پرکاش باب نمبر ۱۱ صفحہ ۲۵ دیکھکر جواب دیجیئگا۔ ہاں میں بھولا ایشور میں گھس جائینگے (ایضاً صفحہ ۲۵)

آریہ نمبر ۳۲ قرآن کی یہ تعلیم ہے۔ کہ قیامت کے دن چاند سورج کے ساتھ جا ملیگا۔ مگر دیگر سیارے جو سورج اور

چاند سے بھی بڑے ہیں وہ کہاں جائیں گے؟ اُن ستاروں کا کہیں خدا نے ذکر تک نہیں کیا۔ کیا اس لئے کہ عرب کے لوگ اُس وقت اُمّی تھے؟

(سورہ قیامت۔ ۹)

مسلمان نمبر ۳۲ مہاشہ جی! آپ نے اور تو جو کچھ کیا سو کیا مگر یہ کیا غضب کیا کہ اپنی باگ بالکل سوامی دیانند کے ہاتھ میں دے رکھی ہے جو وہ کہتے ہیں۔ وہی جناب کہتے ہیں ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

ناظرین! خدارا ذرا سوچئے تو بابو صاحب کیا کہتے ہیں؟ اعتراض کیا کیا۔ کونسا علمی عقدہ حل کرانا چاہا؟ پوچھتے ہیں کہ اُن ستاروں کا ذکر تک نہیں۔ لیجئے سنئے!

وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ

یعنی تمام ستارے خدا کے حکم کے تابع اور جکڑے ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ دنیا میں روشنی اپنی دو نیّرِ اعظموں (سورج اور چاند) کے ذریعہ سے ہوتی ہے حتے کہ عوام کی نظروں میں اِن سے بڑا کوئی ستارہ نہیں۔ اس لئے اِن دو کا ذکر کیا ہے۔ مطلب آیت کا صاف ہے کہ پہلے (نفخہ اولی) کے وقت سب دنیا پراگندہ ہوجائیگا۔ بس! کہئے کیا اعتراض؟

آریہ نمبر ۳۳ قرآن کی تعلیم ہے کہ ستارے گر پڑیں گے بھلا وہ گر کر کہاں جائیں؟ کیا وہ زمین پر آجائیں گے؟ اگر کہیں ہاں تو زمین پر اتنے ستاروں کے لئے جگہ کہاں ہوگی؟ اور پھر جب خدا زمین کو بھی لپیٹ لیگا۔ تو ستارے کدھر کو بھاگیں گے؟ میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا (سورہ انفطار ۲)

مسلمان نمبر ۳۳ جس آیت قرآنی پر آپ کو اعتراض ہے وہ یہ ہے اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ یعنی تارے منتشر ہوجائیں گے۔ اِنتشار

کہتے ہیں موتیوں کی لڑی ٹوٹ جانے کو۔ پس معنے یہ ہوئے کہ ستاروں کا موجودہ نظام شمسی نہ رہیگا۔ بلکہ بگڑ جائیگا۔ جیسے تم پرلے کیوقت مانتے ہو
زمین کے لپیٹنے کے یہ معنے ہیں کہ اُس پر خدا کی حکومت ایسی ظاہر ہوگی کہ کوئی فرد واحد دعوے حکومت نہ کرسکیگا سنیئے! تمام زمین و آسمان اُس نے اپنے ہاتھ میں لپیٹے ہونگے غور سے پڑھو!

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ

"یعنی نالائقوں نے خدا کی شان کے مناسب قدر نہیں کی۔ قیامت کے روز تمام زمین اور تمام آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہونگے۔ وہ پاک اور بلند ہے۔ مشرکوں کی بیہودہ گوئی سے"

وید سے شہادت چاہو۔ تو سُنو!

"میں اُس محافظ کا نہایت صاحب جاہ و جلال۔ نہایت زورآور فاتح کل تمام کائنات کے راجہ۔ قادر مطلق کی پناہ لیتا ہوں (یجروید ادھیائے ۲۰ منتر ۵۰)
یہی مضمون قرآن شریف کی آیت کا ہے جسے آپ نے نہیں سمجھا۔ اور یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔

آریہ نمبر ۳۴ قرآن کی یہ تعلیم ہے۔ کہ قیامت کے دن زمین باتیں کریگی۔ اور خدا کو اپنا سارا قصہ سنائیگی معلوم نہیں سورج اور چاند کیوں باتیں نہیں کرینگے۔ ستارے کیوں خاموش رہینگے یہ سب نادانوں کی باتیں ہیں۔ جنکو میں تسلیم نہیں کرسکتا (زلزال ۴-۵)

مسلمان نمبر ۳۴ اس بھولے پن پر قربان! کیا ہی بھولے پن کی باتیں ہیں کاش یہی سوال ہوتا کہ زمین کسطرح بولیگی؟ یہ تو خلاف نیچر ہے۔ تاکہ ہم بھی آپکو اصول موضوعہ نمبر ۲ کیطرف توجہ دلاتے۔ مگر پوچھا تو یہ پوچھا! کہ سورج چاند وغیرہ کیوں نہ بولیں گے۔ ہم ناظرین کی طبیعت بہلانے

کے لئے بابو صاحب کے گرو سوامی دیانند جی مہاراج کے ایک دو قول نقل کرتے ہیں
- قرآن مجید کی آیت ہے۔

یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ

جس کا ترجمہ سوامی جی نے نقل کیا ہے۔ کہ جسکو چاہے بیٹیاں دیتا ہے جسکو چاہے بیٹے
پھر اس پر یوں دُرافشانی کرتے ہیں۔

بھلا آدمیوں کو تو جسکو چاہے خدا بیٹے بیٹیاں دیتا ہے۔ لیکن مرغ۔ مچھلی۔ سُور وغیرہ وغیرہ جن کے بہت بیٹے بیٹیاں ہیں اُنکو کون دیتا ہے؟ (ستیارتھ صفحہ باب نقرہ ۱۳۷)

ناظرین! انصاف سے بتلایئے! قرآن مجید کے منقولہ ترجمہ پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے؟ کیا قرآن کے ترجمہ میں آدمی کا لفظ ہے؟ پھر بجز اس کے کیا سمجھا جائے۔ کہ سوامی جی کا مچھلی وغیرہ کھانے کو جی للچاتا ہوگا۔ اسی لئے تو کھانے کا ذکر نہیں کیا۔ افسوس! ایسے ذکی اور فہیم بھی ضد میں کیا کیا کہہ جاتے ہیں ؎

اللہ رے ایسے حسن پہ یہ بے نیازیاں
بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

اب سنیئے! زمین پر چونکہ بندوں کے نیک و بداعمال کا ظہور ہوا ہوگا۔ اس لئے اُن کے اظہار کرنے کو زمین تو بولے گی مگر سورج اور چاند میں چونکہ مخلوق نہیں۔ اور جو کہتے ہیں محض اٹکل پچو کہتے ہیں۔ اس لئے اُن کی شہادت کی حاجت نہیں۔ اور اگر کسی دلیل سے مخلوق کا وجود ثابت ہوگا تو پھر ہم بھی آپ کو معقول جواب دیں گے۔ اور اصول موضوعہ نمبر ۸ کی طرف توجہ دلائیں گے۔

آریہ نمبر ۳۵ قرآن کی یہ تسلیم ہے کہ قیامت کے دن خدا لوگوں کے منہ پر مہر لگا دیگا اور اُن کے ہاتھ پاؤں کان اور چمڑا وغیرہ بولیں گے۔ اور آدمی کے اعمال کو بتائیں گے۔ آدمی اُن کی بیوفائی کو دیکھکر کہیگا۔ کہ تم میرے برخلاف گواہی کیوں دیتے ہو۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آدمی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ زبان کا کام دیں گے۔ میں اسکو نہیں مان سکتا۔ (حم سجدہ - ۲۰ - ۲۱)

مسلمان نمبر ۳۵ بابو صاحب! اس روشنی کے زمانے میں آپ اندھیر نگری میں بستے ہیں۔ سنیئے! جس طرح فونوگراف سے آواز نکلتی ہے اسیطرح نکلے گی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ آجکل کیوں نہیں نکلتی؟ تو اصول موضوعہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو ہر کام کیلئے ایک ایک وقت اور قانون ہے۔ جو دوسرے کیلئے نہیں وہ کام اپنے ہی وقت پر ہوگا اُس سے پہلے اُس کے ظہور کا تقاضا کرنا گویا آج کل بڑے مانگنا یا شملہ اور کشمیر میں افریقہ کی بادسموم کا طلب کرنا ہے اصول موضوعہ نمبر ۲ کو دیکھیئے!

آریہ نمبر ۳۶ قرآن کی تعلیم ہے کہ نیک کام کرو تاکہ ہمیشہ بہشت میں جاؤ جہاں غم کا نشان نہیں ہے۔ اوّل تو یہی بات قابل اعتراض ہے کہ انسان کبھی بھی ایک حالت پر رہنا پسند نہیں کر سکتا ہے اگر اُسکو دائمی خوشی میں رکھا جائے تو وہ خوشی اس کے لئے اسطرح وبال جان ہو جائیگی جس طرح کہ بنی اسرائیل کے لئے من و سلویٰ چیزیں ہوگئیں۔ جن کے بدلے اُنہوں نے خدا سے لسن۔ پیاز۔ موٹھ۔ اور مونگ کی درخواست کی بہشتی لوگ جب بہشت کی نعمتیں کھاتے کھاتے تھک جاوینگے۔ تو اُن کو دوزخ کی تمنا کرنی پڑیگی (البقرہ - ۸۱)

مسلمان نمبر ۳۶ کیوں نہ ہو ع آنچہ اُستاد ازل گفت ہماں میگوئی
سوامی جی کی پکی تقلید تو یہی ہے۔ سنیئے! سوامی جی نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

اگر میٹھا ہی روز کھایا جائے تو تھوڑے ہی دن میں زہر کی مانند معلوم ہونے لگتا ہے جب نہ بہت بھوکے ہونگے تو ان کیلئے سکھ بشکل دکھ ہو جاویگا (ستیارتھ باب فقرہ ۴۹، صفحہ)

بابو صاحب! ایک ہی حالت پر طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی شغل نہ ہو جہاں یہ حکم ہو۔

فِیْ شُغُلٍ فَاکِھُوْنَ

یعنی جنتی لوگ بڑے شغلوں میں مہذبانہ عیش و عشرت کریں گے۔ سوامی جی کی مٹھائی

کا جواب حق پرکاش میں دیکھو۔ بنی اسرائیل کی طبیعت اس لئے اچاٹ ہوئی تھی۔ کہ انکو ایک ہی قسم کا کھانا ملتا تھا۔ علاوہ اس کے اُنکی مکاری بھی تھی۔ عیش دائمی اور چیز ہے اور ایک ہی قسم کا کھانا اور چیز ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔ ہمارے ہاں کے راجگان اور نوابان اور امراء ہمیشہ عیش وعشرت میں رہتے ہیں۔ مگر کبھی اُنکی طبیعت اُچاٹ نہیں ہوتی نت نئے شغل ہیں۔ لیکن اگر ایک ہی قسم کا کھانا ان کو ملے۔ تو بیشک اچاٹ ہو جائیں پس کہئے ایک قسم کے کھانے اور دائمی عیش میں فرق نہ کرنے والے کسی مذہبی فلسفہ کو جان سکتے ہیں؟ یا یہ بتا سکتے ہیں؟ کہ عقل بڑی یا بھینس!

دیانندیو! سماج کے اعلےٰ ممبرو! وکیلو! مختارو! ہمیشہ عیش وآرام میں گذارنیوالو! کبھی کبھی تکلیف بھی مانگا کرتے ہو؟ دیہ دہرمپال سے پوچھو!

آریہ نمبر ۳۷ قرآن کی تعلیم ہے کہ بہشتیوں کو پینے کے لئے شراب اور کھانے کیلئے جانوروں کے کباب ملیں گے

واہ! شراب اور کباب کا کیا اچھا جوڑ کیا ہے بھلا جانور جو ذبح کئے جائینگے اُن کا خون کہاں گریگا؟ اور اگر بغیر ذبح کئے کے ہی جانور بھون لئے جایا کرینگے تو وہ حرام نہیں ہونگے۔ (واقعہ ۱۸-۲۱)

مسلمان نمبر ۳۷ افسوس تو یہ ہے۔ مگر آپ پر کیا۔ آپ کے گرو پر جو تم لوگوں کو غلطی میں ڈالکر آپ تشریف لے گئے۔

بابو صاحب! شراب کے معنے بتلانے سے پہلے اصول موضوعہ نمبر ۲ کا ملاحظہ ضروری ہے۔ پس سنو! وہی معنے صحیح ہیں جو متکلم خود بتلاوے۔ قرآن شریف شراب کی بابت خود بتلاتا ہے۔

لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ

"یعنی جنت کے شراب میں نہ تو نشہ ہوگا۔ اور نہ جنتی اُس سے بدحواس ہونگے"

پھر کیا ہوگا؟ سنیئے!

بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ

یعنی محض ایک سفید میٹھا لذیذ پانی ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ عربی میں شُرب کا مادہ ہر ایک پینے کے قابل چیز کیلئے ہے۔ شراب شربت بھی اسی مادہ سے ہے۔ ان معنے سے دودھ اور پانی بھی شراب ہے۔ نشہ ہو یا نہ ہو۔ اس سے بحث نہیں مگر چونکہ آریہ لوگ عربی سے ناواقف محض اور خانہ خراب کے نام سے آشنا ہیں۔ اس لئے جب کبھی سُنتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں شراب کا لفظ ہے۔ تو ان کے دلوں میں یہی آتا ہے کہ یہی خانہ خراب ہوگی۔ یہ اُنکی جلدبازی کا نتیجہ ہے۔

ہاں خوب کہی! کہ جانوروں کا خون کہاں گریگا؟ ماشاء اللہ چشم بد دُور کیا ہی معقول سوال ہے کیوں نہ ہو۔ آخر سوامی جی کے سپوت ہیں جناب! وہیں گریگا جہاں بدکاروں کے زخموں کی پیپ گریگی۔ بابو صاحب! آپ جیسے گریجوئیٹ سے کسی بڑے معقول سوال کی اُمید تھی جو افسوس پوری نہوئی۔ ؎

جو آرزو ہے اُس کا نتیجہ ہے انفعال
اب آرزو ہے یہ کہ کوئی آرزو نہ ہو

آریہ نمبر ۳۸ قرآن کی تعلیم ہے کہ بہشت میں ریشمی کپڑے پہننے کو ملیں گے۔ حاضرین! ریشم کے ساتھ آپکے سامنے فوراً ریشم کے کیڑوں شہتوت کے درختوں۔ کپڑا بننے کی کلوں کا نقشہ آسکتا ہے۔ اتنا سامان بہشت میں کہاں سے آئیگا۔ اور اتنے ریشمی کپڑے کون بنیگا کیا خُدا بنے گا۔ اگر نہیں تو پھر کیا بہشت میں جُلاہے آدمی بنیں گے؟ اگر ہاں تو پھر وہاں بھی معمولی مزدوروں کی طرح مزدوری کرنی پڑے گی خصوصیت کیا ہوئی! (دہر ۱۲-۱۳)

مسلمان نمبر ۳۸ ایک لفظ آپ بھول گئے سوامی جی نے تو یہ بھی پوچھا تھا کہ وہاں کھٹمل بھی ہونگے؟ مگر آپ نے شاید اس سوال کو غلط جانکر چھوڑ دیا۔ ہاں صاحب! سب کچھ ملیگا۔ خدا اپنی قدرت کاملہ سے سب کچھ مہیا کر دیگا۔ یاد رکھو اور ہوش سے سُنو!

"پرمیشور کے ہاتھ نہیں۔ لیکن اپنی طاقت کے ہاتھ سے سب کو بناتا ہے۔ اور تا بو رکھتا ہے۔ پاؤں نہیں لیکن محیط کل ہونے کے باعث سب سے زیادہ صاحب سرعت ہے۔ آنکھ کا آلہ نہیں۔ لیکن سب کو ٹھیک ٹھیک دیکھتا ہے کان نہیں پر سب کی باتیں سنتا ہے حواس نہیں مگر تمام دنیا کو جانتا ہے"

(ستیارتھ باب ۷ فقرہ ۴ ۳ صفحہ ۲۴۴ - ۲۴۵)

اور اگر یہ بھی مان لیں کہ خدا اید کا روں کو اس بیگار پر لگائیگا۔ تو کیا سوال؟

ماشاء اللہ آپ اور آپ کے گروگے علمی اور معقول سوال سنکر ایک حکایت یاد آئی ہے جن دنوں پنجاب میں ریل جاری ہوئی۔ اور یہ مشہور ہوا۔ کہ ایک کمرے میں دس آدمی بلا لحاظ قوم وملت سوار ہوکر بیٹھے۔ تو ایک ہندو بھگت نے کہا کہ یہ گاڑی کبھی نہ چلے گی۔ ہرگز ہرگز نہیں چلنے کی۔ کیا ممکن ہے کہ ایک ہی گاڑی پر ہندو اور ڈشٹ مسلمان بلکہ چوہڑے چمار سوار ہوں۔ اور وہ چل سکے۔ ایسا ظلم پرماتما کو کبھی پسند ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ مگر آج بھگت جی ہوتے۔ تو اپنی پیشگوئی کا خود ہی خاکہ اڑاتے۔ اسی طرح آپ کی گت ہوگی بابو صاحب! بہشت کیلئے قانون ہی اور ہوگا ذرہ اصول موضوعہ نمبر ۲ ملاحظہ فرماویں۔

آریہ نمبر ۳۹ قرآن کی تعلیم ہے کہ بہشت میں نہریں ہونگی بعض لوگ (مفسر) کہتے ہیں کہ دودھ اور شہد کی نہریں ہونگی بھلا اگر دودھ اور شہد کی نہریں ہونگی۔ تو دودھ کیلئے بھینسوں اور شہد کے لئے مکھیوں کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے۔ جو ایک معمولی بات ہے۔ مفسروں نے تو یہانتک گپ اڑائی ہے کہ جو شخص کوثر اور تسنیم کی نہروں سے ایک دفعہ پانی پی لے گا۔ اسکو پھر کبھی پیاس نہیں لگیگی۔ اگر پیاس نہیں لگیگی تو پھر نہروں کے رکھنے کا کیا فائدہ؟ اگر یہ کہا جاوے کہ نہانے کے لئے تو کونسا عقلمند ہے جو شربت اور شہد اور دودھ سے نہانا پسند کرے گا؟ افسوس کی بات ہے کہ نہروں کا پانی پینے کیلئے نیکی

کیجاوے (سورت محمد - ۱۶)

مسلمان نمبر ۳۹

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا
ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا

پانی کی نہریں بھی ہونگی۔ دودھ اور شہد بلکہ انگوروں کے نچوڑ کی بھی۔ آپ مفسرین کے اقوال کیوں لیتے ہیں۔ قرآن شریف خود بتلاتا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (سورہ محمد)

پانی کی نہریں تو شالامار باغ لاہور کی طرح بہتی ہونگی (مگر یہ تمثیل صرف تمہارے سمجھانے کو ہے ورنہ دراصل بہت گھٹیا ہے) دودھ شہد وغیرہ پینے کو ہونگے۔ مفسرین کا مطلب آپ نہیں سمجھے۔ نہ ہمارا ذمہ ہے کہ اہ پرشاد (حلوا مٹھائی) کھائے بغیر ہم بھی نہیں بتلائینگے۔

ہاں یہ سب کچھ ہوگا۔ اور ضرور ہوگا بیشک ضرور ہوگا۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ بابو صاحب! آپ تو بڑے فلاسفر بنے تھے۔ مگر اتنا بھی تو نہیں سوچتے کہ جن چیزوں پر آپ سوال اور ہنسی کررہے ہیں کاش کسی دلیل سے ان کا محال ہونا ثابت کیا ہوتا پھر بھلا امر ممکن کی خبر ایک ایسا شخص بتلا دے جسکے صدق میں کسی طرح سے کلام نہیں جسکی راست گوئی اور بے لالچی اور صفائی باطنی کا علم ہمکو یقینی دلائل سے ہوچکا ہو۔ تو ایسے امر پر ٹھٹھا اڑانا دانائی ہے؟ حالانکہ وہ امر بھی ممکن اور ہوسکتا ہو۔

اگر ہم یہ بھی لکھدیں کہ گلے بھینسیں بھیڑ بکریاں سب کچھ ہونگی۔ تو نہیں معلوم کیا خرابی؟ نہ کسی قرآن کی آیت کے خلاف ہے نہ کسی عقلی دلیل کے مخالف!

آریہ نمبر ۴۰ قرآن کی تعلیم ہے کہ بہشتیوں کو سونے اور چاندی کے کنگن پہنائے جاویں گے۔ بھلا یہ کوئی شائستگی اور

تہذیب کی بات ہے؟ کہ عورتوں کا گہنا آدمی پہننے لگ جائیں۔ ذرا غور تو کیجئے۔ اگر ایک پڑھا لکھا۔ بی۔ اے۔ ایم۔ اے یا کوئی مولوی صاحب ہی کنگنوں کی جوڑی پہنکر بازار میں پھرے تو اسکو کسقدر شرم آئیگی۔ اور لوگ اسپر کتنا تمسخر کریں گے کیا بہشت میں یہ شرم جاتی رہے گی؟ اور کیا ہمارے موجودہ زمانے کے بڑے بڑے ریفارمر اور ملہم شخص جو زیور پہننے سے کتراتے ہیں وہاں بیجڑوں اور عورتوں کیطرح کنگن پہن کر پھرا کریں گے۔ کنگن بنانے کیلئے سونا۔ اور چاندی سنار۔ کوئلے بھٹی وغیرہ کی بھی ضرورت پڑے گی؟ یا خدا خود بنا کر دیدیا کریگا

(کہف۔ ۳۲)

مسلمان نمبر ۱۴ چشم بدور! کل دنیا کے آپ وکیل بنگئے۔ بابو صاحب! سونے کے کنگن تو اب بھی ہم بڑے بڑے رؤسا راجوں اور نوابوں کو پہنے ہوئے دیکھتے ہیں۔ آپکو اتنی خبر نہیں۔ یا انصاف نہیں کہ قبیح لذاتہ اور قبیح لغیرہٖ میں فرق ہوتا ہے لالہ صاحب! ایک کام ایسا ہوتا ہے کہ اپنی ذات میں تو جائز۔ مگر ملکی رسم و رواج یا مذہبی ہدایات سے لوگوں کی نظروں میں معیوب اور ناپسند معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ڈاڑھی منڈانا ہندوؤں اور انگریزوں میں تو کوئی عیب نہیں مگر سکھوں اور دیندار مسلمانوں میں بہت ہی قبیح ہے یا گلے کا گوشت عام طور پر بکنا یورپ بالخصوص انگلستان میں قابل مزاحمت نہیں مگر پنجاب میں نمایاں طور پر بازاروں میں نہیں بکتا۔ اور لیجیے! الف ننگا (بالکل برہنہ تن) کسی تالاب میں نہانا ہمارے ملک میں کیسا مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ لیکن حبش کے متصل ننگوں کے دیکھنے والے بھی آپ سے ملکر وہاں کی کیفیت بتلا دینگے کہ کیسے ننگے مادر زاد مرد عورتیں پھرتے ہیں اور تمام کاروبار اپنے کرتے ہیں۔ نہیں تو یورپ ہی کو دیکھئے تالابوں میں کیسے ننگے نہاتے ہیں۔ ایک رئیس زادے کا بیان ہے کہ "میں ولایت میں ایک تالاب میں کپڑا باندھ کر نہایا۔ تو حاضرین نے جو اسوقت نہا رہے تھے۔ مجھے پھبتیاں دیئے۔ میں نے اپنے دوستوں سے ذکر کیا

تو اُنہوں نے تجویز بتلائی کہ تم بھی ننگے ہی کود پڑنا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر تو کسی نے کچھ نہ کہا" غرض اس قسم کی کئی ایک مثالیں ہیں۔ جو ایک ملک میں قابل شرم تو دوسرے میں قابل عمل۔ بس سونے وغیرہ کے زیورات ہندوؤں میں تو کسیطرح معیوب نہیں۔ البتہ مسلمانوں میں مردوں کیلئے اچھے نہیں سمجھے جاتے کیوں؟ اس لئے کہ شریعت میں مردوں کیلئے زیور ممنوع ہے۔ کیوں۔ اسکے مفصل بیان کا محل نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ عورتوں کو چونکہ پردے میں بیٹھنے کا حکم اُس کے عوض میں اُن کو ریشم اور سونا دیا گیا۔ پس آپ ہی بتلا دیں۔ اگر جنت میں یہ سب بندشیں اُٹھ جائیں۔ تو کیا خرابی؟ خوب یاد رہے کہ جنت دارالجزاء ہے۔ دارالعمل نہیں۔ اپنے لفظوں میں سننا چاہو۔ تو سُنو!

"بھوگ بھومی ہے۔ کرم بھومی نہیں (باقی نمبر ۳۸ میں ملاحظہ ہو)

آریہ نمبر ۱۵ قرآن کی تعلیم ہے کہ بہشتیوں کو گوری کنواری ہم عمر۔ نوجوان سیاہ آنکھوں والی۔ دوشیزہ عورتیں ملیں گی

حاضرین! جس مطلب کیواسطے یہ ہونگی وہ آپ خود ہی دیکھ سکتے ہیں برہمچاری اس قسم کی اشلیل باتوں کو منہ پر لانا بھی بہاں پاپ سمجھتا ہے (الرحمٰن ۵۵۔ ۷۲)

مُسلمان نمبر ۱۵ بیشک ملیں گی۔ برہمچاری نہیں۔ برہمچاری کا کوئی برا بھی جانے۔ آپ بات کیوں چھپاتے ہیں۔ وہ اُسی کام کو ہونگی جس کے لئے ہر شریف خاندان میں عورت خاوند کے پاس ہوتی ہے تعجب ہے کہ برہمچاری کے گرو دیانند جی تو اس قدرتی فعل کے کرنے کے متعلق ہدایات جاری کریں اور برہمچاری اُس کے ذکر کو گناہ۔ گناہ بھی کبیرہ گناہ جانے! بابو صاحب! سنیئے! سوامی جی اُس قدرتی کام کے کرنے کا طریق یوں بتلاتے ہیں۔

"جب ویرج (منی) کے رحم میں گرنے کا وقت ہو۔ اس وقت عورت مرد دونوں

بے حرکت ناک کے سامنے ناک۔ آنکھ کے سامنے آنکھ یعنی سیدھا جسم اور نہایت خوشدل رہیں۔ ہلیں نہیں مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دے۔ عورت ویریہ (نطفہ) حاصل کرنے کیوقت اپان وایو (سانس) کو اوپر کھینچے۔ عورت جائے مخصوص (فرج) کو اوپر سکوڑ ویریہ (نطفہ) کو کشش کر کے رحم میں ٹھیرا دے۔ پھر دونوں صاف پانی سے غسل کریں" (ستیارتھ ص۱۲۰) سمم۔ فقرہ باب ۴۔

سوامی جی نے اس گناہ کے کرنیکا قانون کیا اچھا بتایا ہے۔ اب ہمارے برہمچاری بابو صاحب بھی اصل حال سے آگاہ ہو گئے ہونگے کیونکہ قانون فطرت خدا کا فعل ہے تو الہامی کتاب کا اس سے مطابق ہونا بہت ضروری ہے۔ نہیں تو الہامی نہیں ایسے ناک بھوں چڑھانے والے برہمچاری کو واجب ہے کہ پہلے اصول موضوعہ نمبر ۹ کو ملاحظہ کرے۔ بھلا جو مذہب اور کتاب خلاف قانون فطرت خواہشات طبعیہ کو ملیامیٹ کرنے کی ہدایت کرے (وہ تو کیا ملیامیٹ ہوگی۔ بلکہ الٹا منہ کی کھائیں گے) وہ مذہب بھی خدائی مذہب کہلانے کا حق رکھتا ہے؟

سنیئے! اسی بنا پر اسلام کے مبلغ اور معلم اول۔ خدا کے سچے رسول سید الانبیاء محمد مصطفیٰ فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند پکار دیا تھا۔

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

یعنی چونکہ اسلام بانی فطرت کا مذہب ہے اس لئے اس کا کوئی حکم فطرت کے خلاف نہ ہوگا پس سنو! اسلام میں صحرا نشینی (جس سے قطع نسل ہو جائز نہیں۔ کیونکہ مرد کو عورت کی خواہش عورت کو مرد کی طلب ایک فطری تقاضا ہے۔ پس کتاب اللہ کے لئے ضروری ہے کہ اسکو ضائع کرنیکی اجازت نہ دے۔

آریہ نمبر ۲۴ قرآن کی تعلیم ہے کہ بہشت والوں کو لڑکے بھی ملینگے جو بغیر ڈاڑھی مونچھ کے نوجوان ہونگے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لڑکوں کی وہاں کیا ضرورت ہے؟ لڑکے کن کو ملیں گے۔ آدمیوں کو یا عورتوں کو؟ انصاف تو یہی چاہتا ہے کہ جب ایک آدمی کو بہت سی

حوریں ملیں گی۔ تو ایک ایک عورت کو بہت سے نوجوان لڑکے ملنے چاہئیں مگر قرآن میں اس کا ٹھیک حل نہیں ملتا عقلمند اور منصف مزاج خود اس کا حل کر سکتے ہیں میں دعا کرتا ہوں کہ خدا آپکو مذکورہ بالا بہشت سے بچا وے (دہر)

مسلمان نمبر ۲۴ اگر آپ سوامی جی کے روحانی سپوت ہیں تو سنو! کلام کا مطلب وہی صحیح ہوگا جو متکلم خود بتلاوے (دیباچہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۷) دیکھو اصول موضوعہ نمبر ۱۔ پس اس نمبر کا جواب قرآن شریف خود دیتا ہے۔

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ (سورہ طور ع ۲)

یعنی اہل جنت کے ارد گرد خود ان کے بچے (جو نابالغی میں مرے ہونگے۔ یا ان کی خواہش کے مطابق وہیں جنت میں ان کہلانے کو پیدا ہونگے) گھومتے ہونگے۔ وہ بچے ایسے خوبصورت ہونگے گویا موتی ہیں۔ کیونکہ لَهُمْ میں لام اضافت کیلئے ہے جیسے المال لزید (مال زید کا ہے)

بابو صاحب! کہئے تو اس کلام کے کیا معنے ہیں؟

بہت لوگ ایسے ضدی اور متعصب ہوتے ہیں۔ کہ وہ متکلم کے خلاف منشاء تاویل کیا کرتے ہیں۔ خصوصاً مذہب والے لوگ کیونکہ مذہب کی تاریکی کے باعث خاطرے انکی عقل تاریکی میں پھنس کر زائل ہو جاتی ہے" (دیباچہ ستیارتھ ص۸)

ہاں یہ بھی خوب کہی کہ "عورت کو بہت سے نوجوان ملنے چاہئیں" آج معلوم ہوا کہ ویدک مت نے پردہ کی رسم اسی لئے نہیں رکھی۔ چنانچہ اس کا نتیجہ سب کو معلوم ہے جسے معلوم نہ ہو ہم دکھانے کو تیار ہیں۔ ایک جنتی کو متعدد حوریں ملنے کا ثبوت کسی آیت یا حدیث صحیح سے دیںگے تو ہم بھی جواب کے ذمہ دار ہونگے۔ ہاں دنیا میں متعدد عورتوں کا کرنا قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے سو اسکی وجہ نمبر ۱۰۱ میں آتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جنت کی عورتوں کی طبعی حالت یہ ہوگی کہ وہ متعدد مردوں سے نہ ملیں جیسے دنیا میں بھی شریف عورتوں کی یہی خواہش ہے۔ آپ اسپر غور کریں گے تو آئندہ یہ سوال نہ کریںگے۔

آریہ نمبر ۲۳ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا کے نام پر قربانی کرو۔

قربانی کا گوشت آپ کھاؤ۔ دوسروں کو کھلاؤ۔ مگر حاضرین غور کیجئے۔ کہ جانوروں کا خون بہانا کہاں اور بہشت کہاں[۱]! افسوس صد افسوس۔ حیوانی نفسانی اور جسمانی جذبات کے برسوں سے پالے ہوئے بکرے اندر کی تمام نیت روحانیت کی سبزی کو رات دن چر رہے ہوں۔ اُن کے گلے پر تو چھری نہ پھیری جاوے اور معصوم اور گھاس خور بھیڑ بکری۔ گائے وغیرہ مفید جانوروں کو ذبح کرکے اُن جذبات کو اور بھی بڑھایا جاوے کاش اے اہل اسلام تم سچی قربانی کرسکو۔ بجائے بھیڑ بکری۔ گائے اونٹ کا گلا کاٹنے کے تم اپنے اندر کے موذی جذبات کا گلا کاٹ کر خدا کی درگاہ میں پیش کرکے رشیوں منیوں۔ کے مرتبے کو حاصل کرسکو۔ جبکہ خدا گوشت پوست اور خون کو نہیں کھاتا۔ تو پھر خون کیوں بہاتے ہو؟ دل کی پرہیزگاری اُس کے سامنے پیش کرو۔

مسلمان نمبر ۴۳ بابو صاحب ہر ایک شخص اور ہر ایک کتاب اور مصنف اپنے اپنے موضوع اور اصول کے پابند ہوتے ہیں قرآن شریف چونکہ ہمکو بتلاتا ہے۔

مَا بِکُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

یعنی جس قسم کی نعمت تمہارے پاس ہے وہ سب خدا ہی کے ہاں سے ہے اُسی کی دی ہوئی ہے" پھر یہ بھی فرمایا ہے۔

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاکُمْ

یعنی جو کچھ ہم نے تمکو دیا ہے اس میں سے ہماری رضا جوئی کے لئے خرچ کرو پس ان دونوں حکموں کے مطابق ہم مسلمانوں پر یہ فرض ہے۔ کہ اپنے مال اور مال کے جمیع اقسام بلکہ مرتبہ ہو۔ تو اپنی جان بھی اللہ کی راہ میں خرچ کردیں۔ کیونکہ ہمیں تعلیم ہے ؎

[۱] منوجی تو قربان شدہ جانوروں کو بھی بہشت دلاتے ہیں دیکھو سمرتی ادھیائے ۵ شلوک ۴۰

جاں اگر تو میدہی جانت دہند ناں اگر تو میدہی نانت دہند

ذبح حیوانات کا مسئلہ پوری وضاحت سے سمجھنا ہو۔ تو پہلے ان کی نسبت پر غور کرنا چاہیئے جو خدا نے حیوانوں اور انسانوں میں پیدا کی ہے۔ پس سنو!

مخلوقات میں ایک ہی نسبت عامہ (قدرتی تعلق) ہے کوئی مستعمل (برتنے والا) ہے تو کوئی مستعمل (قابل استعمال) ہے اب سوچنا یہ ہے کہ انسانوں اور حیوانوں میں مستعمل کون ہے اور مستعملہ کون؟ غالباً اس میں کسی کو شک نہ ہوگا کہ انسان سب کا مستعمل ہے اور یہ سب کی سب اسکی مستعملہ ہیں۔ پس اس نسبت سے جو بات ثابت ہوتی ہے۔ واضح ہے۔ کہ انسان اُن کو اپنی تمام حاجات میں خرچ کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس سے چاہتا ہے دودھ لیتا ہے جس سے چاہتا ہے ہل چلواتا ہے۔ جسپر چاہتا ہے سواری کرتا ہے۔ مگر بغور دیکھا جاوے تو یہ سب کام جو سخت سے سخت انسان حیوانات سے لیتا ہے اصل میں انسان کے اپنے کام ہیں مثلاً ہل کھینچنا ہے تو اس کا کام ہے سواری پر چڑھکر منزل قطع کرنا ہے تو اس کا ہے۔ کھیتی باڑی کو پانی دینا ہے تو اس کا ہے حیوانات صرف اسکے نائب یا آلہ یا ذریعہ ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو یہ کام بھی حضرت انسان خود کرتا۔ پس ان سب مراتب سے ذرہ ایک مرتبہ اوپر چڑھیئے کہ بحکم خداوندی اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاکُمْ (یعنی ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو) ہم پر فرض تھا کہ ہم جان کو بھی خدا کی راہ میں خرچیں۔ مگر ان حیوانات نے ہماری اس میں بھی نیابت کی۔ کہ ہم نے بجائے اپنی جان دینے کے اُن کی جان اللہ کی راہ میں دے کر کسی قدر تعمیل ارشاد خداوندی کردی۔ جسطرح وہ ہمارے باقی کاموں میں وکیل اور نائب ہیں۔ اس کام میں بھی ہم نے اُن سے نیابت لی۔ کیونکہ اصل تو ہم پر یہ فرض تھا کہ ہم خود اپنی جانیں خدا کی راہ میں دیں۔ کسی اہل دل نے کیا اچھا کہا ہے ؎

در مسلخ عشق جز نکو را نکشند — لاغر صفتاں و زشت خو را نکشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز — مردار بود ہر آنچہ او را نکشند

اگر آپ حیوانات کی وکالت اس کام میں نہیں مانتے۔ تو باقی کاموں میں بھی انکار کر دیجئے۔ ورنہ وجہ فرق بتلایئے کہ کیوں آپ لوگ اُن سے تمام سخت سے سخت کام لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن کے بچوں کا دودھ جو بظاہر قدرت نے اُن بچوں ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔ تم لوگ نہیں چھوڑتے اور غٹ غٹ کر کے بے ڈکار لئے پی جاتے ہو۔ حالانکہ آپ لوگوں کا اس میں کوئی حق نہیں۔ کہ اُن کو ناحق بند رکھو۔ سب کو چھوڑ دو۔ جنگلوں میں پھرینگے اور اپنا گذارہ آپ کرینگے اور اگر آپ لوگ اُن کاموں میں اُن سے نیابت اور وکالت لیتے ہو۔ تو ایک مرتبہ اور اوپر چڑھنا کچھ مشکل نہیں۔ جو ہم نے بیان کیا۔

اب ہم اپنے ناظرین کو منوجی کا جو ہندوؤں اور آریوں کے مسلّمہ پیشوا ہیں) گوشت خوری اور قربانی کے متعلق ایک حکم سناتے ہیں۔ منوجی شرادھوں کے متعلق ہدایت فرماتے ہیں:۔

"مچھلی کے گوشت (کھلانے) سے دو مہینے تک اور ہرن کے گوشت سے تین مہینے تک اور بھیڑ کے گوشت سے چار مہینے تک اور پرند جانور کے گوشت سے پانچ مہینے تک پتر (ماں باپ) آسودہ رہتے ہیں۔
بکرے کے گوشت سے چھ مہینے تک چتر مرگ کے گوشت سے نو مہینے تک اَین (نام ہرن) کے گوشت سے آٹھ مہینے تک اور رَرو تک (نام ہرن) کے گوشت سے نو مہینے تک پتر آسودہ رہتے ہیں"

(منوسمرتی باب ۳۔ فقرہ ۲۷۰)

۷۔ فروری ۱۹۰۴ء کو امرت سر کے آریوں سے گوشت خوری کے متعلق میری بحث ہوئی جو اخبار اہلحدیث امرتسر میں مختصر چھپی تھی۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے۔

امرت سر میں آریوں سے مباحثہ

جناب ایڈیٹر صاحب! ۶۔ فروری کو ایک لمبا چوڑا اشتہار بازاروں کی دیواروں پر دیکھنے میں آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ آج آرین ڈیبیٹنگ کلب میں گوشت خوری پر مباحثہ ہو گا۔ دس دس منٹ ہر ایک کو بولنے کی اجازت ہوگی۔ اس پر انجمن نصرت السنہ امرتسر کی طرف سے کلب مذکور کے سکرٹری کو لکھا گیا۔ کہ اسطرح کسی مسئلہ کی تحقیق نہیں ہوسکتی بلکہ اس تجویز کیلئے چند گھنٹے مقرر ہوں اور مباحثہ کنندگان دو ہی صاحب ہوں۔ چنانچہ آریوں نے اس تجویز کو منظور کیا۔ اور ۷ فروری کا دن ۱ بجے سے ۴ بجے تک مقرر ہوا۔ دس منٹ ایکدفعہ بولنے کیلئے تجویز ہوئے۔ انجمن مذکور کیطرف سے جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب (مولوی فاضل) مباحث قرار پائے۔ آریوں کی طرف سے ماسٹر آتما رام جی امرتسری۔ مولوی صاحب نے گوشت خوری کی ممانعت کے دلائل طلب کئے۔ اسپر ماسٹر جی نے کہا۔ کہ گوشت انسان کی طبعی غذا نہیں۔ نیز اخلاقی طور پر بھی منع ہے۔ اخلاقی پر اس لئے منع ہے کہ کسی جانور کو ذبح کرنیکا ہمیں کوئی حق حاصل نہیں۔ اسی تقریر کے ضمن میں ماسٹر جی نے یہ بھی کہدیا کہ موت سے تکلیف نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ تکلیف جتنی ہے بیماری سے ہے۔ طبعی اور قدرتی غذا کے معنے یہ کئے۔ کہ انسان کے دانت اور معدہ گوشت کھانے کے لئے نہیں ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا۔ کہ دانت اور معدہ اگر قدرت نے گوشت کھانے کیلئے انسان کو نہیں دیئے حالانکہ ہم ہر روز گوشت کو دانتوں سے چبا کر معدے میں ڈالتے ہیں۔ تو کیا ہم قانون قدرت کے خلاف کرتے ہیں۔ کیا کوئی شخص خلاف قانون قدرت کانوں کا کام زبان سے اور زبان کا آنکھ اور آنکھ کا ناک سے لے سکتا ہے؟ ہمارا گوشت کھانا ہی جتلا رہا ہے کہ خدا نے ہمیں دانت اور معدہ گوشت کھانے کے لئے دیئے ہیں۔ رہی باقی اخلاقی ممانعت۔ سو اس کا جواب مولوی صاحب نے

یہ دیا۔ کہ اول تو جس قدرت نے انکو انکی پرسواری کرنا۔ بوجھ لادنا۔ اُنکا دودھ پینا (حالانکہ دودھ اُسکے بچے کیلئے ہوتا ہے) وغیرہ امور پرقابو دیا ہے۔ اسی قدرت نے اسکو ان کے کھانے کی بھی اجازت دی ہے۔ حالانکہ ذبح کرنے سے اُنکو تکلیف ہی نہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ بھی کہتے ہیں کہ موت سے تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ بیماری سے ہوتی ہے۔ پس جس بھیڑ بکری کو ہم ذبح کرتے ہیں۔ حقیقت میں اُس پر رحم ہے کیونکہ وہ بیماریوں وغیرہ تکالیف سے بچ جاتی ہے۔ علاوہ اس کے بعض موذی جانوروں کا ماردینا خود آپکے گرو دیانند جی ستیارتھ پرکاش باب فقرہ[22] ۱۵۳ پر لکھتے ہیں۔ پس ایسے جانوروں کا کھا لینا جنکا مارنا بھی جائز ہے رحم کے کسی طرح خلاف نہیں۔ پس آپ انکو پہلے کھائیے۔ اتنا حصہ بحث کا تو صاف ہوجاتا ہے۔ علاوہ اس کے ایک بڑی بات مولوی صاحب نے بڑی دلچسپ کہی جو واقعی یہ ہے۔ کہ آجتک آریہ سماج کے کانوں میں نہ پڑی ہوگی اس لئے ماسٹر جی اُس کے جواب دینے سے کسی قدر رُکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ وہ یہ کہ مولوی صاحب نے کہا کہ دیکھئے! آپکو ایک سہل تجویز بتلاتا ہوں۔ جس میں آپ گوشت بھی کھالیں اور آپکے رحم کے خلاف بھی نہ ہو۔ بلکہ آپکو مالی فائدہ بھی ہو۔ اس مضمون کو ذرا دلچسپ پیرائے میں بیان کیا۔ کہ آریہ سماج ایک اشتہار دیدے کہ جس کسی کی بھینس اونٹ یا بکری۔ بھیڑ مرجائے وہ سماج کو اطلاع کرے سماج کے ممبر اسکو خود ہی اُٹھوا منگا لینگے اور گوشت کھاکر چمڑے کے نقدے کرینگے۔ یہ نہایت سہل تجویز ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ تجویز حاضرین نے بڑی ہی معقول سمجھی اور اس کا جواب بھی ماسٹر جی نے کوئی معقول نہ دیا۔ صرف اتنا کہا کہ آپ بھی مردہ جانوروں کی ایک منڈی کھولیں اور اشتہار دیدیں۔ اس کا جواب مولوی صاحب نے دیا کہ ہمیں تو حاجت نہیں ہم تو ذبح کرکے کھاتے ہیں۔ ضرورت تو آپکو ہے جو ذبح کو خلاف رحم جانتے ہیں۔

راقم حکیم محمد الدین سکرٹری انجمن نصرت السنہ امرتسر (اخبار اہلحدیث امرتسر ۷ فروری ۱۹۱۲ء)

آریہ نمبر ۴۷

قرآن کی تعلیم ہے کہ مردار۔ سؤر اور خون حرام ہیں حاضرین جلسہ! قیاس کیجئے کہ مردار کسے کہتے ہیں وہ جس میں سے روح پرواز کرگئی ہو۔ وہ لاٹھی مارنے سے ہو یا چھری مارنے سے۔ وہ شیطان کا نام لیکر کاٹا گیا ہو۔ یا رحمٰن کا نام لینے سے۔ مگر مردار وہ ہے جس میں اب روح نہیں ہے۔ کیا خدا کا نام لینے سے اگر ایک جانور ذبح کیا جاوے تو وہ مردار یا خالی از روح نہ ہوجاویگا پھر وہ حرام کیوں نہ ہوا؟ پھر دیکھئے کہ خون حرام ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر خون حرام ہے تو پھر گوشت کیوں حلال ہوگیا؟ وہ بھی سراسر حرام ہوا کیونکہ وہ بھی تو خون سے ہی بنتا ہے۔ ذرا غور کیجئے! مادہ کے رحم میں نطفہ مادہ کے خون سے پرورش پاتا ہے۔ اسکی تمام ہڈی پسلی۔ گوشت۔ پوست۔ خون کے ایک قطرے سے بنتا ہے اور تمام جسم کی بالیدگی خون سے ہوتی ہے۔ ہڈی خون سے بنتی ہے پوست خون سے گوشت خون سے چربی خون سے یہ نہیں کہ خوراک میں ہڈی اور چربی وغیرہ علیحدہ علیحدہ موجود ہوتے ہیں۔ پیٹ میں جاکر ہڈی کے ساتھ اور گوشت گوشت کے ساتھ جا ملتا ہے۔ نہیں بلکہ پہلے خون بنتا ہے پھر خون سے دیگر اعضاء بنتے ہیں۔ اگر خون حرام ہوگیا تو پھر گوشت اس سے بھی بڑھکر حرام ہوا۔ کیونکہ وہ خون کا منجمد ست ہے۔ مگر میرے بھائیوں کو یہ بات کون سمجھائے وہاں تو حضرت تعصب جین کا خیمہ لگا ہوا ہے۔ مجال کیا کہ کوئی چوں تک کرے پھر پوچھئے کہ سؤر کیوں حرام ہے؟ کیا اس لئے کہ وہ گندگی کھاتا ہے اگر یہی سبب ہے تو مرغے مرغیاں اور بٹیریں بھی حرام ہونی چاہئیں جو گندہ خور ہیں یا کیا اس لئے کہ وہ شہوت پرست جانور ہے۔ اس کے گوشت سے شہوت پرستی زیادہ ہوتی ہے۔ تو پھر مرغے اور بکریوں سے بڑھکر شہوت پرست کونسا جانور ہے؟ وہ بھی حرام ہونے چاہئیں۔ مجھے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ سؤر کیوں حرام کیا جائے اور دوسرے جانوروں کو کیوں حلال

سمجھا جاوے۔

نمبر ۵۳ | قرآن کی تعلیم ہے کہ خون حرام ہے یہاتک کہ اگر اس کا قطرہ کپڑے پر لگ جاوے تو وہ ناپاک ہوجاتا ہے تو کیا منجمد خون یعنے گوشت کھانے سے جسم اور روح دونوں ناپاک نہ ہونگے؟ افسوس ہے کہ جسم اور روح کو کپڑے سے ادنیٰ خیال کیا جائے۔

مسلمان نمبر ۵۴ | قربان اس دھینگا دھینگی پر! بابو صاحب! کیا اصول موضوعہ نمبر ۹ اور دیباچہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲ پر بھی عمل ہے کہ دوسرے کے کلام کو ناحق بگاڑ کر بلا وجہ اعتراض کا شوق پورا کیا جائے۔ پس سنو!

مردار جس لفظ کا ترجمہ ہے وہ مَیْتَہ ہے۔ جس کے معنے ہیں وہ جانور جو بغیر ذبح کے اپنی موت سے مرا ہو۔ دیکھئے! لغت عرب کی مشہور اور معتبر ڈکشنری قاموس میں لکھا ہے۔

اَلْمَیْتَۃُ مَا لَمْ تَلْحَقْہُ الذَّکَاۃُ (میتہ وہ ہے جو ذبح سے نہ مرا ہو)

انہی معنے میں فارسی کا شعر ہے ؎

گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز — مُردار بود ہر آنچہ اورا نکشند!

پس بتلایئے! آپکی طول پر فضول تقریر جو مُردار کے متعلق آپنے کی ہے۔ خلاف منشاء متکلم ہے یا نہیں۔

سنو اور غور سے سنو!

"متکلم کے خلاف منشاء معنے کرنے والے سخت ضدی اور متمرّد ہوتے ہیں"

(دیباچہ ستیارتھ پرکاش)

پس آپ کا تمام تار و پود ٹوٹ گیا۔

اب خون کی بابت سنیئے! خون سے مراد دم مسفوح ہے یعنی جو ذبح کے وقت گردن سے نکلتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں دَمًا مَسْفُوْحًا آیا ہے۔ پس بتلایئے آپکی منطق کیا کہہ رہی ہے۔ کیا خون سے اگر گوشت بنتا ہے تو خون سے منی یا عورت

کے پستانوں میں دودھ نہیں بنتا۔ پھر منی گوشت اور دودھ ایک ہی چیز ہے؟ یہ کہاں کی لاجک (منطق) ہے۔ کہ بعد استحالہ اور تحلیل بھی دونوں چیزوں کو ایک ہی کہا جاوے کیا بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے تو درخت اور بیج ایک ہی ہے؟ کیا کھاد[1] سے سبزی بھاجی وغیرہ نشوونما پاتی ہے تو دونوں ایک ہی ہیں؟ پھر کھاتے کیا ہو؟

پس سُنو! ہم آپکو ایک اصول سمجھاتے ہیں۔ جس طرح بعض خوردنی اشیاء جسم کو مفید ہوتی ہیں۔ اور بعض مضر۔ اسیطرح بعض چیزیں روحانی طور پر انسان کو مضر ہوتی ہیں۔ اور بعض مفید۔ اس تقریر سے اصولاً تو آپ کو بھی انکار نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ بھی اسی اصول سے گوشت خوری کو مضر اور روحانیت کے خلاف بتاتے ہیں۔ پس اب سنیئے! کہ جسطرح ایک مستند ڈاکٹر کا قول اشیاء خوردنی کے نفع و نقصان کے متعلق حجت اور سند ہوسکتا ہے خواہ بیمار اسکی ماہیت سمجھے یا نہ سمجھے۔ روحانی ضرر اور نفع کے متعلق بھی یہی قانون ہے کہ سچا ملہم اور خدا کا رسول جو بتلا دے وہ سند ہے جس چیز سے روک دے وہ قابل پرہیز ہے اور جس کا حکم کرے وہ واجب العمل ہے (دیکھو اصول موضوعہ نمبر ۱۲) ان احکام پر بحث کرنا فرعی بحث اور تضیع اوقات ہے۔ ہاں رسالت کی بحث اور ثبوت کا طریق اور ہے جو ہم نے تفسیر ثنائی جلد اوّل کے شروع میں لکھا ہے پس جسقدر غذائیں شریعت میں منع ہیں ان سب کا ایک ہی اصول ہے کہ وہ روحانی طور پر مضر ہیں۔ اسی لئے اسلامی شریعت میں اشیاء خوردنی کا حکم مختلف ہے۔ جسقدر اور جتنے حصے میں مضر ہیں۔ اتنی ہی اُن کے حکم میں سختی ہے۔ کوئی تو قطعی حرام ہے۔ کوئی مکروہ تحریمہ کوئی مکروہ تنزیہ۔ پھر اس ضرر کی تفصیل بھی الگ الگ ہے کبھی کوئی چیز براہ راست انسان کے اخلاق میں مضر ہوتی ہے۔ کوئی اُسکی جسم پر مضر ہوتی ہے کوئی بلا واسطہ مضر ہوتی ہے کوئی بالواسطہ ضرر دیتی ہے۔ مثلاً اس کے کھانے سے کسی کار خیر سے طبیعت رکتی ہے اس لئے منع ہوتی ہے۔ مگر اس تفصیل کا

[1] پاخانہ وغیرہ جو کھیتوں میں ڈالا جاتا ہے اُسکو کھاد کہتے ہیں۔ ۱۲

معلوم کرنا اُمّت کا کام نہیں، بلکہ نبی کا ہے۔ اُمّت کا کام نبوّت کی تحقیق ہے جس کیلئے الگ دلائل ہیں مفصّل بحث حق پرکاش کے نمبر اوّل میں ملیگی۔

علماء اسلام نے ہر ایک حرام چیز کی حکمت بتلائی ہے۔ ان سب تحقیقات کے ذمّہ وار علماء ہیں۔ ممکن ہے غلط ہوں۔ اس لئے کہ اُنکی پوری تحقیق کا معلوم کرنا بجز صاحب وحی اور نبوّت کے کسی کا کام نہیں بھلا آپ جو اتنا زور دے رہے اور چلّا رہے ہیں کہ گوشت خوری سے روحانیّت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ کوئی دلیل بھی دی ہے یا اسے یہی بتلایا ہوتا کہ روحانیّت سے آپکی مراد کیا ہے۔ سنیئے! ہم آپکو بتلاتے ہیں روحانیت سے مراد خدائے تعالیٰ۔ مالک الملک۔ ایشور۔ سچدانند۔ سرب شکتیمان۔ نراکار وحدہٗ لاالٰہ الّاھو کی طرف روح کا میلان ہونا۔ اور ہر وقت اَنابت اِلی اللہ اور خشیتہ اللہ کا بڑھنا یعنی ہر ایک کام میں یہ خیال رہنا کہ میرا مالک مجھ سے راضی ہو اور کوئی حرکت مجھ سے ایسی سرزد نہو۔ کہ وہ ناراض ہو جائے۔ ایسی روحانیت کی تعلیم جیسی قرآن شریف نے دی ہے۔ کسی کتاب نے نہیں دی اسی کے متعلق ہم آپ سے ایک سوال پوچھتے ہیں، کہ آپ کے والد ماجد میاں جی سلطان محمد مرحوم بھی تو گوشت خور تھے۔ پھر کیا اُن میں روحانیت کم تھی۔ جو اُس مرحوم نے اپنے لخت جگر موسیٰ کو تکلیف شدید میں دیکھکر فرزند دلبند کے اظہار شکائیت پر کہا تھا کہ بیٹا خدا کیطرف خیال رکھو۔ دنیا میں آرام کہاں؟ دنیا تو سراسر تکلیف خانہ ہے پھر ایسی تکلیف کے وقت بڑے استقلال سے ابھی اُس کے ہوش حواس اچھے تھے مگر امید زیست کی نہ تھی۔ چونکہ بباعث ورم قلب خون جاری تھا۔ مرحوم لوگوں سے مشورہ کرکے اُس کے کفن کیلئے تیار ہوئے۔ اسوقت آپ نے فرزند دلبند سے کہاکہ اے موسیٰ! میں تیرے کفن کے واسطے کپڑا قصبہ صاجہ سے لے آؤں کیونکہ اس وقت ہمارے گھر میں موجود نہیں۔ برخوردار موسیٰ خاموش رہا۔ پھر پوچھا پھر خاموش رہا پھر اُس کو چند آیات قرآن شریف کی بطور نصیحت کے سنائیں موسیٰ اس حالت میں سنکر خوش ہُوا۔ اور کہاکہ میاں صاحب جائیے اور لیکر جلدی

آ جایئے۔ کیونکہ مجھکو تکلیف بہت ہورہی ہے۔ میاں صاحب مرحوم نے جوابدیا کہ تجھکو تیرے چھوٹے بھائی ابراہیم سے زیادہ تکلیف نہیں۔ بلکہ بہت کم ہے تو نے اس کا حال نہیں دیکھا کہ وہ اخیر دم تک کیسا صابر اور شاکر رہا تھا۔ یہ نصیحت دیکر آپ برائے کفن تشریف لیگئے اور آپ کو واپس آتے راستہ میں ہی بخار ہوگیا۔ خیر آپ آپہونچے اور موسیٰ اسی رات کو راہی ملک بقا ہوا مگر اسوقت بجز اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلیہِ رَاجِعُوْن کے ایک حرف بھی زبان پر نہ لائے۔ بعد از انتقال فرزند دلبند آپ چند روز زندہ رہے اور سخت بیمار تھے اور خون مانند بیماران طاعون قلب سے آتا تھا مگر اس سختی میں آپ نے نماز نہیں چھوڑی۔ نماز عشا کے فرض چارپائی پر ادا کئے۔ اور نماز فجر کے اوّل ہی رحلت فرماگئے۔ ایک اور لطف کی بات سُنو! اُس وقت جو شخص واسطے افسوس اور بیمار پرسی کے آتا۔ اور آکر کچھ افسوس کرتا۔ تو آپ اسکو صبر کی تعلیم دیتے اور نماز روزہ کی وصیّت کرتے۔

بابو صاحب! یہ ہے گوشت خوروں کی روحانیّت۔ اور یہ ہے اُن کی زندہ دلی۔ مگر افسوس کہ آپ اس کوچہ سے بالکل ناآشنا ہیں۔ آپکو کیا معلوم کہ روحانیّت کیسا ہوتی ہے؟ یونہی سنے سنائے نام لے دیا۔ کہ گوشت کھانے سے روحانیّت میں فرق آجاتا ہے۔ کیا کوئی روحانی طب یا ڈاکٹری ثبوت آپ کے پاس ہے؟ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان باوجود گوشت خوری کے پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں خدا کی یاد کرتے ہیں۔ مگر آریہ باوجود دال بھات کھانے کے سندھیا سے بھی غافل ہیں۔ میں ایک معتبر آریہ مصنف کی شہادت آپکو سُناتا ہوں۔ جس سے آپکو آریوں کی روحانیّت کا اندازہ ہوجائیگا۔ غور سے سنیئے! لالہ رادھا کشن مہتہ مصنف تاریخ آریہ سماج لکھتے ہیں:۔

"سوامی دیانند کی وفات کے بعد لوگوں میں نت کرم کا خیال ہُوا۔ اس خیال کا نتیجہ یہ ہے کہ اسوقت ہزاروں آدمی سندھیا کرتے ہیں۔ لیکن اسوقت بھی آریہ سماج کے اپنے ممبران کی ایک بہت معقول تعداد ایسی ہے جو سندھیا

کرنا تو درکنار سندھیا کے منتر نہیں آتے۔ یہ ایک ایسا پہلو ہے جس کا وہاں تک اثر لوگوں پر اور خاص اپنی ذات پر نہیں ہو سکتا" (تاریخ آریہ سماج صفحہ)

سُنو! قرآن شریف نے روحانیت کا گُر اور مدار کار بتلایا ہے۔ جو خدا کے فضل سے مسلمانوں میں باوجود گوشت اور دیگر نعمتیں کھانے کے بھی اکثر پایا جاتا ہے غور سے سُنو! ارشاد ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

یعنی اللہ کے نیک بندے اور روحانیت رکھنے والے وہ ہیں جنکو تجارت اور دیگر امور دنیاوی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔ بلکہ ہر وقت اُن کی دلی توجہ خدا ہی کی طرف رہتی ہے۔ چنانچہ انہی معنوں کی طرف اشارہ ہے۔

وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

یعنی مسلمانو! خدا کی طرف جھک جاؤ اور اسی سے لپٹ رہو۔ کسی دوسرے کیطرف خیال تک نہ کرو"

مجھے بار بار آپکے اور آریہ سماج کے سانچے ڈھلے ہوئے الفاظ سُنکر حیرانی ہوتی ہے کہ گوشت سے روحانیت میں بگاڑ آتا ہے۔ ایں چہ بوالعجبی است!

پس اگر روحانیت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنا روحانی تعلق خدائے تعالی کے ساتھ سب سے بڑھکر رکھے۔ تو ایسی روحانیت کو گوشت خوری سے کوئی نقصان نہیں بلکہ اس لحاظ سے ترقی ہے کہ خدا کی نعمت ہے۔ اس کا شکر یہ ہم پر واجب ہے اور اگر روحانیت کوئی اور شے ہے تو وہ بیان کیجئے۔

آریہ کہتے ہیں۔ کہ گوشت انسان کی طبعی غذا نہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انسان گوشت کھاتا ہے۔ تو اُسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ جسمانی قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور مثل لکڑی یا مٹی کے گوشت سے کسیطرح کی مضرت نہیں ہوتی۔ تو پھر یہ کیونکر صحیح ہے کہ گوشت انسان کی طبعی غذا نہیں۔ طبعی غذا وہی ہے جسکو طبیعت ہضم کرے۔ اور اگر طبعی کے معنے کچھ اور ہیں تو وہ بیان کریں

گوشت خوری کیلئے سب سے بڑی بھاری وجہ اور قوی مانع۔ (بقول آریہ سماج) ذبح حیوانات ہے جس کا جواب مضمون منقولہ اخبار اہل حدیث مندرجہ صفحہ سے ملسکتا ہے۔

سماجیو! سائنس والو! قدرتی سائنس سے کام لو!

آریہ نمبر ۴۶ قرآن کی تعلیم ہے کہ بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ میں جو حرمت کی جگہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ خون مت گراؤ۔ کیا خدا کا گھر عرب کے ایک کونے کی چار دیواری تک ہی محدود ہے اور باقی تمام دنیا شیطان کا گھر ہے؟ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ اس گھر میں تو خون بہانا منع کیا جاوے اور دوسری جگھوں پر جائز سمجھا جائے اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ خدا محدود یا لمکان ہے اور عرب کے ایک گوشہ میں اپنا گھر رکھتا ہے۔

ایضاً قرآن کی تعلیم ہے کہ احرام کے دنوں میں شکار کھیلنا اور کسی جانور کا مارنا حرام ہے۔ احرام سے وہ دن مراد ہیں جبکہ حاجی لوگ خدا کے گھر کی زیارت کرنے کیلئے مصمم ارادہ کرتے ہیں۔ مگر کیا محض عربی مہینے کی خاص تاریخ مقرر ہو سکتی ہے؟ جبکہ انسان کو بالکل بے ایذا ہو جانا چاہئیے۔ اگر ہاں تو ماننا پڑے گا کہ خدا بھی فصلی بٹیروں کی طرح ایک خاص موقع پر اپنے گھر میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اور باقی دن غائب رہتا ہے۔ مگر ایسا نہیں خدا ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے جو پکا حاجی ہے وہ ہمیشہ ہی بے ایذا زندگی بسر کرتا ہے اور کبھی بھی جانوروں کا خون گرا کر زمین کو ناپاک نہیں کرتا۔ اور کبھی بھی کسی معصوم جانور کا گلا کاٹ کر اپنے اندر سے دیا کے بھاؤ کو جو دہرم کا مول لینے کی جڑ ہے۔ نقصان نہیں پہونچاتا۔ وہ ہمیشہ ہی احرام میں رہتا ہے اور اسی لئے ایک عربی حاجی سے بڑھکر جس کا احرام چند دنوں کے لئے ہی ہوتا ہے۔ زیادہ عزت کا مستحق ہوتا ہے۔

مسلمان نمبر ۴۶-۴۷ ؎ تو آشنائے طریقت نۂ خطا اینجا است

اللہ کا سکونتی گھر تو نہیں۔ ان معنے سے تو وہ لامکان ہے۔

سنو! قرآن شریف بتلاتا ہے:۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ

یعنی نہ خدا کسی چیز کی مانند، نہ کوئی چیز خدا کی مانند ہے۔ وہ کسی جگہ اور کسی مکان میں سکونت کیا کرتا۔ البتہ اس کی عبادت کیلئے مکان ہوتے ہیں۔ جسکو مجازاً **بیت اللہ** کہا جاتا ہے جس کے معنے ہیں مَعْبَدُ اللّٰہ یعنی اس کی عبادت کی جگہ

ہاں وید کہتا ہے۔

"جس ملک میں دھرم کی ترقی ہوتی ہے وہ پرمیشور کا وطن مالوف ہوتا ہے"

(یجروید ادھیائے ۲۰ منتر ۱)

پس وید ہی سے پوچھنا چاہیئے کہ آجکل تو دھرم کی ترقی جیسی کچھ ہے ظاہر ہے کہ دنیا میں یا تو قرآن شریف کا مشغلۂ اظہار ہے۔ یا انجیل کی منادی ہو رہی ہے رہا ہندوستان اس میں بھی برابر کا حقدار قرآن شریف ہے۔ رہے ہندو۔ سو وہ بقول آریہ سماج اس قابل ہی نہیں کہ انکو وید کے مت کے تابعداروں میں شمار کیا جائے۔ بلکہ وہ بُت پرستی کرنے سے اُلٹے ویدوں کو بدنام کرتے ہیں۔ آخر نوبت بآریہ رسید۔ سو ان میں ایک آریہ تو بوجہ گوشت خوری کے ہمارے بابو صاحب کے نزدیک اس قابل ہی نہیں۔ کہ اُن کو آریہ بھائی یا ویا نندی کہا جائے پس بات ٹھیری تو ان مٹھی بھر آریوں پر جنکو گھاس پارٹی یا سبزی خور کہا جاتا ہے آج سے پہلے ۵۰ سال کی تاریخ پر نظر ڈالیں۔ تو دنیا بھر میں کوئی نفس بھی دھرمی نہ ملے گا۔ پھر کیا شبہ ہے۔ کہ پرمیشور وطن مالوف سے نکل کر حالِ سرگردان دربدر مارا مارا پھرتا ہوگا۔ آہ ؎

قرار بے خلدسے گذرے پہ سینہ چاک ابتک خدا کرے نہ وطن سے کسی کو ہو دوری

پھر قرآن کی تعلیم کے مطابق تو ہر مسجد بیت اللہ یعنی معبد اللہ، مگر وید کا معاورہ شاید کچھ اور ہے اسکو آپ جانیں۔

خون بہانے سے مراد شکار کھیلنا ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی نمبر ۴۷ خود ہی نقل

کیا ہے پس آیت کے معنے یہ ہیں کہ احرام کی حالت میں چونکہ تم مسلمان ایسے ہوتے ہو جیسے نماز کے اندر۔ اس لئے شکار وغیرہ دنیاوی کاروبار سے الگ رہا کرو۔ اسی بنا پر اپنی عورتوں کے نزدیک جانا بھی منع کردیا۔ پس ان معنے سے دوسری جگہ بھی وہی حکم ہے۔ جو کہ اس آیت میں ہے۔ کہ نماز پڑھتے ہوئے دنیا کا کوئی کام جائز نہیں شکار ہو یا کچھ اور کہیے! اب بھی سمجھے یا کسر ہے؟

بیشک خدا حاضر وناظر ہے۔ قرآن شریف بتلاتا ہے۔

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا

یعنی جہاں کہیں تین اشخاص ملکر بیٹھے ہوں۔ اُن میں چوتھا خدا ہوتا ہے اور جہاں وہ پانچ ہوتے ہیں۔ چھٹا خدا ہوتا ہے۔ اس سے کم ہوں یا زیادہ بہرحال وہ اُن کے ساتھ ہے کہیں بھی ہوں۔

ان معنے کا کوئی وید منتر لائیے پھر بولیئے۔

آپ کو حیوانات پر بار بار بہت رحم آتا ہے۔ سچ پوچھو تو ہم بھی آپ کے اس رحم میں شریک حال ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ قدرت کا مقابلہ کرنا حلوے کا خیر نہیں۔

قدرت نے جب اُن کو ہمارے خدمتگار اور مسخر بنایا ہے۔ پس جس طرح اور جس کام کے لئے ہم اُن کو چاہیں۔ استعمال میں لاسکتے ہیں۔ اگر آپ یا آپکے سوامی جی ایسے رحمدل ہیں۔ تو بلا سے۔ کبھی تو ایسا کیا ہوتا کہ دس کوس سواری پہ چل کر ایک دو کوس اُسے بھی اپنی پیٹھ پر اٹھا لیتے۔ تاکہ آپکی رحمدلی اور نیکی کا ثبوت ملتا آج تک نہیں کیا تو آئندہ ہی سہی۔ لیکن یاد رہے کہ قانون قدرت اور نیچرل رول کا توڑنا آپکی اور میری طاقت سے باہر ہے نمبر ۴۴ ملاحظہ ہو۔

قرآن کی تعلیم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا خدا نے بڑا بھاری سانپ بنادیا جسکو دیکھ کر بولے	آریہ نمبر ۴۸-۴۹-۵۰-۵۱

جو ایک منکر از خدا بادشاہ تھا۔ ڈر گیا۔ اُس نے سمجھا کہ موسیٰ بڑا جادوگر ہے تمام جادوگروں کو حاضر ہونیکا حکمدیا۔ جادوگروں نے لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا دیئے موسیٰ بھی تماشا دیکھ کر ڈر گیا۔ خدا نے اسی وقت فرشتہ بھیجا کہ مت ڈر تو جیت جائیگا اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دے۔ پس موسیٰ نے حسب الارشاد خداوند قرآن اپنا ڈنڈا زمین پر دے مارا پس فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک بھاری اژدہا بن گیا اور فَاِذَا ھِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ جادوگروں کے ڈنڈوں اور رسیوں سے بنائے ہوئے تمام ہی سانپوں کو کھا گیا۔

۹ نمبر۔ موسیٰ نے مذکورہ بالا لاٹھی مار کر سمندر کو پھاڑ دیا۔ اور اس میں بارہ راستے بن گئے موسیٰ کا سارا لشکر اُن میں سے گذر گیا۔ اور جب فرعون کا لشکر گذرنے لگا۔ تو سمندر مل گیا اور سارے ڈوب گئے۔ اور موسیٰ مع بنی اسرائیل کے بچ نکلے۔ واہ کیا عجب لاٹھی تھی۔

۱۰ نمبر جب بنی اسرائیل گمراہ ہو گئے اور خدا کی باتوں کو بھول گئے۔ تو خدا نے پہاڑ اٹھا لیا اور اُن سے کہا کہ یا تو میری بات کو مان لو۔ ورنہ ابھی پہاڑ تمہارے سر پر گرتا ہے۔

مسلمان نمبر ۸ تا ۱۰ ان نمبروں کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ معجزات انبیاء علیہم السّلام صحیح نہیں۔ مگر ہم اصول موضوعہ نمبر ۲ میں بتا آئے ہیں۔ کہ کوئی کام قدرت کا خلاف قانون نہیں قیامت ہے تو وہ بھی قانون سے پڑنے والی ہے تو وہ بھی نیچرل رول سے ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ اُن قوانین کا احاطہ اور علم ہمکو بھی ہو۔ پس لاٹھی سے سانپ بن جانا۔ اور پھر اسی طرح لاٹھی کی لاٹھی ہو جانا یا پہاڑ کا سروں پر آ جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ اپنے اپنے وقت پر جوان جو ان آدمیوں کا زمین سے نکل پڑنا (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۹۰ باب ۸ فقرہ ۴۴)

اصول موضوعہ مذکورہ میں ہم بتلا آئے ہیں۔ کہ لکھنؤ کے عجائب خانہ میں آج کل بھی ایک بکری کا ایک بچہ ایسا موجود ہے جسکی ایک ہی آنکھ ہے۔ وہ بھی سامنے پیشانی پر۔ تو کیا یہ خلاف قانون قدرت ہے؟ نہیں۔ اس کیلئے بھی کوئی قانون ہے۔ جس پر اس سے پہلے

ہمیں اطلاع نہ تھی۔ اور اب بھی بجز اس نمونہ کے کوئی خبر نہیں کہ کیونکر ایسا ہو سکتا ہے۔ ٹھیک اسیطرح معجزہ کو نبوت کے ساتھ ایک ایسا مجہول الکیف تعلق ہوتا ہے جس کا بیان انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ نبوّت ایک ایسا مرتبہ ہے جس کا روحانی طور سے خدا کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہوتا ہے۔ معنوی طور پر نبوّت کے تمام کام خدا کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

مَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (۲۰ مومن)

یعنی کسی رسول میں یہ طاقت نہیں کہ کوئی معجزہ یا نشان دکھلا سکے۔ مگر خدا کے حکم سے یعنی اُس کے قانون سے جب معجزہ کا وقت اور روحانی اسباب جو اُس کیلئے مقرر ہیں۔ مہیا ہوتے ہیں۔ تو وہ بھی ہو جاتا ہے۔ لاٹھی کا سانپ ہو یا مردہ کا جلانا ہو۔ معراج ہو یا پہاڑ کا بلند کرنا ہو۔ دریا کا پھاڑنا ہو یا چاند چیرنا۔ ہوا کا چلانا ہو۔ یا اونٹنی کا نکالنا۔ مسیح کا آسمان پر جانا ہو۔ یا مردوں کو زندہ کرنا۔ چونکہ یہ سب کام قدرت اللہ کے ماتحت ہیں۔ اس واسطے اُن کیلئے کوئی قانون بھی ہے۔

پس انہی قدرتی مقدورات کو خدائے تعالیٰ ان کے روحانی اسباب کے جمع ہونے کے وقت اظہار کرا دیتا ہے۔ چونکہ بسا اوقات روحانی سلسلہ جسمانی سلسلہ پر موثر ہوتا ہے (دیکھو اصول موضوعہ نمبر ۱۲) اس لئے انبیاء کے روحانی کمالات سے جسمانی اشیاء بحکم الٰہی متاثر ہو کر اور ہی رنگ دکھاتی ہیں۔ رہا یہ سوال کہ اس سے تو لازم آیا۔ کہ یہ سب کام قدرتی ہیں۔ تو پیغمبروں کو ان سے کیا تعلق؟ ان کی نبوّت کا اُن سے کیا ثبوت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ سب کام قدرتی ہیں اور قدرت ہی کے حکم سے صادر ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک آدمی کا کام نہیں کہ ایسے کام دکھلا سکے۔ مگر چونکہ اُن کے روحانی اسباب کے سلسلہ میں نبی اور رسول کا وجود یا دعا بھی بطور جزو کے شامل۔ اسی لحاظ سے وہ معجزہ نبی کی نبوّت کا ثبوت دیتا ہے۔

بابو صاحب اس تقریر کو کافی نہ جانیں تو پہلے بتلا دیں کہ پرلے کے آنے کا

کیا قانون ہے۔ اور پھر بعد پرلے کے سینکڑوں ہزاروں جوان آدمیوں کے پیدا کرنے کا کیا قانون ہے۔ بھلا کوئی دہریہ یا جینی اسی اصول پر پرلے کا انکار کرے کہ یہ خلاف قانون ہے تو بابو صاحب یا کوئی روشن دماغ آریہ کیا جواب دیگا۔ ذرہ اپنے چوتھے اصول کو یاد کرکے جواب دیجئیگا۔

پس مختصر یہ ہے کہ معجزات کا ظہور بھی قانون قدرت سے ہے۔ اور ان کا ثبوت عقلی اور واقعات کے دیکھنے سے ہے۔ یا صحیح خبر کے پہنچنے سے۔ چنانچہ یہ سب کچھ پایا جاتا ہے۔

ہاں یاد آیا کہ معجزات کے ماننے والے اس وقت دنیا میں قریب قریب کل دنیا کے لوگ ہیں۔ یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان۔ ہندو۔ بودھ وغیرہ سب کے سب اپنے بزرگوں کی نسبت معجزات مانتے ہیں۔ تو بھلا بابو صاحب! جس بات کو اتنے لوگ مانتے ہیں۔ جنکا شمار بھی احاطہ انسانی سے باہر ہو۔ اس کو جھوٹ کہنے والا کہیں خود تو جھوٹا نہیں؟ اگر اس پر ہنسی اڑاؤ۔ تو سنو! سوامی دیانند جی فرماتے ہیں:۔

جو مذہب دوسرے مذہبوں کو جن کے ہزاروں کروڑوں آدمی معتقد ہوں جھوٹا بتلائے اور اپنے کو سچا ظاہر کرے۔ اس سے بڑھکر جھوٹا اور مذہب کون ہوسکتا ہے (ستیارتھ پرکاش باب ۱۱ فقرہ ۱۶۷ صفحہ ۹) (دیکھو جی کون دہرم ہے)

آریہ گزٹ نمبر ۲۲-۳-۵

قرآن کی تعلیم ہے کہ حضرت سلیمان ایکدن میدان میں سے گذر رہے تھے وہاں کی چیونٹیوں نے جب انکے لشکر کو آتے دیکھا۔ تو ان میں سے ایک چیونٹی بولی۔ کہ بھائیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو سلیمان اور اس کا لشکر تمکو پاؤں کے نیچے کچل ڈالیں۔ سلیمان اس بات کو سنکر بہت ہنسا۔ اور اس نے خدا کا شکر کیا۔ کہ وہ چیونٹیوں کی بات چیت کو بھی سن سکتے تھے۔ (سورہ نمل)

قرآن کی تعلیم ہے کہ حضرت سلیمان جانوروں کی بولی جانتے تھے۔ چنانچہ

ہدہد یا چکی راہے کا جو قرآن میں قصہ دیا ہے۔ وہ عجیب ہے۔ ہدہد کی سلیمان کے ساتھ بات چیت چکی راہے کا ملکہ کی طرف خط لیجانا۔ اور وہاں سے جواب لانا ملکہ کا سلیمان کے پاس آنا وغیرہ وغیرہ ایک عجیب فسانہ اور الہامی حکایت ہے شاید اسی لئے لوگ ہدہد کو سلیمان کا بیٹا[1] کہتے ہیں۔ مگر وہ کیا آجکل اپنی سلیمانی بولی بھول گیا ہے؟ افسوس ہے کہ ایسی گپوں کے لئے جبرئیل کے پر تھکائے جائیں۔

مسلمان نمبر ۲۲-۳-۵

ان دونوں نمبروں کا مدار بھی انکار معجزات پر ہے۔ جسکی تحقیق سابقہ نمبروں میں ہوچکی ہے۔ معلوم نہیں بابو صاحب خود بھی کسی دلیل کے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟ جہاں دیکھو کیسا ہی باریک سے باریک مسئلہ ہو۔ الہیات کا ہو۔ یا روحانیات کا۔ معمولی تمسخر کرکے گذر جاتے ہیں۔ بلا سے کسی دلیل سے کام لیا کریں۔ بھلا کوئی ان سے یہ تو پوچھے۔ کہ کیا جانور اپنا مافی الضمیر اور مطلب کسی طرح ادا کرکے ایک دوسرے کو سمجھاتے ہیں یا نہیں۔ پھر اگر وہی مطلب خدا تعالیٰ بذریعہ وحی والہام کے اپنے رسول اور نبی کو بتلا دے تو کیا مشکل ہے؟ خرابی تو ساری یہ ہے کہ تم لوگ الہام کا دروازہ ہی بند کرچکے ہو۔ اور بعد اگنی وایو وغیرہ کے اسپر ایسی مہر سکوت لگائے بیٹھے ہو۔ کہ کسی کے توڑنے سے نہ ٹوٹے۔ اکھاڑنے سے نہ اکھڑے جس پر آج تک کوئی معقول دلیل نہ بتلائی۔ نہ آئندہ کو امید۔ پس جبتک آپ لوگ اپنے اصول کو مدلل نہ کریں آپ کا حق نہ ہوگا۔ کہ ایسے الہامات اور معجزات سے انکار کرو۔

یہ بڑے مزے کی بات ہے۔ کہ جہاں پر آپ کو قرآن شریف کے مضمون پر ناخن نہیں اڑتا۔ وہاں آپ کسی مفسر کی داستان سنا کر آریہ سماج کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ پھر اس پر یہ غضب کرتے ہیں۔ کہ ان مفسر صاحب کے نام سے

[1] سماجی لیکچرر کہتے ہونگے (ت)

بھی اطلاع نہیں دیتے۔ بلکہ محض گپ ہانکتے ہوئے مفترین کہہ دیتے ہیں۔ آپکو اتنا بھی معلوم نہ ہوگا۔ کہ مفترین کے مراتب کتنے ہیں۔ اور آپکے موہومی مفتر کس پایہ کے ہیں۔ اس لئے ہم ایسے حوالجات کو ویسا ہی سمجھتے ہیں۔ جیسے معمولی اخبار کے اڈیٹر محض اپنی ذاتی رائے کو وزنی بنانے کیلئے لکھدیا کرتے ہیں۔ کہ پبلک کی یہی رائے ہے حالانکہ پبلک کے کانوں تک بھی وہ خبر نہیں پہنچی ہوتی۔

اب ہم آپکو چیونٹیوں کے عجائبات سناتے ہیں۔ تاکہ آپکو حضرت سلیمان والی چیونٹی کے قصے سے حیرانی اور پریشانی نہو۔

پنجاب یونیورسٹی کی اردو کی اٹھویں کتاب میں (جو بارہا آپکے دیکھنے میں آئی ہوگی) چیونٹیوں کی بابت کئی ایک عجائبات لکھے ہیں۔ جن میں سے کسی قدر ہم یہاں بھی نقل کرتے ہیں۔

"چیونٹیاں اپنے پرائے کی شناخت بہت اچھی طرح کرتی ہیں۔ باوجودیکہ زندگی تھوڑی ہوتی ہے مگر اپنا ٹھکانہ کبھی نہیں بھولتیں۔ یگانے اور بیگانے میں تمیز کرسکتی ہیں۔ اگر بھٹک کر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو جب کبھی ملنے کا اتفاق ہوگا۔ تو فوراً ایک دوسری کو جان جائیں گی۔

انکی ایک اور بات نہایت عجیب ہے کہ مردوں کو دفن کرتی ہیں۔ اور حضرت انسان کیطرح جنازہ بھی نکالتی ہیں۔ سڈنی واقع نئو سوتھ ویلز کی ایک میم صاحبہ کا بیان ہے کہ اس کا چار برس کا بچہ ایک مکان میں سویا ہوا تھا۔ وہ یکایک چونک پڑا۔ اور وہ جھٹ دوڑکر اس کے پاس گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ بچہ ملیلا رہا ہے اور اس کے جسم پر چیونٹیوں کا ایک جتھا جما ہوا تھا۔ اُسے یقین ہوگیا کہ بچہ کو چیونٹیوں نے کاٹ کھایا۔ اس نے بیس کے قریب تو مار ڈالیں اور باقی اتار کر مردہ چیونٹیوں کو دور ہٹا دیں۔ پھر وہ بچے کو گود میں لے کر نہلانے لیگئی۔ چونکہ اُسے شوق تھا کہ ان کا کچھ حال معلوم کرے۔ واپس آکر کیا دیکھتی ہے۔ کہ کچھ چیونٹیاں اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف جارہی ہیں۔ یہ ان کے

پیچھے پیچھے ہولی وہ اپنے خانوں میں گئیں۔ چار پانچ کے قریب ہونگی جو اپنے گھروں سے لوٹ کر کچھ دور چلکر ٹھیر گئیں۔ کہ اور آلیں تو ملکر چلیں تھوڑی دیر بعد اپنے گھروں سے بہت سی چیونٹیاں آکر اکٹھی ہوئیں۔ اور سب چلکر لاشوں کے پاس آئیں اور یہ انتظام کیا کہ دو چیونٹیوں نے ایک لاش کو اٹھایا اور دو انکے پیچھے ہولیں اسی طرح سب کیواسطے اہتمام کیا گیا۔ اور باقی دو سو کے قریب ہونگی جو سب کے پیچھے ماتم کرتی ہوئیں چلیں۔ اسی ترتیب سے چلکر وہ سب کی سب ایک چھوٹے ٹیلے پر پہونچیں راستے میں اگر کوئی جوڑی تھک جاتی تھی تو پچھلی جوڑی اُسکو سبکدوش کرتی تھی وہاں دو سو میں سے آدمیوں نے کچھ گڑھے سے کھودے۔ اور لاشوں کو انہیں ڈالدیا۔ اور باقی آدھیوں نے اُن کے اوپر مٹی ڈالکر ڈھانک دیا۔ چھ کے قریب ایسی رہگئیں جنہوں نے اس کام میں کچھ امداد نہ دی۔ اس لئے انہیں قتل کیا گیا۔ اور ان کے پہلو ہی میں دفن کیگئیں۔ جب فارغ ہوئیں تو سب کی سب مقتل پر آئیں۔ اور ذرا سا ٹھیر کر ہر ایک نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی میم صاحبہ لکھتی ہیں۔ کہ یہ تماشا ہم نے اپنی آنکھ سے کئی مرتبہ دیکھا ہے (اردو کی اٹھویں کتاب)

بتلایئے! یہ کرشمہ قدرت حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے عجیب تر ہے یا نہیں اس عبارت اور نیز روزانہ مشاہدہ قدرت سے تجربہ شاہد ہے کہ چیونٹیاں اپنا مافی الضمیر ایکدوسری پر ظاہر کرتی ہیں اور انکو اپنی مضرات اور دشمنوں کا علم بھی ہوتا ہے علاوہ اس کے ممکن ہے کہ کئی ایک قسم کی اور بھی حسیں ان میں ہوں۔ پس ایسی حس سے چیونٹیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج کا آنا معلوم کیا اور انکی رئیسہ نے اپنی ماتحت چیونٹیوں کو یہ مضمون سمجھایا ہو۔ جسکا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ جسکی خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو بذریعہ کشف اور الہام کے اطلاع کی ہو۔ تو کیا اعتراض؟ اصل اعتراض کی بنیاد تو وہی ہے جو ہم بتلا آئے ہیں۔ کہ آریہ سماج اپنی غلط گمانی سے الہام اور کشف کا منہ بندکر چکی ہے۔ اس لئے ہمیشہ ایسے واقعات پر منہ آیا کرتی ہے۔ ہُدہُد کا جواب بھی یہی ہے۔ اُس کے ہم جنس جانور کبوتر تو اب بھی خط لیجاتے ہیں۔

آریہ نمبر ۵۴

قرآن کی تعلیم ہے کہ ہوا سلیمان کے حکم سے چلتی تھی اور اُن کے تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچا دیتی تھی۔ (ص-۳۶)

مسلمان نمبر ۵۴

اس نمبر کی صداقت تو آج یورپی جنگ میں بخوبی ہو چکی ہے۔ کہ ہوائی جہازوں نے کیا کیا کام کئے ہیں اور کیسے تیز چلتے ہیں بس یہی ہوائی جہاز تھا جو سلیمان علیہ السّلام کے حکم سے چلتا تھا۔ ہاں یہ آپکی معمولی بے سمجھی ہے کہ حکم کے معنے ہمیشہ یہی سمجھتے ہیں۔ کہ صاف لفظوں میں ہو جا۔ چلا جا۔ یہ کر وہ کر وغیرہ کہا جائے یا وہ حکم کئی قسم کا ہوتا ہے ہم لوگ جو نماز روزہ کرتے ہیں اور آریہ ہون وغیرہ کرتے ہیں یہ سب گورنمنٹ انگریزی کے حکم سے کرتے ہیں کیا معنی؟ یہ کہ گورنمنٹ نے ایسا قانون بنایا ہے کہ اُسکے رو سے ہم ایسے کرنے کے مجاز ہیں۔ یہ نہیں کہ گورنمنٹ نے آریوں یا مسلمانوں کے نام کوئی سرکلر حکم بھیجا ہے۔ کہ تم لوگ ایسا کیا کرو۔ بس کسی چیز کو باقاعدہ استعمال کرنا ہی اُس کا حکم ہے جیسا کہ ڈرائیور کے حکم سے انجن چلتا ہے۔ اس حکم کیلئے محکوم کا حکم کو سُننا بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اس قاعدے کے مطابق عمل پذیر ہو۔ یہ نہیں کہ کان سے سنتا ہو۔ غرض ہر ایک محکوم کیلئے حکم بھی الگ الگ ہے (دیکھو اصول موضوعہ نمبر ۱۴) طبع اوّل تُرک کے بعد ہوائی جہازوں کا سلسلہ اس حد تک ترقی کر گیا ہے کہ اسکو تختِ سلیمانی سے تشبیہ دیں۔ تو جائز ہے دیکھئے خدا کی تعلیم سے تسخیر ہوا کیسی ہو رہی ہے۔ للّٰہ الحمد۔

آریہ نمبر ۵۵

قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا کی وحی محض پیغمبروں کے پاس ہی نہیں آتی بلکہ شہد کی مکھیوں کے پاس آتی۔ چنانچہ مکھیوں کا شہد جمع کرنا اور گھر بنانا اس وحی کے مطابق ہے کہ جس وحی کے مطابق قرآن ہے۔ اس لحاظ سے تو پھر چڑیوں۔ ابابیلوں۔ کوّوں۔ کبوتروں کے گھونسلے بھی خدا کی وحی کے ذریعے سے ہی بنتے ہیں۔ مگر جبرائیل کس کس کے پاس پہنچتا ہے میگا راج اور دیگر کاریگر بھی تو پھر خدا کی وحی کے مطابق ہی تمام کام کرتے ہونگے۔ مگر جبرائیل کی شکل وہ کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ اور کیوں الہام نہیں وہ

الہام کا دم بھرتے؟ اس لئے کہ عقلمند ہیں (نحل ۶۸)

مسلمان نمبر ۵۵

"کیا سترداد ر جاہل اور عقل کا دشمن ہے وہ شخص جو خلاف منشاء متکلم کلام کے معنے کرتا ہے" (ستیارتھ ص۔)

بے شک جو کام دنیا میں ہو رہا ہے خدا کی وحی سے ہو رہا ہے۔ سنیئے خدا فرماتا ہے:۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا

"یعنی خدا نے ہر ایک نفس کو بُرے بھلے کی سوجھ دے رکھی ہے"

مگر یہ آپکی کیسی معمولی بے سمجھی یا بُری صحبت کا اثر ہے کہ آپ انبیاء کی وحی اور دیگر حیوانات کی وحی میں فرق نہیں جانتے۔ بلا سے نہ جانیں مگر قرآن شریف کا مطلب بگاڑ کر سوامی دیانند کے فتویٰ (مندرجہ دیباچہ ستیارتھ پرکاش ص۔) سے سترداد اور ضدی وغیرہ کیوں بنتے ہیں؟

سنیئے! وحی دو قسم پر ہے۔ خاص اور عام پھر خاص سے ایک قسم اخص ہے عام وحی سے تو وہ مراد ہے۔ جو ہر ایک انسان بلکہ ہر ایک جاندار کو بھی ہوتی ہے انہی معنے سے شہد کی مکھّی کو بھی وحی ہوتی ہے۔ یعنی خدا نے اُس کے کام کا ڈھب اسکی طبیعت میں ڈال رکھا ہے۔

خاص وحی یا الہام وہ ہے جو نیک بندوں کو نیک خیالات اور بذریعہ کشف یا خواب کے سجھائے جاتے ہیں۔ انہی معنوں سے حواریوں کی وحی ہے جس کی بابت قرآن شریف میں ہے۔

أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي

"یعنی میں (خدا) نے حواریوں کی طرف وحی کی تھی۔ کہ تم مجھ پر اور میرے رسول (عیسیٰؑ) پر ایمان لاؤ"

تیسری قسم کی وحی اخص ہے جو نبیوں سے مخصوص ہے۔ وہ ایک روحانی ملاپ ہے۔ جو ملاءِ اعلیٰ یعنی ملائکہ مجردات سے انکی روحوں کو ایک قسم کا مجہول الکیف تعلق ہوتا ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے خدا کی طرف سے اُن پر الہامات ہوتے ہیں وہ الہامات

امور طبعیہ کی قسم سے نہیں ہوتے۔ بلکہ امور اختیاریہ اور احکام شرعیہ کی قسم سے ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اسی قسم کی وحی کے مدّعی ہوتے تھے اور اسی معنے کی طرف اشارہ ہے۔ سنو! قرآن شریف بتلاتا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (بقرہ)

بعض نادان یہودی جو جبرئیل فرشتے سے کشیدہ خاطر رہتے تھے۔ اُن کے حق میں خدا نے فرمایا "جو کوئی جبرئیل سے دشمنی رکھتا ہے (وہ سخت غلطی میں ہے) کیونکہ اس (جبرئیل) نے تیرے دل پر قرآن شریف اُتارا ہے"

کفار عرب اپنے حق میں اسی قسم کی وحی کے خواستگار ہوتے تھے۔ کہ ہم پر کیوں نازل نہیں ہوتی جس کا جواب ان کو ملا تھا

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ

یعنی خدا ایسی وحی کے محل اور مستحق کو خوب جانتا ہے۔ ایسی وحی ہر کس و ناکس کو نہیں ملتی ؎

کلاہِ خسروی و تاجِ شاہی　　بہر کل کے رسد حاشا و کلّا

پس کہیئے! وحی کی جملہ اقسام کو ایک ہی قسم میں منحصر کرنا متکلم کے منشا کے خلاف ہے یا نہیں؟ پھر بتلایئے ضدی اور متمرد کون ہوتے ہیں۔ بہت ٹھیک!

ع وہ الزام ہمکو دیتا تھا۔ قصور اپنا نکل آیا

آریہ نمبر ۵ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ ابابیلوں نے کنکریاں مار کر ہاتھیوں اور آدمیوں کو کھلیان کر دیا اور تمام فوج کو غارت کر دیا۔ بیشک اگر گپ کچھ بھی وزن دارنہ ہو۔ تو وہ معجزہ نہیں سمجی جاسکتی کجا ہاتھی اور کجا ابابیل ایک کرم خورجانور؟

مسلمان نمبر ۵ قربان ایسی سمجھ پر! بابو صاحب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ابابیل سے مراد وہ جانور لیتے ہیں۔ جنکو ہندوستان میں ابابیل کہتے ہیں۔ کیوں نہو۔ آخر پنجابی اور پنجابیوں کی نسل سے ہیں اپنی مادری

زبان کیونکر بھولیں؟ مگر اتنی گذارش ہے کہ پنجابی میں ستر بھی تو کسی ایسے ویسے کلام ہی کو کہتے ہیں۔ جو عموماً ٹھگ ماری اڑنگ بڑنگ توتی ترڑنگ کہا کرتے ہیں۔ تو کیا وید منتر بھی یہی ہے؟ نہیں بلکہ وہ پاکیزہ کلام ہے سنیئے! ہم آپکی غلطی رفع کرنے کو بتلاتے ہیں۔ ورنہ ہم پر ضرور نہ تھا۔ کہ آپ عربی الفاظ کے معنے بھی بتلا دیں۔ ابابیل کے معنے گروہ کثیر کے ہیں۔ پس آیت کے معنے یہ ہیں۔ کہ خدا نے بہت سے جانور بھیجے۔ جو اپنی چونچوں میں خدا کے حکم سے فوج پر کنکریاں مارتے تھے۔ وہ کنکریاں اُن کو ایسی لگتی تھیں۔ جیسے بندوق کی گولی۔ خدا کی قدرت اور اصول موضوعہ نمبر ۲ کو ملحوظ رکھکر اس پر کوئی سوال نہیں۔

اور اگر اور معنے بھی سُننے چاہو تو ہم آپکو سُنا دیں۔ طیر کا اطلاق تیز اور پھرتیلی فوج پر بھی آتا ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے ؎

این المفر لمن عاداہ من یدہ
والوحش والطیر اتباع لعساکرہ

یعنی میرے ممدوح سے دشمن کو کہاں پناہ مل سکتی ہے۔ وحشی اور طیر یعنی پھرتیلی فوج اُسکے ساتھ چلتی ہے پس آیت کے معنے یہ ہوئے کہ" جو لوگ کعبہ کو گرانے کی نیت سے آئے تھے۔ عربوں کی ایک پھرتیلی اور تیز رو فوج جو گروہ کثیر تھی آ پہونچی۔ جنہوں نے ان کو گوپیوں کے ذریعے سے پتھر مار مار کر تباہ کر دیا" اگر یہ معنے آپ کو پسند ہوں تو یہی قبول کیجئے۔

رہا یہ سوال کہ خدا نے فوج کہاں سے بھیجی۔ اس کا جواب اصول موضوعہ نمبر ا میں دیکھئے مفسرین کے اقوال پہلے کسی معتبر تفسیر میں باسند دکھایئے پھر اُن کا جواب پوچھیئے!

آریہ نمبر ۶ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے منکران خدا لوگوں کو معتقد بنانے کیلئے ایک خاص اونٹنی پیدا کی۔ نادان لوگ تو یہاں تک گپ ہانکتے ہیں۔ کہ وہ اونٹنی ایک پتھر میں سے پیدا ہوئی

اور پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس نے بچہ بھی دیدیا۔ پھر کافروں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اور اُن پر عذاب نازل ہوا" (اسرائیل ۵۹)

مسلمان نمبر ۵۷

بابو صاحب! آپ جیسے گریجویٹ کو ایسی باتیں زیبا نہ تھیں۔ کہ سنی سنائی باتوں پر کان دھرتے۔ قرآن شریف میں اتنا ہے۔ کہ حضرت صالح پیغمبر کو اونٹنی کی نشانی دی گئی لیکن کیونکر دی گئی؟ اس کی دعا سے کسی ایسی اونٹنی سے بچہ پیدا ہوا جس سے نہ ہوا تھا۔ یا کوئی اور بات تھی۔ جس سے پیغمبر کی صلاحیت اور اسکی نبوت کا ثبوت ہوتا ہو۔ پتھر سے نکلنا قرآن میں مذکور نہیں۔ جو کہے اُس سے ثبوت مانگو ہمارے بیان کی تصدیق تفسیر کبیر سے بھی ہوسکتی ہے۔

آریہ نمبر ۵۸

قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل کو انکی گستاخی کے سبب بجلی سے ہلاک کردیا۔ مفسر صاحبان کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ صاحب اس بات کو دیکھ کر رو پڑے۔ کہ لوگ مجھے کیا کہینگے۔ چنانچہ خدا نے اُن سب کو از سرنو زندہ کردیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی نے دوسری باتوں کی طرح گپ ہانک دی تھی۔ ورنہ بجلی کے ساتھ ہلاک ہوجانا اور پھر زندہ ہوجانا چہ معنی دارد؟ (بقرہ ۵۴)

مسلمان نمبر ۵۸

پہلے یہ بات تحقیق ہوچکی ہے اور اصول موضوعہ نمبر ۲ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کوئی واقعہ قانون قدرت مجریہ کے خلاف بھی ہو تو وہ بھی کسی نہ کسی قانون ہی میں ہوگا۔ پس ایسے خلاف عادات امور جو آپ لوگوں کی نگاہ میں خلاف قانون قدرت معلوم ہوتے ہیں۔ در اصل نہیں ورنہ ماننا پڑیگا کہ پرلے اور پرلے کے بعد دنیا کی ساری آبادی اور جوان جوان آدمیوں کا پیدا ہونا بھی خلاف قانون ہے۔ جو آریہ سماج کا مذہبی بنیادی پتھر ہے۔

آریہ نمبر ۵۹

قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلکر بھوکے

مرنے لگے۔ تو خدا نے اُن پر منّ اور سلویٰ آسمان سے نازل کیا۔ مفسر صاحبان تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سلویٰ ایک قسم کی چڑیاں ہوتی ہیں۔ جو گھاس پر آکر بیٹھتیں اور چیں چیں کرنے کے بعد خودبخود بھنکر نیچے گر پڑتیں۔ ان میں نہ رگ ہوتی نہ خون نہ ہڈی" (بقرہ ۵۶)

مسلمان نمبر ۵۹

مفسرین کے قول پیش کرنا۔ تو آپ کی عادت ہے۔ جہاں قرآن شریف پر کوئی اعتراض نہو۔ وہاں مفسرین کے نام کی مالا جپا کرتے ہیں۔ پھر ایسی کہ نام تک نہیں بتلاتے۔ پس ایسے بے سند مفسرین کی جہاں آپ سے ملاقات ہو۔ اُن سے پوچھیے! قرآن شریف کے معنے تو صاف ہیں۔ کہ جبتک بنی اسرائیل میدان میں رہے۔ جانوروں کے شکار سے خدا نے اُنکی پرورش کی۔ کیسے جانور تھے؟ جیسے ہمارے ہاں حلیب اور بے دانہ کے موسم میں تلیر آیا کرتے ہیں۔ کون بھیجتا ہے؟ اس کے جواب کیلئے اصول موضوعہ نمبر ۱ دیکھو جھوٹ بولکر ناواقفوں کو راضی کرنا۔ کہو جی کون دھرم ہے؟

آریہ نمبر ۶۰

قرآن کی تعلیم ہے کہ بنی اسرائیل کو دھوپ نے ستایا تو خدا نے اُن پر بادل بھیجدیا۔ اور وہ بطور سائبان کام دینے لگا۔ بعض لوگ یہانتک گستاخی کرتے ہیں کہ وہ بادل بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ سروں پر چلا کرتا تھا۔ اور سایہ رکھتا تھا۔ کیا خوب! میں اسکو تسلیم نہیں کرسکتا" (بقرہ ۵۶)

مسلمان نمبر ۶۰

بعض لوگوں کے جواب تو بعض سے پوچھئے! ایسے بعض تو آپکو ویدمیں مورتی پوجا بھی دکھا دینگے۔ اور کئی ایک نیوگ کی تعلیم بھی سکھا دینگے۔ تو کیا قرآن شریف ان سب خرابیوں کا ذمہ وار ہوگا؟ سنیئے قرآن کریم میں لفظ ہے

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ (بقرہ)

جس کا مطلب ہے کہ خدا نے تم پر موسم گرما میں بادلوں کا سایہ کیا۔ کیوں کیا؟

جس مطلب کیلئے ہم پر کیا اور کرتا ہے۔ اور کریگا۔ کبھی بارش کی غرض سے کبھی آرام کیوجہ سے غرض یہ کہ بنی اسرائیل کو خدا تعالیٰ اپنی مہربانیاں جتلاتا ہے۔ کہیئے کیا اعتراض؟

آریہ نمبر ۶۱ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے بنی اسرائیل کو کہا کہ گائے ذبح کرو۔ لوگ بڑے چکرائے۔ موسیٰ کہنے لگے کہ تم ہمارے ساتھ مسخری کرتے ہو۔ ان کے چکرانے کی یہ وجہ تھی کہ ان میں سے ایک شخص کو کسی نے قتل کردیا تھا۔ مقتول کا قاتل نہیں ملتا تھا۔ اس لئے خدا نے حکم دیا کہ گائے ذبح کرکے اس کا ایک ٹکڑا ایک مقتول کے مارو مقتول زندہ ہو جائیگا۔ اور خود ہی اپنے قاتل کا نام بتا دیگا۔ چنانچہ خدا کے ساتھ بہت سی ردوبدل کے بعد گائے کے رنگ عمر قد کا فیصلہ ہوا۔ اور گائے ذبح کیگئی مفسر صاحبان اس بات کو نور علی نور کرنیکے لئے لکھتے ہیں۔ کہ گائے کی دم لیکر مقتول کے ماری گئی۔ مقتول فوراً زندہ ہوگیا اور قاتلوں کا نام بتاکر پھر اُسی وقت مرگیا۔ دیکھئے گائے کے دم میں مُردے کو زندہ کردینے کی طاقت ہے" (بقرہ۔ ۶۶۔ ۷۲)

مسلمان نمبر ۶۱ اصل مسئلہ کی تحقیق تو پہلے ہو چکی ہے۔ کہ جو کام انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ اُن کا ہونا قانون قدرت کے خلاف نہیں بلکہ اُن کے لئے بھی کوئی قانون ہے۔ جسکو نبوّت سے ایک مجہول الکیف تعلق ہے۔ باقی مفسروں کی بات کا وہی جواب جو پہلے دے آئے ہیں کہ پہلے ان کا نام بتلاؤ۔ پھر اُن کی سند لاؤ۔ جنکی بنا پر انہوں نے یہ کہا۔ پھر اس کا جواب لو۔ بیشک حضرت موسیٰ کے معجزے سے قانون قدرت کے ماتحت مردہ زندہ ہوا۔ گائے کے ذبح سے آپ گھبرائے نہیں۔ اس لئے ذبح کرائی تھی۔ کہ بنی اسرائیل اسکی پرستش اور عبادت میں پھنسے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی نمبر ۶۳ میں یہ امر تسلیم کیا ہے۔ یہ حکم مذہبی اصلاح پر مبنی تھا جسے آپ نے بغور نہیں دیکھا۔

آریہ نمبر ۶۲ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے فرعون کے لوگوں پر ٹڈی مینڈک۔ چیچڑی وغیرہ کا عذاب نازل کیا اور فرعونیوں کے گھروں کو طوفان میں غرق کردیا۔ مفسر صاحبان لکھتے ہیں۔ کہ فرعون کے گھروں میں تو پانی بھر گیا۔ مگر اسرائیلیوں کے گھر باوجودیکہ نیچے تھے بالکل خشک رہے اور پھر خدا نے تمام دریائے نیل کا پانی خون کردیا۔ جب فرعونی لوگ پیتے تو خون ہو جاتا۔ اور جب اسرائیلی پیتے۔ تب ویسے کا ویسا ہی پانی رہتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ ایسے لغویات کی کیا ضرورت تھی؟ سچ ہے حبشیوں کے ہاتھ میں گورا آدمی جا پھنسا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ تو ہم سے بالکل مختلف ہے منہ پر سیاہی ملکر اپنے جیسا کرلیا۔ افسوس ہے مفسروں کی روشن دماغی پر اور تعجب ہے ایسے الہاموں پر کہ جنکو میں تسلیم کرنے سے معذور ہوں" (اعراف ۳۔ ۱۳)

مسلمان نمبر ۶۲ ایسا ہی افسوس ہے ایسی سمجھ پر۔ کہ قرآن شریف پر اعتراض کرتے ہوئے مفسرین کی اوٹ لے۔ قرآن شریف میں جتنا مضمون ہے اُس کا جواب تو اصول موضوعہ نمبر ۱ ہی سے ملجاتا ہے۔ مگر آگے پیچھے نہ دیکھنے والوں کو علم کہاں؟ (بھومکا صفحہ ۵۲)

آریہ نمبر ۶۳ قرآن کی تعلیم ہے کہ جب موسیٰ کوہ طور پر خدا سے باتیں کرنے میں مشغول تھے۔ تو بنی اسرائیل نے ایک بچھڑے کی پرستش شروع کردی۔ جو کہ سونے چاندی کے ڈھال کر بنایا گیا تھا اور وہ گائے کی طرح بولا کرتا تھا۔ تعجب ہے کہ دھات سے بنا ہوا بچھڑا گائے کی طرح بولے! اگر حاضرین کسی قدر تو خدا نے اور کسی قدر مفسر صاحبان نے اس بات کو حل کردیا ہے کہ جب بنی اسرائیل دریائے نیل کو عبور کر رہے تھے۔ تو حضرت جبرائیل گھوڑے پر سوار ہوکر اُن کے آگے آگے چلتے ایک شخص مسمی سامری نے جبرائیل کو دیکھ لیا اور اُن کے گھوڑے کے سُم

کے نیچے کی خاک سے ایک مٹھی بھرلی۔ جب اُس نے موسیٰ کی غیر حاضری میں سونے چاندی کو ڈھال کر بچھڑا بنالیا تو اس کے منہ میں وہ مٹی ڈالی وہ فوراً بولنے لگا۔ اور اُسکی آواز سُننے کیساتھ ہی بنی اسرائیل اُس کے سامنے سجدہ میں گر پڑے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ میں گائے کی پوجا روئے زمین پر تھی۔ مگر خدا کی کلام میں دھات کے بچھڑے کا زندہ ہونا اور بولنا محض گپ ہے جس کو میں مطلق تسلیم نہیں کرسکتا (طٰہٰ ۸۸-۸۹)

مسلمان نمبر ۶۳ کیا ہی تحقیق ہے! کہ بات کا بتنگڑ اور رائی کا ہمالیہ بنا کر دکھاتے ہیں کیوں نہو بڑے محقق ہیں۔ سُنیئے! قرآن شریف میں صرف اتنا مضمون ہے کہ سامری نے دل بہلانے کو ایک تماشا کیا۔ چاندی سونے کا زیور گلا کر ایک بچھڑا بنایا جو آواز دیتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے لَہٗ خُوَارٌ کس طرح سے آواز آتی تھی؟ جیسے آجکل مصنوعی چڑیوں کو دبانے سے آتی ہے اسی قسم کے سوراخ اس نے رکھے تھے؟ کہ اُن میں ہوا پھرنے سے آواز آتی تھی۔ اتنی ہی آواز کو سنکر گائے پرست سجدہ کرتے تھے۔ جن کی غلطی رد کرنے اور گوسالہ کے پجاریوں کو ہدایت پر لانے کے لئے خدا نے فرمایا۔

اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا وَّ لَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا (طٰہٰ ع ۴)

"یعنی اُن پجاریوں کو اتنی بھی سمجھ نہ تھی۔ کہ وہ۔ بچھڑا اُنکی کسی بات کا نہ تو جواب دیتا تھا نہ اُن کے نفع کا اختیار رکھتا تھا۔ نہ نقصان کا"

کہیئے اس پر کیا اعتراض ہے؟ ہاں یہ سوال کہ جبرائیل کے پاؤں کی مٹی لیکر یہ بھی قرآن شریف سے ثابت نہیں۔ قرآن شریف سے صرف اتنا ثابت ہے کہ سامری گوسالہ ساز نے کہا کہ میں نے رسول کے پاؤں سے مٹی لیکر اس میں ڈالی ہے" لیکن حقیقت میں یہ اُسکی ایک چالبازی تھی۔ دراصل بات کچھ نہ تھی۔ صرف اُس دل لگی اور دھوکہ بازی تھی۔ چنانچہ اُس نے خود بھی کہہ دیا كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ یعنی میرے دل کو یہی بھلا معلوم ہوا۔ کہ ذرا تماشا تو دیکھیں بتلایئے

قرآن شریف کا کمال ہے یا نہ۔ گوسالہ پرستوں کے قصے عبرت کیلئے نقل کر کے انجام کار توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ آپ مانیں تو آپکی خوش قسمتی کی دلیل ہے۔ آخر مانینگے[۱]

اس لئے دل کا نکالے ہے ہم جان گئے ۔۔۔ تا نہ سمجھے کوئی کیا حیلہ کہا مان گئے

آریہ نمبر ۶۴ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے ابراہیم کو کہا۔ کہ اپنا بیٹا میرے نام پر ذبح کریں وہ ذبح کرنے لگے۔ مگر چھری نے کاٹ نہ کی۔ اور خدا نے ایک دنبہ بدست جبرائیل بہشت سے بھیجدیا اور کہا کہ اے ابراہیم تو بڑا دلیر ہے لے اس مینڈھے کو اپنے بیٹے کے بدلے ذبح کر۔ مفسر کہتے ہیں کہ اسماعیل کی گردن تانبے کی بنگئی تھی اس لئے چھری نے کاٹ نہ کی اور دُنبہ بہشت سے لاگیا تھا" (صافات ۱۰۲-۱۰۸)

مسلمان نمبر ۶۴ سچ ہے ع خوئے بد را بہانہ ہا بسیار

جہاں پر قرآن مجید کی سیدھی سادھی حکیمانہ بے لاگ عبارت ہوتی ہے۔ وہاں پر آپ خود ساختہ مفسرین کی گود میں چلے جاتے ہیں۔ جنکا نام تک بھی نہیں لیتے۔ مفسرین کا ذکر کرنے سے آپکی غرض یہ ہوتی ہے کہ سماج کو معلوم کرائیں کہ میں نے قرآن شریف کو کہانتک سمجھا ہے۔ سنیئے اصل قصہ یوں ہے۔ اور الفاظ قرآنیہ یہ ہیں۔

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (صافات)

سنو! مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھکو ذبح کر رہا ہوں۔ پس تو بتلا! تیری کیا مرضی ہے۔ بیٹے نے کہا جو تجھے حکم ہے وہ کرلے۔ میں انشاء اللہ صبر کرونگا۔ پس جب دونوں آمادہ ہوئے اور باپ

[۱] یہ پیشگوئی بھی بحمداللہ پوری ہوئی۔ دیباچہ کتاب ملاحظہ ہو۔ (ثرک)

نے بیٹے کو مُنہ کے بل گرایا۔ تو ہم (خدا) نے ابراہیم سے کہا۔ کہ تو نے اپنا خواب سچّا کردیا۔ ہم اسی طرح نیکوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک ظاہر امتحان ہے۔ جو تو نے پاس کرلیا۔ اور ہم نے اُسے ایک بڑا ذبیحہ بدلے میں دیا۔ یعنی ہم نے کہا۔ کہ تم ایک دُنبہ ذبح کردو"

اس آیت میں حضرت ابراہیم کے ایک خواب کا قصّہ مذکور ہے۔ کہ اُنہوں نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے دیکھکر اس کام پر آمادگی ظاہر کی۔ تو خدا نے اُن کو اس کام سے روک دیا اور فرمایا قربانی کرنی ہو۔ تو ذبیحہ کرو۔ رہا یہ سوال کہ خدا نے اُن کو دُنبہ دیا۔ تو بہشت ہی سے دیا ہوگا اس کا جواب اصول موضوعہ نمبر اوّل سے ملیگا۔ کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب خدا ہی کے پاس سے ہے سُنو! قرآن شریف بتلاتا ہے:-

مَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

یعنی لوگو! جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب اللہ ہی کے پاس سے ہے۔ سچ ہے ؎

نہ چپ و راست سے گو ہوئے تیری نصرت و یاری | ترا عرش سے تا فرش اگر فیض ہو جاری
توکہے کیونکہ خدایا یہ خدائی تجھے ساری | تو خداوند یمینی تو خداوند یساری

تو خداوند زمینی تو خداوند سمائی

کہیے! اصل قرآنی بیان پر کیا اعتراض؟ اس سے زائد جو کہے۔ اُس سے پوچھیے قرآن کسی کا ذمّہ وار نہیں۔

آریہ نمبر ۶۵ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا کے پیغمبر ابراہیم کو آگ میں ڈالدیا گیا۔ آگ بالکل سرد ہوگئی۔ چاروں طرف پھول کھل پڑے اور پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ لیٹمر اور کرینمر جیسے خدا پرست آگ میں پھینکے گئے۔ اور وہ سرد نہ ہوئی کیا خدا بھول گیا تھا۔ اور ابراہیم کے ساتھ خدا کی خاص محبّت تھی۔ کہ وہاں آگ کے پھول بنادیئے اور یہاں سرد تک نہ کی یہ سب جاہلوں کو معتقد بنانے کی باتیں ہیں۔ اگر قرآنی خدا کوئی ایسی کرامات دکھا سکتا ہے۔ تو چاہیئے۔ کہ آج کل کسی اہل اسلام کو جو ملہم اور پیغمبر ہو کر

خدا کے ساتھ عیسیٰؑ یا موسیٰ کیطرح باتیں کرنیکا دم بھرتا ہو۔ ایک لمبی چوڑی بھٹی کو آگ سے بھر کر بیچ میں پھینکدیا جاوے۔ اگر آگ گلزار ہو جاوے تو سمجھیں قرآنی معجزے سب سچ ہیں۔ اکثر جاہل لوگ تو یہاں تک اس معجزے کے گرویدہ ہیں کہ وہ آیت قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ کو پیپل کے پتوں پر لکھکر بخار کے مریض کو دھو کر پلاتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ اس سے بخار اُتر جاتا ہے افسوس ہے جہالت پر اور حیف ہے ضلالت پر" (انبیاء ۳۹)

مسلمان نمبر ۶۵ بابو صاحب! جھوٹ بولنا ہر ایک بدکام سے بُرا ہے اس لئے کہ دنیا میں ایسے آدمی تو ملیں گے جو پاخانہ کھاتے ہوں پنجاب ہی میں چیت رام کے چیلوں کو پاخانہ کھاتے دیکھا گیا۔ مگر جھوٹ بولنا ایسا پہان باپ

ل: مرزا صاحب قادیانی طرف اشارہ ہے۔ مرزاجی کے دوستو! کیا کہتے ہو؟ (طبع اوّل)

سوال ہذا کا جواب قادیانی اُمّت کے حکیم نے یوں دیا" دیکھ لے بزدل نادان ترک اسلام ہم یقین سے دعویٰ کرتے ہیں اور تمہیں اور تمام جہان کو سناتے ہیں کہ ہمارا مہدی اور عیسیٰ بن مریم (مرزا) اسوقت موجود ہے۔ وحی الٰہی میں ہمارے امام مہدی موعود علیہ السلام (مرزا غلام احمد) کو ابراہیم کہا گیا ہے" (ملخصاً رسالہ نور الدین ص۱۲۵) ناظرین! حکیم صاحب کی اس ترش روئی پر حیران ہونگے مگر جب اصلی خفگی معلوم کرینگے تو حکیم صاحب کو معذور فرمادینگے وہ یہ کہ امرتسری **تُرک** ہی بہادر ہے جس نے **قادیان** کو قادیان میں جاکر فتح کیا تھا ایک ہی قلعہ شکن گولے سے قادیانی طلسم کو تہ وبالا کردیا تھا جسکی تفصیل رسالہ **الہامات مرزا** سے ملسکتی ہے۔ لیکن ہم حکیم الاُمّت قادیانیہ کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض کرتے ہیں کہ مولانا! یہی تو آپکا اور آپکے امام (مرزا) کا قدیمی دعوے ہے جو آجتک ثبوت طلب ہے بے دلیل دعویٰ کرنا خبطیوں کا کام ہے۔ نہ کہ آپ جیسے حکیموں اور فلاسفروں کا مگر اپنے علم کی باگ مرزاجی کے ہاتھ دیکر خالی ہو بیٹھے ہو تو خیر ؎ مے بردہر جا کہ خاطر خواہ اوست (منہ)

ل: **نوٹ**:- یہ حاشیہ مرزا صاحب اور حکیم صاحب کی زندگی میں لکھا گیا تھا۔ آہ آج ہم ان دونو کو نہیں دیکھتے جس سے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ سامنے آجاتا ہے ؎ زندگانی ا نیز جاودانی نیست

(بڑا گناہ) ہے کہ پاخانہ کھانے والے بھی اُسکو بُرا جانتے ہیں۔ قرآن شریف میں کہاں ہے ؟ کہ آگ میں پھول کھل پڑے تھے۔ اور پانی کے چشمے جاری ہو گئے تھے۔ مجھے تو آپ سے حسن ظن تھا۔ مگر آپکی روش سے معلوم ہوتاہے کہ پنڈت لیکھرام کی روح آپ پر سوار ہو رہی ہے سوامی دیانند جی نے سماج کی گھٹی میں جو ملاوٹ بھر دی۔ وہ تمام میں سرایت کر گئی سوامی مذکور کی بھی یہی عادت ہے کہ قرآن شریف کا نام لیکر کہیں کی کہیں کہہ دیتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو ہمارا رسالہ "حق پرکاش" بجواب ستیارتھ پرکاش دیکھو۔ اور اُن مقامات کی جن میں سوامی جی نے ایجاد بندہ سے کام لیاہے تصحیح کرکے مقررہ انعام لو۔ اور سوامی جی کی عزت بچاؤ جو سماج کا پہلا کام ہے لیکن یاد رکھو کہ آج تک باوجود سالہا سال گذرنے کے نہ تم سے ہو۔ اور نہ ہو سکیگا

ایسا ہی پنڈت لیکھرام کی دیانتداری دیکھئے کہ ہستی صانع عالم وید اور قرآن کا مقابلہ کرتے ہوئے کہاں کی کہاں ہکی بہکی کہنے لگ گئے (دیکھو تکذیب ص۹۴)

یہ ہے سماج اور سماج کے لیڈروں کا حال۔ پھر اگر آپ بھی ایسے ہی ہوں تو تعجب نہیں۔ مگر آپ تو کم زبان باپ کے پوت ہو۔ اور مسلمان کا نمک کھایا ہے۔ اُس کا اثر کیوں نہ ہوا۔

سنیئے! اصل مضمون قرآن شریف میں صرف اتناہے۔ کہ کافروں نے حضرت ابراہیمؑ سے سوال وجواب میں مغلوب ہوکر ایک تجویز نکالی کہ اس کو آگ میں جلادیا جائے۔ کیونکہ ہمارے معبودوں (بتوں) کو نندا کرتاہے۔ اس پر خدانے فرمایاہے۔ کہ ہم نے آگ سے کہدیا۔ کہ اے اگنی (آگ) تو ابراہیمؑ کے حق میں سلامتی والی سرد ہو جائیو! پس بتلایئے! سوال کیاہے۔

رہا یہ کہ خدانے کیسے کہا اور آگ نے کیسے سنا؟ اس کا جواب اصول موضوعہ نمبر۴ا میں ملے گا۔ اور آگ کا سرد ہونا اصول موضوعہ نمبر۲ میں دیکھو! معجزہ کی مزید تحقیق نمبر۵ میں دیکھو!

بابو صاحب! کہتے ہوئے شرم وحیا سے بھی تو مطلب چاہیئے۔ بھلا حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ بیان کرکے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو کیونکر اعتقاد بڑھ سکتا تھا۔ البتہ اگر اپنی نسبت یہ بیان کرتے تو خوردہ گیری کا موقع ہوتا۔ ہاں بے شک اب بھی خدا کے فضل سے مسلمانوں میں ایسے بہت سے بزرگ ہیں۔ جو قرآن شریف سے عملی فائدہ لیتے اور دیتے ہیں۔ آپ آزمالیں۔ اسی آیت سے جس پر آپنے ہنسی اُڑائی ہے آگ کو سرد کرنے والے اب بھی ہیں۔ پس

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست　　　تو آشنائے حقیقت نہ خطا اینجاست

آریہ نمبر ۶۶

قرآن کی تعلیم ہے کہ موسےٰ ایک خدارسیدہ شخص سے ملنے گیا۔ پتہ یہ کہ جہاں بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی جاوے۔ وہاں پر ہی وہ شخص ملے گا بہت جد وجہد کے بعد موسیٰ ایک جگہ پہنچے۔ جہاں مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی۔ اور اس خدارسیدہ شخص سے بات چیت کی۔ میں پوچھتاہوں کہ بھنی ہوئی مچھلی کیونکر زندہ ہوگئی؟ ہاں ناقابل یقین گپوں کا نام ہی معجزہ ہے تو میں اس تعلیم کو نہیں مان سکتا (کہف ۶۲ - ۶۵)

مسلمان نمبر ۶۶

واللہ! آجتک تو آپکی سختیوں کو برداشت کرتا آیا ہوں مگر اب تو آپ کا ظلم حد سے متجاوز ہوگیاہے۔ قرآن شریف میں بھنی ہوئی مچھلی کا ذکر نہیں۔ یہ آپکی زیادتی ہے۔ کہ روایات اور تفسیروں کا ذمہ وار قرآن کو ٹھیراتے ہیں۔

سُنیئے! قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا قَالَ اَرَاَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ

عَجَبًا قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا

ان آیتوں میں خدا تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے سفر کا قصہ بیان کیا ہے۔جس طرف آپ نے بھی اشارہ کیا ہے۔پس سنو! خدا فرماتا ہے کہ "حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ جبتک میں مجمع البحرین (دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ) پر نہ پہنچوں گا۔ چلتا رہونگا پھر جب وہ دونوں اس جگہ پر پہنچے تو مچھلی بھول گئے مچھلی دریا میں کود گئی۔ پھر جب وہ اس مقام سے آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ کھانا لا کھاویں۔ اُس نے اثنا گفتگو میں عرض کیا۔ کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھیرے تھے۔ تو وہاں پر مچھلی دریا میں کود پڑی تھی۔ اور شیطان نے مجھے اس کا ذکر کرنا بھلا دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا وہی جگہ ہے۔جس مقام کی ہمکو تلاش ہے۔ پس وہ دونوں تلاش کرتے ہوئے واپس پہنچے"

بتلایئے! اس میں "بھنی" کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ یاد رہے کہ "بھنی ہوئی" کے لئے عربی میں "مَشْوِیٌّ" کا لفظ ہے۔پس آپ بتلاویں کہ الفاظ قرآنی میں مَشْوِیٌّ ہے؟

ہاں اس مقام پر یہ سوال ہے کہ مچھلی کے کودنے سے حضرت موسیٰ نے اُس مقام کو کیونکر پہنچانا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کو خدا نے بتلا دیا تھا۔ کہ جہاں یہ مچھلی دریا میں کود جائیگی۔ وہاں ہی تیرا مطلوب ہوگا۔ اس لئے حضرت موصوف کو بتلایا گیا۔ کہ اس مچھلی کا خیال رکھنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خدا کی بتلائی ہوئی خبر سچی ہوئی اور آپکے کذب کا مینار گر پڑا۔

اصل میں آپ بھی معذور ہیں۔ قرآن شریف کو قرآن کی اصل زبان میں تو پڑھا نہیں۔ معمولی انگریزی یا اردو میں ترجمہ دیکھا۔ یا کسی غیر محقق سے سُن لیا کہ قرآن میں یوں لکھا ہے۔ تو آپ کی بلا سے "اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ" جھٹ اعتراض جما دیا۔ اسی شوق میں تو ۱۱۵ کے ۱۱۶ بناتے ہیں دیکھو نمبر ۲۷۔

چونکہ آپ قرآن شریف پر معترض ہیں۔ اور بار بار یہی لکھتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے۔ اس لئے آپکا حق نہیں کہ کسی روایت یا مفسر کے قول کو پیش کریں۔ بلکہ صاف قرآن کا مضمون بتلائیں۔ فافہم ولا تعجل۔

آریہ مسافر نمبر ۶۷-۸-۹۱-۹۹

قرآن کی تعلیم ہے کہ حضرت عیسےٰ کے کھلونے بناکر اُن میں رُوح ڈالدیتا تھا۔ اور اپنے ہمجولیوں کے سامنے ہی اُنکو اڑا دیا کرتا تھا۔ یہ اُس کا معجزہ تھا۔ اہل قرآن تو یہ تسلیم کرسکتے ہیں کہ چونکہ حضرت عیسیٰ ان کے نزدیک بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ جانوروں کو بھی بغیر ماں باپ کے پیدا کرسکتے تھے۔ مگر میں اتنی بڑی گپوں اور خلاف از قانون قدرت باتوں کو ہرگز ہرگز نہیں مان سکتا۔ پھر آگے دیکھئے! کہ

حضرت عیسیٰ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ افسوس ہے زندہ کرنیکا نسخہ شائد غلطی سے درج قرآن نہیں ہو سکا۔ ورنہ مُردوں پر آج کل بھی آزماکر دیکھ لیا جاتا یہودیوں نے نہ تو حضرت عیسیٰ کو مارا۔ اور نہ ہی پھانسی پر چڑھایا۔ بلکہ اُن لوگوں کو خاص شُبہ پڑگیا۔ اس شبہ کو مفسروں نے یوں حل کیا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ کو خدا نے آسمان پر بُلا لیا۔ اور اُس کی جگہ اس کے ایک دشمن کی شکل جو عیسےٰ کے مارنے کے درپے تھا۔ ہُو بہُو عیسےٰ کے مشابہ بنادی لوگوں نے اُسکو مار ڈالا اور حضرت عیسےٰ صاحب آسمانوں پر بھاگ گئے معلوم نہیں وہ آسمانوں پر کس طرح اُڑ گئے اور چالیس پچاس میل اوپر جاکر وہ سانس کس طرح لیتے رہے؟ یہ بائیبل کی نقل کی گئی ہے اور اسی کی تقلید میں انہوں نے اپنے پیغمبر کو بھی بُراق پر چڑھا کر ساتوں آسمانوں کو سیر کرادی ہے۔ اور آدم۔ عیسےٰ۔ موسےٰ۔ ابراہیم کی خدا سے باتیں کرادی ہیں (ساد ۱۵۷)

مسلمان نمبر ۴ تا ۹

ے اے کہ آگاہ نۂ عالم درویشاں را
تو چہ دانی کہ سودائے سرِ ایشاں را

بے شک سب کچھ ہوتا تھا۔ مگر خدا کے حکم سے ہوتا تھا۔ ایسے معجزات کی تحقیق نمبر ۵۰ میں گذر چکی ہے۔ ناظرین ورق اُلٹ کر ملاحظہ فرماویں۔

اصول موضوعہ نمبر ۲ میں ہم لکھ آئے ہیں۔ کہ خدا کے ہر ایک کام کے لئے قانون ہے مگر ظہور ہمیشہ ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ ہر ایک کام کیلئے ایک ایک وقت ہے ہاں ایسے عجوبہ کاموں کے لئے کسی روایت یا کسی تاریخی شہادت سے ثابت ہونا کافی ہے۔

آریہ نمبر ۷

قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے ایک شخص کو قیامت کا یقین دلانے کے لئے مار دیا۔ اور سو سال کے بعد زندہ کر کے پوچھا۔ بتاؤ تو کتنے سال مُردہ رہا۔ کہا ایک دن۔ یا ایک دن سے بھی کم۔ خدا نے کہا۔ کہ نہیں تو سو سال تک مُردہ رہا۔ دیکھ تیرے گدھے کی ہڈیاں بالکل بوسیدہ ہوگئی ہیں۔ ہم اُن کو تیرے سامنے ہی گوشت پوست لگا کر زندہ کرتے ہیں۔ گدھا بھی سو سال کا مُردہ زندہ ہوگیا۔ لُطف یہ کہ اس کا کھانا بھی سو سال میں بالکل نہ سڑا۔ اور ویسا کا ویسا ہی تر و تازہ رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے خواب دیکھا ہو۔ مگر اڑانے والوں نے خوب بے پر اُڑائی" (بقرہ۔ ۲۵۹)

مسلمان نمبر ۷

خواب کی گپ کا ذکر اپنی طرف نسبت کرنے اور اُس کے اصل قائل کا نام نہ لینے سے آپکی غرض سماج میں کوئی اعلےٰ رتبہ حاصل کرنے کی ہے۔ اصل قائل اس توجیہہ کے جو آپ نے اپنی طرف نسبت کی ہے۔ سر سید احمد خاں ہیں آپ نے انکے کلام سے اُڑا کر اپنے نام پر لگا لی ہے۔ اگر آپ کو یہی توجیہہ پسند ہے۔ تو یہی قبول کیجئے۔ اور اگر یہ پسند نہیں تو نمبر ۵۰۔ اور اصول موضوعہ نمبر ۲ کو ملاحظہ کیجئے۔ اور اگر خدا کے کاموں پر شبہ ہو

تو اصول موضوعہ نمبر ۱ پر پہونچئے۔ بہر حال یہ سوال کوئی نیا نہیں۔ ممکن ہے۔ کوئی مسلمان آپ کو اور طرز سے بھی جواب دے۔

آریہ نمبر ۸

قرآن کی تعلیم ہے کہ ابراہیم نے خدا سے پوچھا اے خدا تو کسطرح قیامت کو مُردے زندہ کریگا خدا نے کہا کیا تجھے اس میں کچھ شک ہے۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ شک تو نہیں مگر میرا دل کچھ مطمئن نہیں ہے۔ خدا نے کہا اچھا چار پرندے لیکر اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھدے۔ اور پھر ان کو بُلا۔ وہ تیری طرف دوڑتے آئینگے۔ روشن ضمیر اور عالی دماغ مفسّروں نے اسپر حاشیہ افزائی کر کے خوب نور علیٰ نور کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے ایک کوّا ایک کبوتر ایک فاختہ۔ ایک مینا۔ چار جانور لئے چاروں کے سر کاٹ کر تو اپنے پاس رکھ لئے۔ اور دھڑوں کو ہاون دستہ میں ملا کر کوٹ کر بالکل چُور چُور کر دیا اور اُس چورے کا تھوڑا تھوڑا حصّہ چار پہاڑوں پر رکھدیا۔ پھر بولنے لگا۔ اے کوّے آ۔ اے کبوتر چلا آ۔ اے فاختہ! اُڑ کر جا۔ اے مینا! چل۔ اور تم اپنے اپنے سروں کے ساتھ آ لگو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابراہیم کو تو اس معجزے سے تسکین ملگئی۔ مگر میرا قرآن پر سے ایمان ٹوٹ گیا۔ افسوس! میں ایسی لایعنی باتوں کو قبول نہیں کرتا" (بقرہ۔ ۲۶۰)

مسلمان نمبر ۸

"کیا پاپی اور عقل کا دشمن ہے۔ جو متکلم کے خلاف منشاء کلام کے معنی کرتا ہے" (دیبا چہ ستیارتھ پرکاش صث)

بابو صاحب! اصول موضوعہ نمبر ۳ کو یاد کر کے سُنیئے!

جس آیت پر آپکو شبہ ہوا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ

جسکی بابت لکھا ہے صُرْهُنَّ بِضَمِّ الصَّادِ مَعْنَاهُ أَمِلْهُنَّ وَوَجِّهْهُنَّ (معالم التنزیل) پس آیت کے معنے یہ ہیں کہ اُن جانوروں کو اپنے ساتھ ملا۔ یعنی خوگیر اور مانوس

کہ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی نے اس کا ترجمہ یہی کیا ہے۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو ایک نیچرل دلیل سے مطلب سمجھایا۔ جو حضرت ابراہیمؑ جیسے باریک بین نے فوراً سمجھ لیا۔ مگر آپ جیسے حروہ گیر کو اعتراض کو سوجھی مطلب آیت کا یہ ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو سمجھایا کہ چند جانوروں کو لیکر اپنے ساتھ ہلا۔ پھر وہ تیرے بلانے پر تیرے پاس آئینگے۔ پس جبکہ یہ جانور چند روزہ انس سے اس قابل ہوگئے کہ تیرے حکم سے روگردان نہ ہوتے۔ خدا کے ساتھ تو تمام مخلوق فطرتاً مانوس ہے۔ اُس کے حکم ہونے پر کیونکر نہ تعمیل کرینگے۔ اور کیونکر زندہ نہ ہونگے؟ سب ذرہ ذرہ اُس کے زیر حکم ہیں۔

آیت کے اخیری فقرہ سے انہی معنے کا اظہار ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

یعنی یہ یقین رکھ کہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اور بڑی حکمت والا"

بابو صاحب! انصاف سے کہنا قرآن کے لفظ پر آپ نے اعتراض کیا ہے۔ بوٹی بوٹی کرنا کسی سے سنا ہوگا۔ قرآن میں کوئی لفظ ان معنے کا ہو۔ تو ہمیں بتا دیجئے اور اگر اس لفظ سے شبہ ہو۔ جو آیت میں ہے۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

یعنی ان میں سے ایک ایک جزو کو ایک ایک پہاڑ پر رکھ۔ تو اس کے معنے ہیں (مجموعہ میں) سے جزء یعنی ایک ایک کو چنانچہ دوسری آیت میں خدا نے فرمایا ہے۔

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ

"یعنی جہنم کے ہر دروازے کیلئے کفار کا ایک ایک جزء ہوگا یعنی ایک ایک قسم کے کافر ایک ایک دروازے سے داخل ہونگے۔"

اصل یہ ہے کہ جزو وہ ہوتا ہے جس سے کل مرکب ہوتا ہے۔ پس جسطرح ایک مفرد چیز مثلاً انسان کے اجزاء اُس کے ہاتھ پاؤں ہیں۔ اسی طرح ایک مجموعہ مثلاً سکول کی ایک کلاس کے اجزا وہ لڑکے ہیں۔ جو اس میں داخل ہیں۔

یہ نہیں۔ کہ ان لڑکوں کے اجزاء ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ اُس کلاس (جماعت) کے اجزا ہیں۔ بلکہ ایک ایک لڑکا بذات خود جزو ہے۔ پس چار جانور جو حضرت ابراہیمؑ نے لئے تھے اس مجموعہ کے اجزاء ایک ایک سالم جانور تھا۔ نہ کہ اُس جانور کے اجزاء۔ افسوس! بی۔ اے ایسے موٹے اصول سے ناواقف ہوں تو پھر کس کا قصور ہے۔

اب ذرہ عربی زبان کے محاورے سے اس آیت کے الفاظ کو آپکے سامنے پیش کرتا ہوں۔

ایسے مواقع کیلئے دو طریق استعمال کے ہوتے ہیں۔

(۱) مِنْهُنَّ جُزْءًا (۲) مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

پہلے میں هُنَّ پر مِنْ آیا ہے۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ هُنَّ کے مرجع سے (جو مجموعہ طیور کا) جزو لیا جائے۔ دوسرے کا مطلب ہے کہ هُنَّ کے ہر واحد میں سے جزو لیا جائے تو علم عربیت سے چشم پوشی کرکے عام طور پر آیت موصوفہ کے الفاظ کو دوسری قسم میں ڈھالا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا قواعد عربیت کے برخلاف ہے۔

پس چونکہ آیت میں مِنْ جارہ کا مدخول هُنَّ جمع کا صیغہ ہے۔ لہذا اُس کا مطلب بھی یہی ہونا چاہیئے۔ کہ جمع میں سے ایک کا جزو لیا جائے جو ایک ایک جانور ہے۔

ے۔ اگر اب بھی نہ سمجھے۔ تو اُس بُت سے خدا سمجھے۔

آریہ نمبر ۷۲ قرآن کی تعلیم ہے کہ ہفتہ والے دن مچھلی پکڑنے والوں کو خدا نے سؤر اور بندر بنایا۔ پوچھنا چاہیئے کہ آدمیوں کے بندر و سؤر کسطرح بن گئے؟ کیا اُن کے دم نکل آئی تھی یا بے دم کے بندر اور سؤر بنے تھے؟ یہ سب فضول گپیں ہیں جن کو عقلمند آدمی کبھی بھی تسلیم نہیں کرتے" (اعراف۔ ۱۶۶)

مسلمان نمبر ۷۲ بے شک بندر سؤر بن گئے تھے مگر ایسی طرح نہیں کہ بندری کے رحم میں نطفہ ٹھیر کر بندر کے بچے بنے جن سے

آپ کو یا آپ کے کسی وکیل (آریہ مسافر) کو تناسخ کی سوجھی۔ بلکہ اسیطرح بیٹھے بٹھائے چلتے پھرتے۔ اور اگر خلاف قانون قدرت کا کھٹکا ہو۔ تو اصول موضوعہ نمبر۲ کو دیکھو۔ افسوس ہے کہ عقلمند کہلا کر ایسی باتوں پر اعتراض کریں۔ اگر آپ اس امر کا (کہ بدکار آدمی بندر سؤر کیونکر بن گئے تھے) مشاہدہ اور قطعی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو اسوقت بھی ہو سکتا ہے۔ ایک شخص صاحب ہمت نے آپ ہی کو دعوت دی ہے۔ جو بایں خیال کہ شاید آپکے ملاحظہ سے نہ گذری ہو ہم بھی نقل کرتے ہیں۔ جو رسالہ النذیر میرٹھ نمبرے جلد اوّل میں بعنوان ذیل چھپی تھی :۔

ایک کھلی چٹھی

مکرم و معظم جناب منشی نذیر حسین صاحب ایڈیٹر رسالہ النذیر دام عنایتکم السّلام علیکم! مزاج شریف! کل بندہ نے ایک کتاب آریہ سماج کی مسمی بہ ترکِ اسلام پڑھی ہے جس کو دیکھنے اور پڑھنے سے ہر عضو میں لرزہ پیدا ہوگیا۔ واقعی بموجب حدیث شریف وقت قریب آگیا ہے۔ آپ سے (برائے خدا) میری صرف اسقدر تمنا ہے۔ کہ آپ بذریعہ المنذیر کتاب ترکِ اسلام کے مصنف کو مطلع کردیں۔ کہ وہ ہمارے مذہب اسلام کا مقابلہ مجھ غریب۔ دکم عقل و بے علم سے اسطرح کرلے کہ کسی مقام پر حاکم ضلع کے سامنے بندہ اور وہ شخص چالیس روز تک بے آب و دانہ علیحدہ علیحدہ مکانوں میں مقفل کردیئے جائیں۔ اور کنجی حاکم ضلع کو (جو کہ ہم دونوں کے خلاف مذہب ہو) دیدی جائے۔ بعد چالیس روز کے ہم دونوں تمام مردمان خاص و عام کے روبرو باہر نکالے جاویں۔ اسوقت جس کا منہ مثل خنزیر کے ہوجاوے اس کا مذہب غلط ہے۔ اور جس کا منہ منور نکلے اس کا مذہب برحق مانا جاوے۔ اگر اس بات پر وہ آمادہ ہوں۔ تو مجھے اطلاع دیں۔ میں اقرار بالا پر جہاں وہ فرمائیں حاضر ہونگا۔ اور اگر وہ آمادہ نہ ہوئے

تو میں اُن کی جملہ بات لغو اور جھوٹ شمار کرونگا۔ اور حتی الوسع ہر جگہ مشتہر کرونگا۔" (۳۰۔ ستمبر ۱۹۰۳ء) کمترین عبدالکریم خاں ہیڈ ماسٹر مشن سکول اسپارس گنج بھڑائچ۔

آریہ نمبر ۴۳ قرآن کی تعلیم ہے کہ چند فٹ لمبی چوڑی کشتی میں نوح نے روئے زمین کے تمام چرند۔ پرند۔ درند وغیرہ کا ایک ایک جوڑا معہ انکی خوراک کے رکھ لیا۔ اور باقی تمام مخلوقات تباہ ہوگئی۔ یہ کتنی بڑی گپ بلکہ گپ کا بھائی گپوڑا ہے۔ ہاتھی۔ گینڈے۔ شیر۔ بھیڑیے سؤر۔ بندر۔ گائے۔ بھینس۔ اونٹ وغیرہ لاکھوں جسیم جانوروں کو ایک چھوٹی سی کشتی میں رکھ لینا کون تسلیم کرے" (مومنون ۲۷)

مسلمان نمبر ۴۳ نمبر۱۹ میں ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ بابو صاحب کا اعتراض قرآن شریف پر نہیں۔ بلکہ محض اپنے دل و دماغ پر ہے جس سے نکلتا ہے کہ طوفان نوحؑ تمام دنیا پر آیا تھا۔ ناظرین ورق اُلٹ کر نمبر۱۹ کو بغور دیکھیں۔ پھر اس نمبر کا جواب سنیں۔ بیشک حکم ہوا تھا کہ ہر ایک قسم سے دو دو جانور سوار کرے۔ مگر کل دنیا کے نہیں بلکہ جتنے جاندار حضرت نوحؑ کے اردگرد تھے۔ یا یوں کہئیے کہ جتنے جاندار اُن کو کھیتی باڑی اور دیگر ضروریات زندگی میں کارآمد تھے۔ تاکہ امور معاش بند نہ رہیں۔ چیونٹیوں اور بھڑوں سے اُنہیں کیا مطلب تھا۔ بتلائیے! اس پر کیا سوال؟ یہی کہ عقل بڑی یا بھینس۔

آریہ نمبر ۴۴ قرآن کی تعلیم ہے کہ اگر ایک عورت کسی مرد کا چہرہ تک بھی نہ دیکھے۔ تو بھی اُس کے ہاں لڑکا پیدا ہوسکتا ہے۔ اس بات کی شہادت حضرت عیسٰےؑ اور مریم کے قصے سے ملتی ہے۔ جو کہ قرآن میں اکثر جگہ موجود ہے۔ اہل قرآن حضرت عیسٰیؑ کو یوسف نجار کا بیٹا تسلیم نہیں کرتے۔ جیسا کہ وہ ہے۔ اُلٹا اسکو بغیر باپ کے

پیدا شدہ مانتے ہیں۔ اس بات سے قانون قدرت پر دھبا اور مریم پر الزام لگتا ہے۔ اور یہ بات بجائے ایک معجزہ کے ایک فحش بات ہو جاتی ہے میری عقل اور شائستگی اجازت نہیں دیتی کہ میں حضرت عیسےٰؑ کو اُن بچوں کے ساتھ ملاؤں جو آجکل نامعلوم باپ سے پیدا شدہ سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن کی ایسی تعلیم سے میرا دل کھٹا ہوا۔ (مریم - ۱۹)

مسلمان نمبر ۴ بابو صاحب! کیسے نازک مزاج ہیں۔ ماشاء اللہ سے

اس نازنیں کو دیکھنا جودت نہ چھیڑنا
گر روٹھ بھی گیا تو منایا نہ جائیگا

بیشک! قرآن شریف بلکہ انجیل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ یوسف نجار کے نطفے سے پیدا ہونا نہ تو قرآن شریف سے ثابت ہے نہ انجیل سے۔ صرف آپکے خیالات کا مضمون ہے اگر خلاف قانون قدرت کا خیال ہو تو اصول موضوعہ نمبر ۲ - دیکھو۔

بچہ کی پیدائش کے متعلق اطبا کی یہ تحقیق ہے کہ ماں کی منی منعقدہ اور باپ کی منی عاقدہ ہے۔ یعنی عورت کی منی مثل آٹے کے سمجھو۔ اور مرد کی مثل پانی کے آٹا پانی سے انعقاد پاتا ہے۔ پس عورت کی منی کو اگر قوت عاقدہ مناسب پہنچ جائے۔ تو انعقاد ممکن ہے۔ پھر کیوں ممکن نہیں۔ کہ صدیقہ مریم کے رحم میں کسی خاص اثر سے قوت عاقدہ پہنچکر موجب انعقاد ہوگئی ہو۔ اس تقریر کی توضیح آج کل ہم مشاہدہ سے پاتے ہیں۔ کہ مرغی کے انڈوں کو بغیر مرغی کے بھی اگر مناسب طریق سے اندازہ کے ساتھ سینک پہونچایا جاتا ہے۔ تو بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مرغی کے سینے کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ ٹھیک اسی طرح یا کسی خاص صورت سے صدیقہ مریم کو مرد کی منی سے انعقاد کی حاجت نہ رہی یا صرف اُسی کی منی میں دونوں قوتیں ہوں یا اُس کے رحم میں کوئی خاص تاثیر ہو جس سے اُس کی منی کو انعقاد ہو گیا ہو۔ تو کیا خرابی؟ اصول موضوعہ

نمبر ۲ کو دیکھو۔

عیسائی صاحبان غور کریں۔ قرآن اور پیغمبر قرآن نے حق فیصلہ کیا تو مورد اعتراض بنا۔ انصاف سے کہنا۔ خدا کو حاضر و ناظر جانکر کہنا۔ کہ اگر پیغمبر اسلام علیہ السلام بھی مسیحؑ کے دشمنوں کی ہاں میں ہاں ملاتے۔ تو آج قرآن شریف پر تو اعتراض کیا ہوتا۔ مسیح کے بدگوؤں کی تعداد دنیا میں آج کروڑہا کی زیادہ ہو جاتی۔ پس اس احسان کے مقابلہ پر اپنے برتاؤ کو دیکھو! کیا ہی سچ ہے ؂

کر مہائے تو مارا کرد گستاخ

آریہ نمبر ۵ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ جب لوط کی قوم نے حضرت لوط کی نصیحت سے روگردانی کی۔ تو خدا کو بڑا غصہ آیا۔ چنانچہ اسی جوش میں آکر ان تمام شہروں کو اٹھا کر اُلٹا کے پھینک دیا۔ اور پھر اوپر سے پتھروں کا مینہہ برسایا۔ روشن دماغ مفسر اس پر اور بھی رنگ چڑھاتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ خدا نے آپ تو شہروں کو نہیں اُلٹا تھا۔ بلکہ اُس نے جبرائیل کو حکم دیا۔ کہ وہ اپنے پر شہروں کے نیچے رکھکر مکانات وغیرہ کو پروں پر اٹھالے چنانچہ جبرائیل شہروں کے شہر پروں پر اٹھا کر اسمان کی طرف اُڑ گیا اور اتنا اونچا چلا گیا۔ کہ اہل آسمان نے بھی اُن شہروں کے گدھوں۔ کتّوں اور مرغوں کا شور و غل سن لیا۔ پھر جبرائیل نے اوپر سے الٹا کرکے ان کو نیچے پھینک دیا۔ اور وہ سب تباہ ہو گئے افسوس ہے جہالت پر (ہود - ۸۲)

مسلمان نمبر ۵ ؂

بلا سے کوئی ادا اُن کی بدنما ہو جائے
کسی طرح سے تو مٹ جائے ولولہ دل کا

افسوس! بابو صاحب ہمیشہ کھیرو جاتے ہیں۔ قرآن شریف پر جب کچھ نہیں بن آتی۔ تو علماء کے علماء میں سے بھی نا معلوم مفسرین کے اقوال کی اوٹ لیتے ہیں جنکے جوابدہ ہم کسیطرح نہیں ہو سکتے۔ ہم تو اُن مضامین کی صحت بتلا دینگے جو قرآن شریف میں ہیں۔ پس سنیئے! قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ (ہود ع ۷)

یعنی خدا فرماتا ہے۔ جب ہمارا حکم آیا۔ تو ہم نے لوطیوں کی اوپر کی جانب نیچے کو کر دی (یعنی اس بستی کے تمام مکانات کی چھتیں گر گئیں) اور ان پر پتھروں کی بارش کی جو سخت مٹی سے بنے ہوئے تھے جو تیرے پروردگار کے نزدیک اس سزا کیلئے مقرر تھے۔ اور ایسی سزا ظالموں سے کچھ دور نہیں"

مطلب آیت کا صاف ترجمے ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی سمجھے جس کی سمجھ میں نہ آئے۔ ان کی خاطر مزید توضیح کرتے ہیں۔ یعنی جب لوطیوں کی شرارت حد کو پہنچ گئی۔ اور وہ شرک اور کفر اور لونڈے بازی سے (جس میں وہ سخت مبتلا تھے) باز نہ آئے۔ تو خدا کے حکم سے ان کی تمام بستی گر گئی۔ غور سے دیکھیں آیت میں کیا لفظ ہے۔ یعنی

جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا

جسکی ترکیب یہ ہے کہ عَالِيَهَا مفعول اول ہے۔ اور سَافِلَهَا مفعول ثانی ہے جیسے کہا کرتے ہیں۔ جَعَلْتُ الطِّيْنَ كُوْزًا۔ میں نے مٹی کو کوزا بنا دیا۔ پس آیت کے لفظوں میں صاف ہے۔ کہ اس بستی کی اوپر کی جانب کو نیچے سے ملا دیا۔ یعنی انکی چھتیں گرائیں۔ چنانچہ دوسرے ایک مقام پر اس مضمون کو ان لفظوں میں ادا کیا گیا ہے۔ جو عام طور پر کفار کے حق میں ہے جن میں لوط کی قوم بھی شامل ہے۔

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ

یعنی خدا کا حکم ان کی نیوں تک آ پہونچا تو انکی چھتیں ان پر گر پڑیں۔ (جتنے لوگ چھتوں کے نیچے تھے وہ تو نیچے دب کر مر گئے اور جو باہر میدانوں میں تھے وہ پتھروں سے تباہ ہوئے۔ اسکے سوا جو کچھ آپ یا کوئی صاحب کہیگا وہ قائل کے دماغ کی ایجاد ہوگی۔ قرآن شریف کا مضمون بالکل صاف ہے۔ ہاں اگر یہ سوال ہو کہ پتھر کیونکر گرے؟ اور پتھروں سے کیوں مارا؟ اس کے جواب کے لئے

اصول موضوعہ نمبر ۱ و نمبر ۲ کو دیکھو۔ اور اگر اس سے تسلی نہو۔ تو سنو!

آجکل بھی زور کی ہوا میں پتھروں کی کنکریاں ہوتی ہیں۔ اُن سے کسی قدر بڑے پتھر ہونگے۔ جو انکی ہلاکت کو کافی ثابت ہوئے ہوں اور ملے اس لئے تھے کہ ایک ایسا جرم کرتے تھے۔ جسکی سزا آجکل بھی تعزیرات ہند میں سخت ترین ہے یعنی دس سال قید یا حبس دوام بدریائے شور ہے (دیکھو دفعہ ۳۷۷ تعزیرات ہند)

آریہ نمبر ۷ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے شعیب پیغمبر کی قوم کو چیخ مار کر ہی فنا کر دیا۔ اور اسیطرح صالح پیغمبر کی قوم کو تباہ کر دیا۔ کیا اب یہ چیخیں بند ہو گئی ہیں۔ یہ بچوں کے بہلانے کی کہانیاں ہیں کہ جن کو اگر پڑھے لکھے سچ مان لیں تو وہ بھی بچے ہی سمجھے جائینگے" (ہود ع ۹)

مسلمان نمبر ۷ کیا ہی بچوں کے سے اعتراض کرتے ہیں۔ کہ خدا نے چیخ مار کر فنا کر دیا بابو صاحب! تم تو کیا تمام ہندوستان کے آریہ ملکر یہ مضمون قرآن سے دکھانا چاہیں۔ تو نہ دکھا سکینگے۔ اعتبار نہو۔ تو مبلغ پانچسو روپیہ کا وعدہ لیجئے! اور دکھایئے۔ ورنہ جھوٹ بولتے ہوئے شرمایئے سنئے! اصل عربی الفاظ یہ ہیں:-

وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ

"یعنی ظالموں کو سخت آواز آئی۔ پس اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہگئے"

اسی آیت کا آپنے حوالہ دیا ہے۔ پس بتلایئے! کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ "خدا نے چیخ مار کر فنا کر دیا" بلکہ یہاں تو ایک نیچرل رُول کے مطابق ان کی ہلاکت کا ذکر ہے کہ بادل کی سخت گرج سے یا پہاڑ کے پھٹنے سے اُن کے دماغ پھٹ گئے۔ اور بس۔ اور اگر یہ لفظ بھی ہوتا۔ کہ خدا نے چیخ ماری تو بموجب اصول موضوعہ نمبر اول کیا اعتراض تھا؟

آریہ نمبر ۸ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے مٹھی بھر کنکریاں مار کر فوج مخالف اسلام کو بھگا دیا۔ حاضرین کیا بھلا

خدا بھی کنکریاں اور روڑے مارا کرتا ہے؟ روڑے ملنا ناداں بچوں کا کام ہوتا ہے نہ کہ عقلمندوں کا۔ اور پھر خدا کا۔ میں ان باتوں کو مان نہیں سکتا" (الافال ۱۷)

مسلمان نمبر ۷

اصول موضوعہ نمبر ۱ کو یاد کریں۔ تو یہ اعتراض سراسر دیوانے کی بڑ معلوم ہوتا ہے۔ ناظرین ورق اُلٹنے کی تکلیف گوارا کریں۔ دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں۔ وہ خدا ہی کرتا ہے۔ اعتبار نہ ہو تو اصول موضوعہ نمبر ۱ میں وید منتر ملاحظہ ہو۔ اور بچوں کی سی باتیں چھوڑ دو۔

آریہ نمبر ۸

قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے ہزاروں فرشتے اہل اسلام کی خاطر لڑانے کیلئے بھیجنے کا وعدہ کیا۔ افسوس ہے کہ وہ آسمانی مدد تا ہنوز مفقود الخبر ہے۔ بیچارے مسلمان روس آسٹریا سے نکالے گئے یورپ سے انکو شکست ہوتی۔ افریقہ میں خستہ ہوئے۔ ہندوستان میں سلطنت کھو بیٹھے۔ مگر آسمانی فرشتوں نے اُن کی کچھ مدد نہ کی۔ ممکن ہے کہ فرشتے اہل فرنگ کی توپوں کی آواز سے ڈر کر آسمان میں ہی چھپ رہے ہوں۔ یا راستہ بھول گئے ہوں۔ بھلا ایسی لغویات کیا قابل تسلیم ہیں؟ (الانفال ۹)

مسلمان نمبر ۸

"پیو پرپوت پتا پر گھوڑا بہتا نہیں پر تھوڑا تھوڑا"
یہی سوال دیانند جی نے ستیارتھ پرکاش چودھویں باب کے ملاشہ میں کیا ہے اسکا مختصر جواب تو یہ ہوسکتا ہے ؎

تو آشنائے حقیقت نہ خطا اینجاست

مگر ہم اسی پر قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ اصل حال عرض کرتے ہیں۔ بیشک ہم مانتے ہیں۔ کہ مسلمان آسٹریا سے تو کیا ہندوستان جیسے ملک سے بھی (جسکو انہوں نے بزور شمشیر فتح کرکے غلاموں کو دو دو روپیہ پر فروخت کیا تھا۔ جہاں پر انکی حکومت ہزار سال تک رہی تھی۔ جس ملک کو بوجہ آرام و آسائش کے ہندوستان جنت نشان کہا جاتا تھا) کچھ عجب نہیں۔ کہ آپ کی برکت سے باہر دھکیل دیئے جاویں۔ کیا معنی؟ ہم خود مانتے ہیں۔ کہ

دھکیلے جاویں گے۔ بلکہ سچ پوچھو تو ہم اُس زمانہ کے منتظر ہیں۔ خدا وہ دن لائے کہ سوتا شیران گیڈروں کی چھیڑ چھاڑ سے کسطرح جاگے۔ اور ہوش سنبھالے۔ کیوں؟ اس لئے مسلمان وہ مسلمان نہیں رہے۔ جن سے فرشتوں کے ذریعے مدد دینے کا وعدہ تھا۔ ملئے وہ مسلمان اللہ اللہ!

نظم

سب اسلام کے حکم بردار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے
سب اسلامیوں کے مددگار بندے
یتیموں کے بیوٶں کے غمخوار بندے

رہ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشے میں مے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے
سر احکام دیں پر جھکا دینے والے
کہانت کی بنیاد ڈہا دینے والے
خدا کیلئے گھر لُٹا دینے والے

ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا

یہ تھی موج پہلی اُس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونیکو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت
نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفے تھے اُمت کے ایسے نگہباں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں
ہو گلہ کا جیسے نگہبان چوپاں
نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

رہِ حق میں تھی دوڑ اور باگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُنکی
شریعت کے قبضے میں تھی باگ اُنکی

جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ	جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
سخاوت جہاں چاہیئے واں سخاوت نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت	کفایت جہاں چاہیئے واں کفایت جچی اور تُلی دشمنی اور محبت

سنے ملی [sic]	جھکا حق سے جو جھک گئے حق سے وہ بھی رکا حق سے جو رُک گئے حق سے وہ بھی

سنو! قرآن شریف خود اس حکم کو مقید کرتا ہے۔ غور سے پڑھو!

اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ

"یعنی تم ہی غالب رہوگے۔ بشرطیکہ تم ایمان میں مضبوط ہو"

ہاں یاد آیا۔ وید میں تو یہ لکھا تھا۔

"تمہارے ہتھیار میری عنایت سے مضبوط اور فتح نصیب ہوں۔ بدکردار دشمنوں کی شکست اور تمہاری فتح ہو۔ تمہاری فوج جرّار کارگذار اور نامی گرامی ہو تاکہ تمہاری عالمگیر حکومت رُوئے زمین پر قائم ہو" (رگوید اسٹک اوّل ادھیائے ۳ ورگ ۱۸ منتر ۲)

اب کیا بات ہے کہ روئے زمین کی بجائے دنیا کے چپّہ بھر ٹکڑے پر بھی ویدک حکومت نہیں پائی جاتی۔ کیا غازی[1] محمود غزنوی یا محمد غوری نے وضو کرکے اس پر دم کر دیا نہیں نہیں ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اسی رگوید میں لکھا ہے۔

جب تک لوگ دھرم پر چلتے رہتے ہیں۔ تب سلطنت بڑھتی ہے۔ اور جب بداعمال ہو جاتے ہیں تو راج نیست و نابود ہو جاتا ہے" (منڈل ۱ سوکت ۳۹ منتر ۲)

سنو! قرآن شریف بھی آیت مذکورہ میں یہی مطلب بتلاتا ہے۔ کہ اگر تم ایمان میں کامل ہوگے۔ تو ہمیشہ غالب رہوگے نہیں تو نہیں۔

ہاں اس سے مسلمانوں کی بداعمالی کا ثبوت بیشک ملتا ہے سو یہ ہمارا قصور ہے

[1] کس قدر مقام شکر ہے کہ مہاشہ دھرمپال آج خود غازی محمود کہلاتے ہیں (ترک)

کہ ہم اپنے اوس پڑوس کی صحبت سے متاثر ہو کر خدا کے حکموں سے غافل ہو بیٹھے جس کا نتیجہ اچھا نہ ہوا۔

هر چه بر ماست از ماست

مگر آپ ایسے نہ ہوجیئے! بلکہ اپنے باپ میاں جی سلطان محمد مرحوم کے سپوت بنیئے چشم ما روشن دل ما شاد۔

آریہ نمبر ۷۹ قرآن کی تعلیم ہے کہ ذوالقرنین نے مغرب میں جاکر دیکھا کہ سورج ایک دلدل میں غروب ہوتا ہے۔ کیا خوب! مگر ذوالقرنینی دلدل کا جہاز رانوں کو تاہنوز پتہ نہیں ملا۔ امریکہ ملگیا۔ آسٹریلیا بہت سے اور جزیرے بھی ملگئے ذوالقرنینی دلدل نہ ملی۔ کیا خشک ہوگئی ہے؟ یا آسمان پر چڑھ گئی ہے۔ حاضرین! ایک معمولی جغرافیہ داں بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ تو میں کیونکر کرسکتا ہوں" (کہف ۔ ۸۶)

(ہاں صاحب! آپ تو بڑے لالہ ہیں)

مسلمان نمبر ۷۹ واہ ری بے علمی اور بدصحبتی اور کورانہ تقلید! تیرا ستیاناس تو انسان کو کیا ذلیل کراتی ہے۔ اصول موضوعہ نمبر ۱ کو بھی جانے دیجئے۔ جس لفظ پر آپکو شبہ ہوا ہے وہ وَجَدَ ہے جو وِجۡدَان سے نکلا ہے جو افعال قلوب سے ہے چنانچہ عربی گرامر کی ایک چھوٹی سی کتاب نحو میر ہے۔ اس میں افعال قلوب کو شمار کیا ہے۔ اس کا ایک بیت یہ ہے ؎

خِلۡتُ بِاشد عَلِمۡتُ پس حَسِبۡتُ بازَعَمۡتُ — پس ظَنَنۡتُ بارَئیۡتُ پس وَجَدۡتُ (دریافتا)

افعال قلوب بھی نہ جانتے ہوں۔ تو یوں سمجھیئے! کہ اُن فعلوں (اور دھاتوں) میں سے ہے جو دل اور خیال سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس اب آیت کے الفاظ سنیئے!

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَةٍ (کہف)

"یعنی ذوالقرنین جب اپنے ملک کی مغربی سمت پر پہنچا۔ تو سمندر کے کنارے پر پہنچکر اُس نے گمان کیا۔ کہ سورج سمندر کے پانی میں ڈوبتا ہے۔ جو بالکل

ٹھیک ہے۔ چنانچہ یہ امر مشاہدہ میں آسکتا ہے۔ اعتبار نہ ہو تو سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر آزمالو۔ یا بمبئی اور کراچی والوں سے پوچھ لو بعد اس تحقیق کے ہمکو بتا ناکہ متکلم کے خلاف منشاء کلام کے معنے کرنے والے کون ہوتے ہیں (دیباچہ ستیارتھ ص۵)

آریہ نمبر ۸۰ قرآن کی تعلیم ہے کہ ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو آہنی دیوار اور سمندر کے بیچ میں قید کر دیا۔ اور عجیب الخلقت آدمی قیامت کو وہاں سے نکلینگے۔ افسوس کی بات ہے کہ یورپ والوں نے چپہ چپہ زمین تلاش کر ڈالی۔ اور روئے زمین کی آبادی معلوم کرلی۔ مگر یاجوج ماجوج اُن کو کہیں نہ ملے۔ بعضے لوگوں نے یہ کہدینا شروع کیا کہ دیوار چین سدِ سکندری ہے اور اہل منگولیا یاجوج ماجوج ہیں۔

(کہف آیت ۹۴)

مسلمان نمبر جس آیت پر آپ کو شبہ ہوا ہے۔ اور جس کا حوالہ دیا ہوا ہے وہ یہ ہے۔

قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا (سورہ کہف ۹۴-۹۸)

ان آیتوں میں خدا تعالےٰ نے حسب درخواست یہودیوں کے ذوالقرنین سکندر کا قصہ بیان فرمایا۔ ان آیات میں یاجوج ماجوج کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ کہ کون ہیں۔ کس قوم کے افراد ہیں۔ کس ملک کے باشندے ہیں؟ آیات مذکورہ بالا میں گو بالتشریح اُنکی کیفیت نہیں بتلائی۔ مگر ہاں ایک جامع لفظ فرمایا ہے۔ جس سے

سب مراحل طے ہو جاتے ہیں۔ وہ کیا ہے؟

مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ

یعنی فسادی اور امن میں خلل ڈالنے والے لوٹ گھسوٹ کرنے والے"

لغت کی کتابوں میں بھی اس لفظ یاجوج ماجوج کو اجّ اجیج سے بنایا ہے جس کے معنے کئے ہیں۔ تلہب النار یعنی آگ کا جوش اور شعلہ۔ (دیکھو صحاح جوہری۔ قاموس صراح وغیرہ)

پس اب سُنئیے! ذوالقرنین دورہ کرتا ہوا جب اپنے ملک کے کسی ایسے کنارہ پر پہونچا۔ جہاں دو پہاڑوں میں ایک درہ تھا۔ جیسا ہندوستان کی مغربی سرحد پر درہ خیبر اور درۂ بولان وغیرہ تھے جسکی چوڑائی بشکل چند قدم ہو گی۔ جیسی کہ درہ خیبر وغیرہ کی تھی۔ یاجوج ماجوج جن کی صفت اور کیفیت مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ تھی۔ اس درے سے گذرتے اور سرحد سکندری میں آکر فساد اور لوٹ مچاتے۔ مرہٹوں کی طرح چوتھ نہیں بلکہ سب کچھ لیجاتے۔ اُن سے تنگ آکر رعایا سلطانی نے ذوالقرنین کے پاس شکایت کی جس کا ان آیات میں ذکر ہے۔ اب ان آیات کا ترجمہ سنو!

جب ذوالقرنین اپنی سرحد پر پہنچا۔ لوگوں نے کہا اے بادشاہ یاجوج ماجوج مفسد ہیں یعنی ہمارے ملک میں فساد کرتے ہیں لوٹ مچاتے ہیں۔ اگر حضور ان کا درہ ہماری جانب آنیکا بند کردیں۔ تو ہم کچھ ٹیکس بھی ادا کر دینگے۔ ذوالقرنین نے کہا مجھے نقد ٹیکس کی حاجت نہیں۔ جو کچھ خدا نے مجھے دیا ہے۔ وہ تمہارے ٹیکس سے بہت اچھا ہے۔ تم اس کام میں قوت سے میری مدد کرو۔ میں تم میں اور ان میں روک کردونگا۔ تم میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ (پس وہ لائے) اس نے حکم دیا کہ اُن کو تہ بتہ رکھو۔ اور ہر تہ میں ایک تہ کوئلوں کی رکھو۔ یہانتک کہ لوہے کے ٹکڑے جب پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گئے۔ تو اندازہ لگا کر اس نے حکم دیا۔ کہ ان میں آگ پھونکدو۔ جب وہ بالکل آگ ہو گئے تو اس نے کہا کہ تانبا لاؤ (جو اسی غرض سے گلا کر رکھا تھا) کہ میں اُس پر انڈیل دوں۔ پس (لوہا اور تانبا ملکر ایسی مضبوط

دیوار بن گئی کہ) یاجوج ماجوج اس پر نہ چڑھ سکے۔ اور نہ اس میں سوراخ کر سکے یہ دیکھکر ذو القرنین نے کہا۔ کہ یہ میرے پروردگار کی رحمت ہے کہ ایک آسان تجویز سے ایسے مفسدوں کی روک تھام ہو گئی۔ جبتک خدا چاہیگا۔ یہ دیوار رہیگی اور جب اس کا حکم اس کے گرنے کے متعلق آپہونچیگا۔ (جیسا کہ دنیا کی ہر ایک چیز کیواسطے قاعدہ ہے) تو اس ٹکڑے ٹکڑے کردیگا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ یعنی حکم بالکل سچا ہے"

ان آیات سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہ کہ ذو القرنین کی سرحد پار مفسدوں کی ایک قوم تھی۔ جو پہاڑ کے درے سے آکر اسکی رعایا کو ستاتے تھے۔ رعایا کی فریاد پر سلطان نے اس درے کو بند کرادیا۔ اور بس۔ جس سے مفسدوں کا آنا جانا بند ہو گیا۔ جس کی مثال کیلئے خدا نے ہماری مغربی سرحد پر درہ خیبر پیدا کر رکھا ہے۔ اگر یہ درہ بند کردیا جائے۔ تو آفریدیوں کی آمدورفت بالکل بند ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ان پہاڑیوں کیساتھ سرکار انگریزی نے کئی دفعہ ایسا کیا اور کامیاب ہوئی۔ پس اس مختصر اور معمولی واقعہ کی کنج کاؤ کرنا کہ وہ دیوار کہاں ہے اور وہ قوم کہاں؟ ایک فضول حرکت ہے۔ پہاڑی سلسلوں میں دو نہیں بنایت تین گز چوڑا درہ کیا نسبت رکھتا ہے۔ جسکی بندش بھی ایسے طریق سے کیگئی ہو۔ جس کا ذکر آیت میں مذکور ہے۔ ایسا اس مفسد قوم کا پتہ تلاش کرنا تضیع اوقات اور دیوانہ پن نہیں تو کیا ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا میں کئی قومیں بنکر بگڑتی ہیں۔ مفسد سے مصلح ہوتی ہیں۔ دور کیوں جاتے ہو۔ اپنے ہندوستان ہی کو لیجئے ایک زمانہ تھا کہ یہاں مرہٹوں کی قوم اعلےٰ درجہ کی یاجوج ماجوج کی طرح مفسد تھی۔ اب آجکل کیا ہے؟ علی ہذا القیاس کوئی قوم اُس وقت بھی ذو القرنین کی سرحد پر ایسی مفسد ہوگی۔ جو مرہٹوں کیطرح لوٹ مار کرتی ہوگی جسکی روک تھام سلطان ذو القرنین نے کردی جس سے اُسکی رعایا کو امن نصیب ہوا بعد ازاں زمانہ کے انقلاب سے اس قوم میں

بھی تنزل آیا۔ یا تو ملیامیٹ ہوگئی یا رو باصلاح آگئی۔ ہاں بتعلیم قرآن ہم مانتے ہیں کہ قریب قیامت کے بھی یاجوج ماجوج نکلینگے جو اُسی قسم کے فساد اُٹھائیں گے جیسے ذو القرنین کے سرحدی مفسد فساد کیا کرتے تھے اور دنیا کے امن میں خلل انداز ہونگے پھر اس پر کیا اعتراض؟ اور جو حدیثوں میں آتا ہے کہ یاجوج ماجوج دیوار کو چاٹتے ہیں تھوڑا سا سوراخ اس میں ہوگیا ہے۔ وہ آنحضرت کے ایک خواب کا بیان ہے جس سے مراد اُن مفسدوں کا قربِ ظہور بتلانا ہے یعنی وہ زمانہ قریب ہے کہ ایسے مفسد دنیا میں پیدا ہونگے اور ضرور ہونگے۔

آریہ نمبر ۸۱ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے آسمان بغیر ستونوں کے ......[1] آراستہ پیدا کئے ہیں۔ اور جب کوئی شیطان چپ چاپ اوپر جاکر فرشتوں کی بات چیت سننے لگتا ہے تو اس کے ستارے توڑ کر مارے جاتے ہیں۔ اور شیطان اس آتش باری سے ڈر کر بھاگ آتا ہے بیشک شیطان اگر اپنی شیطانی سے باز نہ آوے۔ تو ایک دن آسمان ستاروں سے خالی ہو جائیگا اور پھر چاند اور سورج توڑ کر مارنے کی نوبت آجائیگی پھر کبھی روز ساتوں آسمان بھی شیطان کے سر مارے جاوینگے

(صافات ۷-۱۰)

مسلمان نمبر ۸۱ بابو صاحب جھوٹ بولکر فتح پانا شکست کھانے کے برابر ہے مگر آپ اپنی عادت میں مجبور ہیں کہ ایسے مکروہ کام سے کبھی باز نہیں آتے۔ بھلا کس آیت کا ترجمہ ہے کہ "ستارے توڑ کر مارے جاتے ہیں" اصل لفظ یہ ہیں:-

فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ

جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان جب روحانیات میں تجسس احوال کیلئے جاتے ہیں تو ستاروں کی تاثیر انکو وہاں پہنچنے سے مانع ہوتی ہے۔ نہ یہ کہ ستارے توڑ کر اُسے

[1] یہاں کا لفظ پڑھا نہیں گیا۔ ۱۲

مارے جاتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ تیز جلتی آگ کی طرف کوئی شخص زور سے جانا چاہے اور آگ کا سینک اور شعلہ اس کو رسائی سے مانع ہو۔ یا کوئی شخص بلندی پر پہنچتا پہنچتا سورج کو نظر بھر کر دیکھنا چاہے تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک اسی طرح شیطانوں کی ناکامی کی مثال ہے۔ کہ روحانیات میں مداخل ہوتے ہیں۔ تو تاروں کی تاثیر سے ناکام واپس آتے ہیں سنو! قرآن بتلاتا ہے۔

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَ جَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيٰطِينِ

یعنی خدا فرماتا ہے۔ ہم نے آسمان کو تاروں سے زینت بخشی ہے اور ان تاروں کو شیطانوں کے لئے دھتکار بنایا ہے۔

اگر توڑ توڑ کر گرائے جائیں تو زینت کیسے رہے؟ پس مطلب وہ ہے جو ہم نے بتلایا۔

آریہ نمبر ۸۲ قرآن کی تعلیم ہے کہ روزوں کے دنوں میں اس وقت تک کھانا جائز ہے جب تک کہ صبح کی سفیدی اتنی نمودار نہ ہو جائے۔ کہ سفید دھاگے کو سیاہ دھاگے سے تمیز کیا جا سکے۔ اس کے بعد تمام دن منہ بند رکھنا چاہیئے آدھی رات کو کھانا کتنا خلاف قانون قدرت ہے۔ چرند پرند درند۔ کیڑے کوڑے بھی اکثر رات کو آرام کرتے ہیں۔ مگر روزے دار کو پیٹ کی پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ عرب میں تو یہ قانون چل گیا۔ مگر خدا کو یہ نہ سوجھا کہ زمین کے شمالی اور جنوبی قطب کے رہنے والے کس طرح روزہ رکھا کریں گے کیا چھ ماہ تک ان کو بھوکا مرنا پڑیگا۔ کتنی ادھوری تعلیم ہے

(بقرہ۔ ۱۸۷)

مسلمان نمبر ۸۲ اگر آپ نے قرآن شریف پڑھا ہوتا۔ تو آپ کو یہ سوال کرنے کی نوبت نہ آتی۔

سنیئے! قرآن شریف کے متعدد مقامات پر یہ مضمون ملتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

یعنی خدا کسی جان کو اسکی طاقت سے بڑھکر حکم نہیں دیا کرتا“ پس یہ تو عام اصول (جنرل رول) ہے تمام حکم اسکے ماتحت ہیں۔ پس جس قوم یا جس شخص سے یہ حکم برداشت نہ ہو سکے اُس کے لئے یہ حکم ہی نہیں۔

اور اگر آپ اسی آیت پر بھی جس میں روزہ رکھنے کا حکم ہے۔ غور کرتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ جس جگہ چھ مہینوں کا ایک دن ہے وہاں کی بابت خدائے علام الغیوب نے اسی آیت میں ایک لفظ رکھا ہے۔ جو اُن کو اس حکم سے رہائی دلاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

یعنی جو کوئی رمضان کا مہینا پاوے۔ وہ روزہ رکھے۔ حالانکہ چھ مہینے کا دن ہونے کی وجہ سے وہاں (شمالی۔ جنوبی قطب میں) رمضان کا مہینا ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ

آں زمیں را آسمانے دیگر ست

پس پہلے آپ یا آپ کا کوئی آریہ دوست ہمیں بتلا دے۔ کہ وہاں مہینوں کا شمار کیونکر ہوتا ہے اور رمضان کا مہینا کس طرح ہے۔ تو ہم بھی آپکو آیت مرقومہ بالا سے روزہ کا حکم بتلا دینگے۔ کہ نہیں

ہاں رات کی تکلیف کی بابت بھی خوب سوال کیا۔ اوّل تو یہ ضرور نہیں کہ راتکو کھاتے رہیں۔ بلکہ صرف آسانی کیلئے چند لقمے کھا لیں نیز اس لئے کہ صبح سویرے اٹھ کر کچھ خدا کی یاد ہو۔ سنو! قرآن شریف بتلاتا ہے۔

وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ

یعنے خدا کے نیک بندے سحر کو (صبح سے پہلے) اللہ سے بخشش مانگا کرتے ہیں کیونکہ رات کو دن چڑھے تک سوتے رہنا۔ حیوانوں میں سے بدتر حیوان کتے کا کام ہے۔ خدا کے بندوں کو ایسی عادت سے الگ رہنا چاہیئے۔ یہی

تو لطف ہے کہ اپنے آرام کو جبتک نہ کھوئیگا۔ سدا آرام کیسے پاویگا۔

بابو صاحب! آئیے ہم آپ کو یہاں ہی تماشا دکھاتے ہیں۔ آپ کو قطب شمالی کی سیر کی تکلیف نہیں دیتے۔ آپکے گرو سوامی دیانندجی حسب تعلیم وید دیانندیوں کو حکم دیتے ہیں۔ کہ ہر ایک آدمی کو امیر ہو یا غریب۔ حتیٰ کہ طالب علم کو بھی ہُوم کا کرنا فرض ہے۔ ہوم پر کتنا خرچ آتا ہے؟ اس کا اندازہ یہ ہے کہ ہوم کے برتنوں وغیرہ کے علاوہ چندن۔ پلاس یا آم کی عمدہ عمدہ لکڑیاں جلانے کو اور سولہ آہوتی گھی جلانے آگ میں ڈالنے کو جس کا اندازہ بقول دیانندجی آٹھ تولہ ہوتا ہے۔ اتنا کرنا تو ضروری ہے۔ اس سے زیادہ کرے۔ تو افضل ہے۔ (ستیارتھ ص۲۴ و۴۵ باب اول فقرہ نمبر ۱۵)

آج کل گھی آٹھ چھٹانک بکتا ہے۔ آٹھ تولہ گھی کی قیمت قریبًا تین آنہ اور بالائی سامان ایندھن خوشبو وغیرہ کا اندازہ چار پیسے ہی سہی۔ بتلایئے! یہ چار آنہ کافی کس روزانہ خرچ کیا دس روپیہ کا پیادہ مزدور یا کوئی اور کار وبار کرنے والا جس کی یومیہ آمدنی ۴/ - ۸/ - ۱۲/ بلکہ روپیہ بھی ہو۔ اور اس کے گھر میں ایک بیوی اور ایک دو بچے ہوں۔ وہ فی کس ۴/ یومیہ کے حساب سے ۸/ - ۱۲/ - عہ روزانہ کے خرچ کا متحمل ہو سکتا ہے؟ اور اگر ہم گھر ستیوں کی رشتہ داریوں کے مختلف قسم کے دھندوں کو ملحوظ رکھیں تو بیس پچیس کیا پچاس سو روپیہ ماہوار والا بھی اپنے عیال کے لئے فی کس ۴/ کا ایسا وزنی ٹیکس قبول نہیں کر سکتا۔ اعتبار نہ ہو۔ تو آریوں کی صحیح تعداد بتا دیں پھر ان میں سے ہوم کرنے والوں کا حساب لگا دیں۔ تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہمارا بیان کہاں تک صحیح ہے۔ کیا ہی فلاسفی ہے اور کیا ہی نیک بات ہے کہ ایک آدمی معمولی غذا کیلئے تو یومیہ ۴/ پر گذارہ کر سکتا ہی مگر ہوم کیلئے یومیہ فی کس ۴/ چاہیئے۔ خیر "مارا چہ ازیں قصہ"

اچھا اسے بھی جانے دیجئے! آئیے ہم آپکو بتلاتے ہیں۔ کہ وید کے بانی

کی خواہش ہی نہیں۔ کہ کل دنیا اسپر عمل کرے سنئیے!

اگر تمام دنیا کے لوگ ایک مدت مدید تک وید کی ہدایتوں کے پابند ہو جاویں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ ہوگا کہ بوجہ نیک بختی اور صلاحیّت کے یہ تو اس قابل نہ ہونگے۔ کہ حیوانی قالبوں میں جائیں۔ البتہ حیوانات اپنی اپنی مُدت گذار کر حسب ہدایت وید انسانی قالبوں میں آجائینگے۔ پھر یہاں پر وہ بھی بوجہ صلاحیت اور پابندی ہدایات وید کے حیوانی قالبوں میں نہ جائیں گے۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ یہ نوبت پہنچیگی۔ کہ نہ سواری کو گھوڑا گدھا نہ شہد کو مکھی نہ دودھ کو گائے بھینس نہ ہل چلانے کو بیل ملینگے۔ کسان ہل چلائیں گے تو آپ ہی کھینچیں گے۔ دودھ کی حاجت ہوگی۔ تو اپنی عورت سے مانگیں گے۔ پس بتلایئے۔ ایسی مصیبت کا وقت جس کا تصوّر کرتے ہی رونگٹا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وید کی ہدایات اور احکامات کو تمام دنیا کے لئے قابل عمل ٹھیرا سکتا ہے؟ کیوں بابو صاحب؟ ؎

ہاتھ لا اُستاد کیوں کیسی کہی؟ (تفصیل ہماری الہامی کتاب[1] میں دیکھو)

آریہ نمبر ۸۳ — قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے آسمان کو ہاتھوں کے بل سے بنایا اور خدا کو ذرا بھی تکان نہ ہوئی میں پوچھتا ہوں۔ کہ ہاتھ کے ساتھ آسمان بنانے کی کیا ضرورت تھی کُنْ کا لفظ کہہ دینا کافی تھا۔ آسمان بن گیا ہوتا۔ یہ مانا جا سکتا ہے کہ رَبُّ القرآن چونکہ بہت طاقتور اور زور آور ہے۔ اس لئے ہاتھ کے ساتھ کام کر کے عام مزدوروں کی طرح کچھ تکان نہ ہوئی۔ مگر وہ "کُنْ" کا لفظ کیوں بھول گیا۔ شائد ہاتھ کی طاقت دکھانے کیلئے۔ افسوس نادان لوگوں نے کیا کو کیا بنا دیا ہے۔ (ذاریات ۴۷)

مسلمان نمبر ۸۳ — کیا ضدی اور متمرّد اور عقل کا دشمن ہے۔ جو متکلّم کے خلاف منشاء کلام کے معنے کرتا ہے (دیباچہ ستیارتھ ص)

[1] قیمت عہ علاوہ محصول۔

اصل قرآنی الفاظ یہ ہیں:-

وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ

اَیْدٌ جمع یَدٌ کی ہے جسکے معنے لغت عرب میں قوت اور قدرت کے بھی ہیں (دیکھو قاموس صراح وغیرہ) پس آیت کے معنی یہ ہوئے۔ کہ ہم (خدا) نے آسمانوں کو اپنی قوت اور قدرت سے یعنی بلا کسی کی مدد کے پیدا کیا ہے اور ہم بہت بڑی فراخی اور قوت والے ہیں"

کہیئے! کیا اعتراض ہے؟ لئے کیا بے سمجھ اور جاہل ہے جو آگے پیچھے کلام کو نہ دیکھے (بہومکا ص۵۲)

کُن کی تحقیق پہلے نمبروں میں ہو چکی ہے۔ علاوہ اس کے اصول موضوعہ نمبر۱۴ کو دیکھو

آریہ نمبر ۸۴ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے زمین پر پہاڑ اس لئے رکھے ہیں۔ کہ وہ آدمیوں کے بوجھ سے ہل نہ جائے۔ افسوس ہے پھر بھی زمین کی سردردی دُور نہ ہوئی۔ اور برابر گھوم رہی ہے۔ اور اکثر مارے سردرد کے کانپ اُٹھی ہے۔ کجا موجودہ روشنی اور کجا قرآن کی تعلیم۔ بھلا دونوں کا میل ہو سکتا ہے (انبیاء ۳۱)

مسلمان نمبر ۸۴ آپ نے جو حوالہ اس مقام کا دیا ہے وہ غلط ہے۔ اس مقام پر اس کا اشارہ بھی نہیں۔ ہاں ہم بغرض تحقیق اپنی عادت کے موافق خود ہی بتلائے دیتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ پہاڑوں کو خدا نے زمین پر مثل میخوں کے جڑ دیا ہے تاکہ وہ تمکو نہ لے گرے۔ غور سے سُنو!

اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

جس کا فارسی ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے یوں کیا ہے "افگند برزمین کوہ ہائے محکم برائے احتراز آنکہ نجنباند شمارا"

اگر عربی گرامر کے قاعدے سے سمجھنا چاہو۔ تو بات صاف ہے تمید فعل لازم ہے کُمْ کو "ب" جارہ کیا تھ مفعول بہٗ بنایا گیا ہے۔ پس آیت کے معنے یہ ہیں کہ پہاڑوں کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زمین (درصورت نہ ہونے پہاڑوں کے) بوجہ اپنے ہلکاپن کے تم کو اور تمہاری عمارتوں کو ہلاتی نہ رہے کہیئے! اسپر کیا اعتراض ہے؟ کونسی سائنس کی ٹانگ ٹوٹ گئی کو نسے گدھے کے سینگ نکل آئے۔

ہاں! یہ خوب کہی کہ اب بھی گھومتی ہے۔ بابو صاحب معاف رکھئیگا ع

تو آشنائے حقیقت نہ خطا اینجاست

آپکو ایسی کیا جلدی تھی کہ آپنے کسی معقول پسند مولوی سے قرآن شریف کا ترجمہ نہ پڑھ لیا۔ تاکہ اس بیخبری میں آپکو یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا" ہائے کیا پاپی ہے۔ جو متکلم کا مطلب نہ سمجھے (دیبا چہ ستیارتھ ص) ہائے کیسا ناپاک باطل ہے جو آگے پیچھے کلام کو نہ دیکھے (بھومکا ص۵۲) سنیئے؟ جس حرکت کا یہاں اس آیت میں انتظام بتلایا گیا ہے۔ وہ ڈانواں ڈول حرکت ہے۔ جیسی بیڑی کو دریا میں طوفان اور طغیانی کے وقت ہوتی ہے جو بندوں کے کاروبار میں خلل انداز ہو۔ نہ کہ باقاعدہ دولابی حرکت جو کسی طرح سے بندوں کو ہارج نہو پس اگر آپکے پاس کوئی علمی دلیل اس دعویٰ پر ہے کہ زمین گھومتی ہے تو لاؤ قرآن شریف للکار کر کہتا ہے۔

اِئْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

یعنی اے قرآن کے مخالفو! عقل کے مدعیو! الہام کے دعویدارو! قرآن کے خلاف کوئی سچی کتاب لاؤ۔ یا کوئی عقلی اور علمی دلیل پیش کرو۔ اگر تم کو کچھ علم ہے تو سامنے آؤ

جب آپ ہمکو کسی علمی دلیل اور عقلی برہان سے زمین کی حرکت منوا لینگے۔ تو ہم بھی آپکے سامنے فوراً ایک آیت قرآنی پیش کر کے دکھا دیجے۔ بلکہ آپ ہی سے کہلوا لینگے کہ قرآن نے یہ اصول اس وقت سے بتلایا ہوا ہے جب دنیا بھر میں عموماً اور عرب میں خصوصاً کوئی بھی حرکت کا قائل نہ تھا۔ جبوقت دنیا کے کُل دفاتر پر اہل یونان کے فلسفہ کا اثر تھا کہ زمین بلکہ آسمان حرکت کرتا ہے۔ اس وقت قرآن نے یہ بتلایا تھا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ

مگر جب تک آپ یا آریہ سماج کا کوئی ممبر بی۔ اے ہو یا ایم۔ اے کسی دلیل سے زمین کی حرکت ثابت نہ کرے ہم اس آیت کا ترجمہ کرکے مطلب نہ بتلاویں گے[1]۔

اگر روحانی باپ کی طرح زلزلوں کا شبہ ہو تو "حق پرکاش" بجواب ستیارتھ پرکاش دیکھو

آریہ نمبر ۸۵

قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا آسمان اور زمین کو تھام رہا ہے ایسا نہ ہو۔ کہ اپنی اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر ہٹ جائے۔ افسوس خدا کی قدرت کتنی کمزور ہے کہ زمین بناکر اس کو تھامنا پڑا شاید اسی لئے قرآن میں کہا ہے۔ کہ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ یعنی خدا کو نہ تو کبھی نیند آتی ہے۔ اور نہ ہی اونگھ۔ بھلا اتنے بکھیڑے ڈال کر خدا کو نیند کہاں نصیب۔ ذرا اونگھ پڑے تو زمین ہاتھ سے گر پڑے یا آسمان چھوٹ جاوے اور سب کچھ کیا کرایا خاک میں مل جاوے۔ بعضے مفسروں نے یوں لکھا ہے کہ جب یہودی وغیرہ لوگوں نے کہا کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے تو زمین اور آسمان اس کلمہ کفر کو سن کر پھٹنے ہی کو تھے۔ کہ خدا نے اسکو پکڑ لیا۔ اور پھٹنے سے باز رکھا۔ افسوس ہے ایسی روشنی پر (فاطرالم)

مسلمان نمبر ۸۵

کیا کہیں ؎ "چو احمق در جہاں باشد کسے بے زر نماند" ہم نے اصول موضوعہ نمبر۲ ہی میں ایسے سوالات کی جڑ کاٹ دی ہوئی ہے ناظرین! ورق اُلٹنے کی تکلیف گوارا کریں تو بابو صاحب کی داد دیں ہمارا دل نہیں چاہتا کہ اس موقعہ پر کچھ لکھیں۔ ہاں یہ خوب کہی کہ یہودیوں وغیرہ نے کہا تھا کہ عیسےٰ خدا کا بیٹا ہے۔ بہت خوب! ؎

[1] یہ بندش طبع اول کے وقت تھی جبکہ ہمارے مخاطب آریہ سماج میں دال بالکل کھاتے تھے اب تو سید الطعام نوش کرتے ہیں اس لئے ہم اس آیت کا ترجمہ کر دیتے ہیں تَرَى فعل مضارع ہے جو زمانہ حال کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے پس معنے یہ ہیں کہ تم پہاڑ کو دیکھ کر سمجھتے ہو کہ وہ ایک جا جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کیطرح چل رہے ہیں یعنی زمین معہ پہاڑوں کے حرکت کر رہی ہے ۱۲ آہ خدا جہان کیلئے علت موجدہ اور مبقیہ دونوں ہے ۱۲ منہ

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا۔

یہودی کہاں اور حضرت عیسےٰ کہاں اور خدا کا بیٹا کہاں۔ یہ بالکل اُس کی مانند ہے۔ جو کوئی یوں کہے کہ "دھرم پال آریہ کی دوکان سے گوشت لایا ہوں"

عیسائیو! سنتے ہو؟ آج بابو صاحب کی کوشش سے یہودیوں نے بھی مسیح کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ پس تم بابو صاحب کو اس شکریہ میں لنڈن ٹائپ کی انجیل مرقع جلد والی (روڈ تھینکس) تحفہ بھیجو۔ کیوں نہو۔ ایسے مصنف کے حامی ایسے ہی مفسر ہوتے ہیں ع اینچنیں رقاص را باید دھولے اینچنیں

بابو صاحب! آپ ہمیشہ ایسے ہی مفسروں کا نام لیا کرتے ہیں۔ سنیئے! ہم آپ کو بتلاتے ہیں۔ گو یہ تو آپکی معمولی گپ ہے۔ مگر ہاں اتنا بتلاتے ہیں۔ کہ مفسرین بھی مختلف طبائع کے ہوتے ہیں۔ ایک تو ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ہر ایک بات کو جانچ تول کر کہتے ہیں۔ ایک ایسے بھی ہیں۔ کہ جو کچھ سنا وہ کہدیا۔ جس کی مثال آپکے ویدک عالموں میں بھی ملتی ہے۔ آپ نے سنا ہوگا۔ وید کے عالموں میں بعض ایسے بزرگ بھی ہیں۔ جنہوں نے لکھا ہے۔ کہ وید میں حضرت محمد رسول اللہ کا نام بھی مرقوم ہے دیکھو ستیارتھ پرکاش ص۴۳۹ باب۱۴ اخیر علاوہ اسکے ہم مسلمانوں میں دستور ہے کہ ہم کسی مفسر کی بات بلا دلیل نہیں مانا کرتے۔ بس اس اصول کو یاد رکھو اور آئندہ کو مفسروں کا نام ہوش سے لیا کرو۔ اور معتبر اور غیر معتبر میں تمیز کیا کرو۔

آریہ نمبر ۸۶

قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے مختلف کام سرانجام دینے کے لئے فرشتے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ ان فرشتوں کے پر ہوتے ہیں۔ بعضوں کے دو دو اور بعضوں کے تین تین اور بعضوں کے چار چار اور بعض کے اس سے بھی زیادہ۔ مفسروں نے تو جبرائیل کے چھ سو پر بیان کئے ہیں۔ نادان لوگ تو یہاں تک بھی بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل کا پر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں پہنچتا ہے اور فرشتوں کے متعلق عجیب گھڑت بنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ۲ دو فرشتے

ہاروت ماروت بابل کے کنوئیں میں تاہنوز قید ہیں شاید بابل شہر کھنڈرات کھودتے کھودتے یہ فرشتے بھی مل جائیں۔ میں ان عجیب الخلقت پردار جانوروں کی ہستی کو تسلیم نہیں کر سکتا (فاطر۔ ۱)

مسلمان نمبر ۸۶ کیا ہی لیاقت پر تم اترایا کرتے ہو۔

ہاں صاحب! بیشک قرآن شریف میں فرشتوں کا ذکر ہے مگر اسپر اعتراض کرتے ہوئے آپ نے اتھروید پڑھا ہوتا تو نادم ہوتے سنو!

"تینتیس دیوتا اُس پرماتما کے تقسیم کئے ہوئے فرائض کو پورا کر رہے ہیں۔ یا اسکی قدرت کے جزوی مظہرات ہیں" (کانڈ ۱۰۔ پرپھاٹک ۲۳۔ انوواک ۴۔ منتر ۲۷)

روحانیت کا سلسلہ جو خدا نے پیدا کیا ہے۔ اس میں ایک نوع فرشتوں کی بھی ہے اور ایک قسم جنوں کی جنکی نفی کرنے سے روح کی نفی لازم آئیگی اور دہریت کی بنیاد مضبوط ہوگی۔ ہاں یہ آپ پر واضح رہے کہ ہاروت ماروت فرشتے نہ تھے اور نہ بابل کے کنوئیں میں قید ہیں۔ آپ نے قرآن شریف غور سے نہیں پڑھا۔ نادانوں کی باتوں اور صحبت نے آپ کو بھی نادان بنا دیا۔ تفسیر کبیر پڑھو یا تفسیر ثنائی جلد اوّل دیکھو جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاروت ماروت دو شخص مکار پیر پارسا تھے جو لوگوں کو تعویذ گنڈے دیا کرتے تھے۔ فرشتے چونکہ مجردات ہیں اس لئے انکے پروں سے مراد اُن کے قویٰ ہیں۔ یا جس وقت وہ کسی جسمانی شکل سے متشکل ہوتے ہیں اسوقت کے پر مراد ہیں والعلم عند اللہ

آریہ نمبر ۸۷ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا دوزخ کے دن[1] قیامت سے پوچھیگا۔ کیا تو اتنے آدمی اور پتھر کھا کر سیر ہوگی یا نہیں؟ پیٹو جہنم بولیگی۔ کیا کچھ اور بھی باقی ہے؟ یعنی اگر اور کچھ باقی ہے تو دیجئے۔ خدا اُس کے پیٹوپن کو دیکھ خاموش ہو جائیگا۔ اور کچھ جواب نہیں دیگا۔ بیشک خدا کا کچھ جواب نہ دینا تہذیب کے سراسر خلاف ہے مفسر لوگوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ خدا اپنے دونوں پاؤں دوزخ میں ڈال دیگا۔ اور جہنم کو سیر کریگا۔ افسوس صد افسوس ایسی تعلیم پر۔

[1] بابو صاحب! دوزخ کا دن کون ہے؟ وہ تو نہیں جس دن سماج میں داخل ہوئے تھے (مت)

(ق۔ ۳۰)

مسلمان نمبر ۸۷ یہ ایک نادانی اور تمرد ہے جو کلام کا مطلب اُلٹا بیان کرے (دیباچہ ستیارتھ مت)

بابو صاحب! سنئے! خدا خاموش رہیگا۔ بلکہ قاعدہ جواب دیگا۔ مفسروں کا نام جو آپ نے لکھا ہے یہ مضمون صحیح حدیثوں میں اس آیت کے متعلق یوں آیا ہے۔

حَتّٰی یَضَعَ رَبُّ الْعِزَّۃِ فِیْہَا قَدَمَہٗ

یعنی دوزخ مانگتی رہیگی اور خواہش کرتی رہے گی۔ جبتک خدا اپنا قدم اُس میں نہ رکھیگا۔ شاید آپ اور آریہ سماج کے کل ممبران خوش ہونگے۔ کہ خدا کا قدم تو ثابت ہوا۔ وہ بھی جہنم میں۔ میں چاہتا تھا کہ سماج کو یہ خوشی ذرہ دیر پلے۔ اور ایک دو روز جنہیں نچاتے پھریں۔ اور اچھلتے کودتے پھلانگتے چھلانگیں مارتے مارتے کسی پٹھان مولوی سے یہ سوال پیش کرکے ٹکہ حاصل کریں۔ مگر مجھے خیال آتا ہے کہ آپ جواب کے منتظر ہونگے اس لئے بتاتا ہوں۔ دیکھو قاموس جو عربی لغت (ڈکشنری) میں ایک معتبر اور مشہور کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔

یضع رب العزۃ فیہا قدمہ ای الذین قدمہم الی النار من الاشرار فہم قدم اللہ للنار

یعنی جو چیز طیار کرکے کسی مطلب کے واسطے بھیجی جاوے اس کو بھی قدم کہتے ہیں۔ جیسے ریل کے انجن کے لئے کوئلوں کے گٹھر یا لکڑیوں کے گڈے۔ تو بس مطلب یہ ہے۔ کہ دوزخ ہمیشہ زیادتی چاہے گی اور خواہش کرتی رہے گی جب تک خدا تعالیٰ تمام مشرکوں کا فروں اور بید بنوں ضدیوں اور سرکشوں متکبروں کو جو اُسکے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس میں نہ ڈالیگا جب ڈال دیگا۔ تو وہ کہیگی قط قط (بس بس) ایسا ہی لغت حدیث کی معتبر کتاب مجمع البحار اور امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں بھی ہے۔ ایک روایت میں قدم کی بجائے رجل کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنے بھی قاموس اور مجمع میں طائفہ کے کئے ہیں۔ یعنی

وہ جماعت جو دوزخ کے لائق ہوگی۔ جب دوزخ میں ڈالی جائیگی۔ تو دوزخ بس بس کریگی۔ کہیے! آگے پیچھے کو نہ دیکھنے والے کون ہوتے ہیں؟ (بھومکا ص۲۵)

آریہ نمبر ۸۸

قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا دوزخ کو آدمیوں جنوں اور پتھروں سے بھریگا۔ معلوم نہیں جن کون ہونگے اور کون ہیں بھوتنے اور چڑیلوں کا ذکر تو چھوٹے ہوتے سنا کرتے تھے مگر جنوں کا ذکر قرآن سورہ جن اور دیگر آیات سے ہی پڑھنے میں آیا ہے۔ بھلا پتھروں نے کیا گناہ کیا۔ کہ اُن کو دوزخ میں ڈالا جائیگا؟ یہ شائد اس لئے ہو کہ مورتی پوجکوں کو وہاں مورتی بنانے کے لئے پتھروں کی تلاش میں اِدہر اُدہر نہ جانا پڑے۔ بلکہ دوزخ میں سے ہی پتھر لے کر مورتی بناکر پوجنے لگ جائیں۔ اور یہ قرآن کا حل شدہ مسئلہ ہے کہ تمام مورتی پوجک دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ خدا ہر ایک چیز کا سامان اُس کے ساتھ رکھتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا۔ اگر موجودہ زمانے کی روشنی کیساتھ خدا قرآن کو رکھتا (بقرہ ۲۴)

مسلمان نمبر ۸۸

ہائے آگے پیچھے نہ دیکھنے والے کیسی بدباطن ہیں (بھومکا ص۵۲)

قرآن کی دوسری آیت میں تفسیر موجود ہے۔ غور سے سنو!

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

یعنی مشرکو! تم اور تمہارے پتھروں کے معبود جہنم کا ایندھن ہونگے۔ پتھروں کو صرف پتھروں کے پجاریوں کی ذلت اور حقارت کے لئے ڈالا جائیگا۔ پتھروں کا گناہ تو جب پوچھنے سے پہلے یہ بتلایئے کہ ان کو عذاب کی حس بھی ہوگی؟ بے حس چیز کو جہاں چاہو رکھدو۔ گناہ کیا پوچھنا۔ بھلا جن اینٹوں اور پتھروں پر آریہ لوگ پیشاب اور پاخانہ کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کیا گناہ کیا؟ کیا کبھی ہون یا سندھیا کو ترک کیا؟ کیسے دیوانے کی بڑ ہے۔ مورتی پوجک ہندوؤں سے آپ کو بہت صدمہ پہنچتا ہے۔ کہ خواہ مخواہ اُن کو حقارت آمیز الفاظ

سے یاد کرتے ہیں۔ کیوں نہ جہاں وہ مُن پاتے ہیں۔ کہ آریہ سماج کا جلسہ ہے وہاں پیٹ باندھ کر بھی پہنچتے ہیں۔ اور جاکر مورتی پوجا کا ثبوت جھٹ وید سے نکال کر دکھا دیتے ہیں۔ یہی وجہ تو اُنکی بُرائی کی ہے۔ جنوں کا ثبوت لینا ہو تو ہمارے پاس آؤ ہم ایسے لوگ تم کو دکھا دیں گے۔ جو ایک حرف بھی نہیں جانتے مگر جس وقت جن کا دخل اُن کے جسم میں ہوتا ہے۔ تو کوئی قرآن کوئی دوسری کتابوں کی عبارتیں فرفر پڑھتے جاتے ہیں۔ روحانیات کا سلسلہ خدا نے پیدا کیا ہے جس میں جن بھی ایک قسم ہے۔ اور فرشتے بھی ایک نوع جو دیکھنے میں نہیں آتے لیکن کسی چیز کے نہ دیکھے جانے سے اُن کا نہ ہونا ثابت ہو سکتا ہے؟ تو بس دہریوں کا قول درست ہے کہ روح بھی کوئی چیز نہیں۔ ورنہ دکھاؤ! بابو صاحب ہر چیز اپنے اثر اور نشان سے ثابت ہوا کرتی ہے۔ بلا دلیل جنوں کا انکار کرنا مجنونوں کا کام ہے۔

آریہ نمبر ۸۹

قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا کو خوب قرض دو۔ وہ دُگنا واپس کردیگا۔ افسوس ہے کہ خدا سود کو قرآن میں حرام ٹھیرائے۔ اور خود دُگنے سود پر قرض لیوے۔ بھلا خدا کو قرض کی کیا ضرورت کیا اس نے کبھی بیٹے بیٹی کا بیاہ رچانا تھا۔ مکان بنوانا تھا۔ کہ لوگوں سے قرض لینے کی ضرورت پڑی۔ بہتر ہوتا۔ اگر کہنے والا کہتا خدا کے نام پر مجھے قرض دو" جیساکہ آجکل اکثر بھیک منگے گلی بازاروں میں کہا کرتے ہیں "بابا خدا کے نام کا ٹکڑا دلا" گر یہ کوئی گستاخی نہیں کرتا۔ کہ" بابا خدا کو ٹکڑا دلا" افسوس ہے۔ ایسی گستاخانہ تعلیم اور یہی تعلیم پر حیف ہے آدمی پر کہ اس نے خدا کو کیا کا کیا بنا دیا کہ دوکانداروں اور شاہوکاروں کو بھی مات کردیا (حدید ۱۱-۱۸)

مسلمان نمبر ۸۹

باپ کے سپوت ہوں۔ تو ایسے ہی ہوں۔ دیانند جی نے بھی یہی راگ الاپا ہے۔ یاد رکھو!

آگے پیچھے کلام کو دیکھکر مطلب سمجھنا چاہیئے۔ (بھومکا ص۵۲)

سنو! قرض سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے یہ مت سمجھو۔ کہ ضائع جائیگا۔ بلکہ یہ سمجھو۔ کہ اس عوض ملیگا۔ کتنا ملیگا؟ دُگنا تگنا چوگنا۔ سات سوگنا تک بھی حسب اخلاص تمکو ملیگا۔ اس مطلب کو واضح کرنے کیلئے خدائے علام الغیوب نے جہاں قرض دینے کا حکم دیا ہے اسکے متصل ہی فرمایا ہے۔ کان لگا کر سنو۔ اور عینک لگا کر دیکھو!

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَ اللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (بقرہ - ۳۲)

(یعنی) کون ہے کہ اللہ کو نیک نیتی سے قرض دے (یعنی اس کی راہ میں خیرات کرے) پھر اللہ کئی گنا اس کو دیگا۔ اور یاد رکھو کہ خدا ہی رزق تنگ کر دیتا ہے اور وہی فراخ کرتا ہے۔ اور اُس کی طرف تم پھر کر جاؤ گے"

اس آیت نے مطلب صاف کر دیا۔ کہ قرض دینے کا حکم جو قرآن مجید میں آیا ہے وہ قرض نہیں۔ جو بھوکے یا تنگدست آدمی دولتمندوں سے مانگا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک مجاز اور بندوں کا دل بہلانے کا استعارہ ہے۔ ورنہ اگر بھوکوں کی طرح مانگتا۔ تو یہ نہ کہتا "اللہ ہی تنگ اور فراخ کر دیتا ہے" جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن کی یہ غرض ہے کہ خدا کی حکومت اور مالکی بتلاوے پھر بھوکا کیونکر ہوا؟ ہائے افسوس مضمون تو صاف ہے۔ مگر ناپاک باطن والے جاہلوں کو علم نہیں (بھومکا ص۵۴)

بابو صاحب! اصول موضوعہ نمبر ۵ و ۶ دیکھئے اور بتلایئے۔ کہ متکلم کے خلاف منشا کلام کے معنے کرنیوالے کون ہوتے ہیں؟ (ذرہ دیباچہ ستیارتھ دیکھ کر جواب دینا)

آریہ نمبر ۹ قرآن کی تعلیم ہے کہ اگر چاہتا تو سبکو ایک دین پر کر دیتا۔ مگر پوچھیئے۔ کہ اُس نے ایسا کیوں

کیوں نہیں کیا۔ اور ایسا کیوں نہیں کر دیتا۔ کیا مذہب کی خاطر لوگوں کا خون بہتا ہوا دیکھنا اس کو زیادہ خوش کرتا ہے۔ کیا وہ اہل روم کی طرح ہے جو اونچی جگہ پر بیٹھکر شیروں اور بھیڑیوں کو آدمیوں کے ساتھ لڑتے ہوئے اور لہو لہان ہوتے دیکھ کر اپنی خونخواری کو سیر کرتے تھے (مائدہ - ۴۸)

مسلمان نمبر ۹ افسوس ایسی سمجھ پر جو اصول موضوعہ نمبر ۴ کو بھی نہ سمجھے! آپکا حوالہ تو غلط ہے ہم بتلاتے ہیں عربی الفاظ سنیئے!

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا

اس جگہ پر جو شِئْنَا کا لفظ ہے اُس کا مصدر مشیت ہے اور مشیئت اللہ کی بابت ہم نمبر ۸-۹ میں بتلا آئے ہیں۔ کہ جہاں قرآن شریف میں آتا ہے اس سے مراد قانون الٰہی ہوتا ہے۔ یعنی وہ طریق اور دستور جو خدا نے اپنی مخلوق کے متعلق جاری کر رکھا ہے کہ یوں کام کرینگے۔ تو کامیاب ہو جائیں گے اور یوں کریں گے تو ناکام رہیں گے۔ مثلاً میدان جنگ میں باہتھیار جائیں گے تو فتح پائیں گے۔ خالی ہاتھ جائیں گے تو شکست کھائیں گے۔ بھوک کے وقت پیٹ میں غذا ڈالیں گے تو زندہ رہیں گے۔ نہیں تو مر جائیں گے۔ اس قانون کو قرآن شریف میں عام طور پر مشیت اللہ سے بیان کیا گیا ہے۔ جس سے شَآءَ یَشَآءُ ماضی اور مضارع نکلتے ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر خدا کا قانون یہ ہوتا کہ ہر ایک شخص ہر ایک کوشش میں (خواہ مطلوب کے موافق ہو یا ناموافق) کامیاب ہو جائے تو سب لوگ ہدایت پا جاتے۔ کیونکہ اُن میں بعض لوگ تو ہدایت کی خواہش کر کے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور جو ناکام رہتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ کجروی کرتے ہیں۔ جو طریق خدا نے ہدایت پر پہنچنے کا مقرر کیا ہے۔ اُسپر نہیں چلتے۔ پس ناکام رہتے ہیں۔ لیکن جب قانون قدرت یہی ہوتا۔ کہ ہر ایک آدمی کامیاب ہو جائے۔ خواہ کوشش اُسکی

صحیح ہو یا غلط تو اس صورت میں سب ہدایت پا جاتے۔ حالانکہ قانون قدرت ایسا نہیں۔ یہی معنی ان آیات کے ہیں جن میں ارشاد ہے کہ اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے اللہ ان کو اندھا کر رکھا ہے پس یہ ہدایت نہیں پاویںگے یعنی کجروہیں پس ناکام رہیں گے۔ اگر ان معنے کی اور واضح دلیل قرآن شریف سے چاہو تو سُنو!

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (بقرہ ع ۳۳ ۲۵)

"پہلی قوموں کا بیان ہے کہ وہ آپس میں لڑمرے اگر خدا چاہتا۔ تو دلائل پہنچنے کے بعد نہ لڑتے۔ لیکن وہ آپس میں مختلف ہوئے۔ کوئی تو ان میں سے ایمان پر رہا۔ کوئی کافر ہوا۔ پس اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آپس میں انکی خوب چلی۔ پھر بھی اگر اللہ چاہتا۔ تو نہ لڑتے لیکن اللہ جو ارادہ کرتا ہے۔ وہی کرتا ہے"

اِس آیت میں خدا تعالےٰ نے پہلے کلام شرطیہ فرمایا۔ پھر اسی سے استثناء کیا یعنی پہلے ان کی لڑائیوں کا تعلق اپنی مشیت سے فرمایا۔ پھر اس لڑائی کے اسباب پر اطلاع دیکر اس امر کی طرف اشارہ کیا۔ کہ اگر اللہ کی مشیت یعنی قانون **بین الخلق** یہ ہوتا۔ کہ باوجود اختلاف کے بھی لوگ نہ لڑیں تو البتہ وہ لوگ باوجود اختلاف کے بھی نہ لڑتے۔ مگر چونکہ یہ قانون نہ تھا بلکہ قانون یہ تھا۔ کہ اختلاف موجب قتل وقتال ہوتا ہے۔ پس چونکہ وہ آپس میں مختلف ہوئے۔ اس لئے انکی لڑائیاں بھی ہوئیں۔ نتیجہ صاف ہے کہ مشیئت اللہ قانون آلہی کا نام ہے انہی معنے سے قرآن شریف میں متعدد مقام پر "لَوْ" کا استعمال آتا ہے جس سے نادانوں کو اکثر شبہات ہوا کرتے ہیں مثلاً بُت پرستوں کی بابت فرمایا لَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْا اگر

تیرا پروردگار چاہتا تو بُت پرستی نہ کرتے یعنی جن اسباب (بدصحبت وغیرہ) سے بُت پرستی پر پہنچے ہیں۔ اگر قانون آلہی یہ ہوتا۔ کہ اُن سے بُت پرستی کا اثر نہ ہو۔ تو بھی ایسے کام نہ کرتے۔

ہاں اگر یہ شبہ ہو۔ کہ جب بُت پرستی بھی اُسی کے قانون اور مشیت پر چل کر اُن سے ہوئی تو پھر مواخذہ اور عذاب کیوں؟ تو اس کے جواب کے لئے ہم اصول موضوعہ نمبر ۲ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ کہ خدائی قانون سے اس کی رضا کا حاصل ہونا ضروری نہیں۔ ناظرین ورق اُلٹ کر ملاحظہ فرمادیں۔

مشرکین عرب نے مشیّت پر رضا کو لازم سمجھا تھا۔ اور کہا تھا کہ

لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَا اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ (سورہ انعام ع)

یعنی اگر خدا چاہتا۔ تو ہم شرک نہ کرتے جس سے مطلب انکا یہ تھا۔ کہ چونکہ اُس نے چاہا ہے اس لئے وہ راضی بھی ہے۔ تو ان کے جواب میں فرمایا۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اسی طرح پہلے بیوقوفوں نے جھٹلایا تھا۔ یعنی انہوں نے بھی مشیت آلہی سے اُسکی رضا اور خوشنودی سمجھی اور اصول موضوعہ نمبر ۲ پر غور نہ کیا۔ کہیئے! متکلم کا مطلب اُلٹا سمجھنے والے کون ہیں؟

آریہ نمبر ۹۱ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ پر لاتا ہے بھلا پھر آدمیوں کو کیوں دوزخ میں ڈالا جائے۔ جبکہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا کی مرضی ہی سے کیا۔ خدا خود ہی دوزخ میں جائے۔ نادان لوگ اس غلط کاری پر تدبیر اور تقدیر قسمت اور آزمائش کی لنگڑی تعلیم کا خول چڑھاتے ہیں۔ مگر فضول (مائدہ ۴۵)

مسلمان نمبر ۹۱ ایک جواب تو اس کا وہ ہے جو اوپر کے نمبر میں گذرا دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ خدا خود بتلاتا ہے۔ کہ میں کن کو گمراہ کرتا

ہوں۔ اور کن کو ہدایت کرتا ہوں۔ غور سے سنیئے!

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (بقرہ رکوع ۳)

یعنی بدکاروں بے ایمانوں کو گمراہ کرتا ہے جو خدا سے بندگی کے وعدے مضبوط کرکے بھی توڑ دیتے ہیں۔ اور جن تعلقات کے ملاپ کرنیکا قدرتی طور پر حکم ہے اُن کو قطع کرتے ہیں۔ اور ملک میں ناحق فساد کرتے ہیں ایسے ہی لوگ ٹوٹا پانے والے ہیں"

یہ وہی مضمون ہے جو وید میں پرمیشور نے مجمل بتلایا ہے۔

"میں بدکردار ظالموں کو کبھی اشیرباد نہیں دیتا" (رگوید اشٹک ادھیائے ۴ ورگ ۱۸ منتر ۱۲)

قرآن شریف کے محاورے میں ایسے لوگوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا۔ جنکو وید کی اصطلاح میں ایشور اشیرباد نہیں دیتا اور ہدایت کن کو کرتا ہے غور سے سُنو!

يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (شوریٰ ع ۲)

جو اُس کی طرف دل سے آتے ہیں۔ اُنکو ہدایت کرتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ جو لوگ قرآن شریف کو خوف خدا سے تعصب چھوڑکر پڑھتے ہیں انکو ہدایت ہوتی ہے۔ اور جو ایسا نہیں کرتے وہ گمراہ ہوتے ہیں سوامی جی کے دستخط چاہو۔ تو سنو! سوامی جی اپنی کتاب کی نسبت لکھتے ہیں۔

"ان چودہ سمّاسوں کو جو شخص تعصب چھوڑ کر انصاف کی نظر سے دیکھے گا اُسکے دل میں سچے معنوں میں روشنی سے راحت پیدا ہوگی۔ اور جو شخص ضد اور تعصب سے دیکھیگا۔ اس کتاب کا مطلب ٹھیک ٹھیک واضح ہونا بہت مشکل ہے"

(ستیارتھ پرکاش ص۳۶۶)

سنو! قرآن شریف بتلاتا ہے۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (ق)

یعنی قرآن شریف میں ہدایت اُن لوگوں کیلئے ہے جن کو عقل ہے یا دل سے متوجہ ہوکر نیک نیتی سے سنتے ہیں کیا سچ ہے ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

آریہ نمبر ۹۲

قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا شرک کے سوا باقی تمام گناہ معاف کردیتا ہے تعجب ہے کہ ایک مورتی پوجک کہ جس نے کبھی برا کام نہیں کیا اور ہمیشہ دیوتا کی مورتی سے ڈرتا رہا دوزخ میں ڈالا جائے ایک بدمعاش اپنے گناہوں کو معاف کراکر بہشت کے مزے لوٹے (ص۱۱۹)

مسلمان نمبر ۹۲

ع تو آشنائے حقیقت نہ خطا اینجاست

آپ کو کیا معلوم کہ شرک کیا بلا ہے اور کس درجہ کا گناہ عظیم ہے۔ آج سوامی دیانند جی ہوتے۔ تو اُن سے ہم پوچھتے۔ کہ مشرک کون ہوتا ہے وہ جھٹ سے شت پتھ براہمن کانڈ ۱۴ ادھیائے ۴ سے بتلاتے۔ کہ مشرک تو حیوان ہوتا ہے (بھومکا اردو ص۱۱۲) سنیئے! سوامی جی لکھتے ہیں۔

"پرمیشور کی ہی عبادت کرنی چاہیئے۔ اور جو یہ کہے کہ پرمیشور کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کرنی چاہیئے اسکو جواب دینا چاہیئے کہ تو دکھ میں پڑیگا" (حوالہ مذکور)

اللّٰہ اکبر! آریہ بن کر بت پرستی اور شرک کی یہ حمایت کہ قرآن شریف مشرکوں کو نجات سے محروم کرتا ہے تو لالہ دھرمپال جی بگڑ بیٹھیں کیوں نہ ہو حق سے عداوت کے یہی معنے ہیں۔

ہاں یہ خوب کہی۔ کہ شرابی زانی چھوٹ جاویں۔ بابو صاحب! قرآن شریف کو دیکھیئے کسی کو نہیں چھوڑتا۔ غور سے سنو!

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (القارعۃ)

"یعنی جو کوئی ذرہ بھر نیکی کریگا۔ وہ بھی پالیگا۔ اور جو کوئی ذرہ بھر برائی کریگا وہ بھی پالیگا"

مگر چونکہ قرآن شریف کے نزدیک بلکہ دنیا کی کل اہل توحید قوموں کے نزدیک

شرک سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں۔ اس لئے اس کی نجات کسی طرح نہ ہوگی۔ البتہ باقی گناہوں کی کسیقدر سزا پاکر بوجہ دوسرے نیک عملوں کے یا توحید کامل کے یا خدا کے حکم سے انبیاء علیہم السلام کی شفاعت پر نجات ممکن ہے۔

سماجیو! قرآن پاک کی عداوت میں مشرکوں اور حیوانوں کی کیوں حمایت کرتے ہو؟

آریہ نمبر ۹۳ قرآن کی تعلیم ہے کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان خدا ایک پردہ ڈالدیتا ہے تاکہ کافر قرآن کو نہ سن سکیں۔ اور نہ سمجھ سکیں۔ یہ اس لئے کہ خدا نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اُنکی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں بھلا اگر یہی بات تھی تو کافروں کو تلقین کرنے کیلئے نبی کیوں بھیجے؟ اور اگر کافر لوگ راہ راست نہ آویں تو اُن کا قصور ہی کیا؟ حاضرین! کافر اس کو کہتے ہیں۔ کہ جو لایعنی باتوں کو منجانب اللہ تسلیم نہ کرے۔ اور خلاف از عقل اور خلاف از قانون قدرت مسئلوں اور معجزوں پر تمسخر کرے میں تمسخر تو نہیں کرتا ہوں مگر اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے عقل اور تمیز کی دعا[1] کرتا ہوں (اسرائیل ۴۵)

مسلمان نمبر ۹۳ کافر وہ ہوتے ہیں۔ جو شخص بدمعاشی بدنیتی اور بے ایمانی سے بغیر سمجھنے مطلب کے اعتراض کریں (دیباچہ ستیارتھ ص ک)

بابو صاحب کو بار بار یہی سوجھتی ہے کہ خدا ایسا کیوں کرتا ہے مگر اصول موضوعہ نمبر ا ملاحظہ نہیں کرتے۔ ناظرین تکلیف گوارا کریں۔ کہ ورق اُلٹ کر اصول مذکورہ کو مطالعہ فرماویں۔ ہائے کیسا جاہل اور نابکار ہے جو کلام کو آگے پیچھے لٹا دے کر معنے نہ سمجھے (بھومکا ص۵۲) مفصل تحقیق پہلے ہو چکی ہے۔ کہ خدا کن کو گمراہ کرتا ہے۔

[1] آپکی دعا ایسی قبول ہوئی کہ خدا نے آپکو بھی تمیز عطا کردی دیکھو صفحات اول آپکی اس دعا گوئی کے ہم شکر گذار ہیں۔ (ترک)

آریہ نمبر ۹۴ قرآن کی تعلیم ہے کہ مشرک اور کافر ناپاک ہیں۔ ان سے دوستی مت رکھو۔ کافر سے جو کوئی دوستی لگائیگا۔ وہ بھی کافر ہو جائیگا۔ اور مستحق عذاب الٰہی ہوگا۔ کافر کی تعریف اوپر بتا چکا ہوں۔ افسوس ہے کہ ایسے عاقل اور ذی شعور لوگوں کو ناپاک سمجھا جاوے۔ اور جنگل کے اکثر خانہ بدوش وحشی اور بدتمیز لوگ جو عقل اور دانش سے اُلو کی طرح بے بہرہ ہوکر ہر ایک گپ کو منجانب اللہ تسلیم کرلیں۔ ان کو بہت پاکیزہ تصور کیا جائے قرآن کی اس تعلیم کے مطابق تمام عیسائی۔ آریہ بودھ مذہب سکھ وغیرہ لوگ جن میں سے اول تثلیث کو مانتے ہیں۔ اور سارے کے سارے ہی قرآن سے منکر ہیں۔ ناپاک ٹھیرتے ہیں اور دوزخی بنتے ہیں فقط چند کروڑ اہل قرآن ہی بہشت کے ٹھیکہ دار ہوئے۔ گو عیسائی یا آریہ وغیرہ ایسے بہشت کے بھوکے نہیں ہیں مگر قرآن کی یہ تعلیم کیا کبھی اصول صلح کل کو لاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں (توبہ ۲۸)

مسلمان نمبر ۹۴ بابو صاحب! سچ کہنا من گھڑت لگانا کس سے سیکھا ہے؟ ہمارا قیافہ اگر غلطی پر نہیں۔ تو بے دینوں خدا کے منکروں کی صحبت تم میں اثر کر گئی ہے۔ جس لفظ پر آپکو شبہ ہے۔ وہ یہ ہے۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ

"یعنی جو لوگ خدا کے ساتھ اُس کی مخلوق کو ساجھی بناتے ہیں اُن کے اندرونے ناپاک ہیں دل سیاہ ہیں" اس آیت کے معنے میں ہم نے دل اور اندرونے کی ناپاکی لکھی ہے ظاہری ناپاکی مراد نہیں لی۔ اس واسطے کہ خداوند عالم نے دوسری آیت میں فرمایا۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

یعنی بیشک اُن کی بداعمالیوں نے اُن کے دلوں پر زنگ کر دیا ہے" اس آیت

سے صاف ثابت ہے۔ کہ انسان کی نیکی وبدی کا اثر اس کے دل پر پہنچتا ہے ان معنے کی تائید آپکے گروجی نے بھی کی ہے ناظرین نمبر ۹۲ ملاحظہ فرماویں۔ مگر افسوس آپ قرآن اور سچی تعلیم سے ایسے متنفر ہیں۔ کہ ہر بات میں گویا انکار کرنیکا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

ہائے کیسا کپوت ہے جس کو باپ تو حیوان اور عذاب کا مستوجب بتلائے مگر بیٹا اسکو دانا سمجھے۔ بابو صاحب! آپ کو معلوم نہیں۔ کہ نیک بختی کسی سرسبز ملک یا پُر رونق شہروں کی آبادی پر موقوف اور منحصر نہیں۔ بلکہ وہ تو دل کی صفائی اور خدا سے تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے کیا آپنے اپنے روحانی باپ دیانندجی کا قول نہیں سُنا؟ کہ

"سادھو برہمن نیک اعمال سے ہوتے ہیں ماں باپ اور گرو سے نہیں" (ستیارتھ ص۲۷)

ہاں قرآن شریف کی صلح کلی دیکھیے۔ کہ صاف لفظوں میں فرما دیا۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗۤ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ (بقرہ ع)

"یعنی جو کوئی اپنے پروردگار کے حکم کے تابع ہو اور نیک کام کرے تو اس کا بدلہ اور ثواب اپنے پروردگار کے ہاں سے پاویگا" اسکے مقابلہ میں سوامی دیانندجی کا قول بھی سنیے؟

"وید کا منکر ناستک (دہریہ) ہے" (ذرہ ستیارتھ ص۲۷ و ۳۲ باب نقرہ ۸۱۔ باب ۱۰ نقرہ ۸۔ ملاحظہ ہو۔)

کہیے! تمام دُنیا کا کیا حال ہے؟ یورپ اور امریکہ اور افریقہ کے تو کان بھی وید سے آشنا نہیں۔ ماننا تو کہاں۔ ایشیا میں ہندوستان کے اندر ویدک مت کے دو گروہ جاری ہیں یعنی ہندو اور آریہ۔ سو ہندوؤں کو تو سوامی جی بوجہ بُت پرستی اور پرانوں کے ماننے کے مشرک اور حیوان کہتے ہیں۔ رہے آریہ سو ان میں بھی ٹکّے ٹکّے روٹی بوجہ ماس (گوشت) خوری نجات کے حقدار نہیں ہو سکتے گنتے گنتے مہاتماؤں کی نوبت آئی۔ یعنی آریہ سبزی خور بابُو جن کی گنتی ہاتھوں کی انگلیوں پر ہو سکتی ہے۔ مگر ان کے روزانہ مذہبی اعمال دیکھے جائیں۔ تو شاید تمام ہندوستان بلکہ تمام جہان میں بمشکل چند

آدمی ہی مستحق نجات ہو سکتے ہیں۔ پس بتلایئے یہ نجل کس صلح کلی پر مبنی ہے؟ کیا مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ بدھ۔ سکھ۔ جینی وغیرہ تو ہیں جو کل دنیا میں پھیلی ہوتی ہیں۔ نجات کا حق رکھتی ہیں؟ اس صلح کلی کے علاوہ اور سنیئے! مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ اقوام سے ایسی نفرت کہ ان کے ہاتھ کا کھانا بھی نہ کھایا جاوے (ستیارتھ ص۵۶۲) ایسی صلح کلی پالیسی؟ کیا کہنے؟ حضرت مسیح کا قول بالکل سچ ہے کہ ظالم کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر پڑ جاتا ہے۔ لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نہیں دیکھتا۔

آریہ نمبر ۹۵ قرآن کی تسلیم ہے کہ کافروں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو۔ کیونکہ قتل سے کفر بڑا ہے۔ افسوس ہے اس قسم کی تعلیم امن وچین کو کس قدر خون کرنے والی ہے اسی تعلیم نے تو محمود کو امین الملۃ بنایا۔

مسلمان نمبر ۹۵ بیشک بنایا۔ امین الملۃ۔ رشی۔ مہرشی۔ سوامی وغیرہ القاب بھی دلائے۔ ہائے کیسا بدباطن ہے جو آگے پیچھے کلام کو نہ دیکھے (دیکھو مکا ص۵۱)

ہم تو سمجھے تھے۔ کہ بابو صاحب اس مسئلہ کو بتقلید روحانی باوا کے سب سے پہلے لکھینگے کیونکہ دیانندجی نے نمبر۲ میں یہ سوال کیا تھا۔ نہیں معلوم بابو صاحب کو اتنی دیر چین کیونکر پڑی ہوگی۔ کہ نمبر ۹۵ تک اس کا ذکر نہیں کیا۔ خیر جو کچھ کیا اچھا کیا۔ پس پہلے وہی آیت سنیئے! جس کا بابو صاحب نے حوالہ دیا ہے یعنی سورہ احزاب کی ۶۱ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِہِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْہَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا (سورہ احزاب)

اس آیت میں باغیوں اور مفسدوں کا ذکر ہے۔ جو ملک میں خلاف امن ہیں۔

فساد ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُن کی بابت ارشاد ہے۔ کہ منافق (یعنی دو رُخے جو ایک طرف جائیں۔ تو اُن کے بن جائیں دوسری طرف جائیں تو اُن کی ہاں میں ہاں ملائیں) (اور بدنیّت فسادی اور شہر مدینہ (دارالسلطنت) میں جھوٹی خلاف امن افواہیں اڑانے والے اپنی ان شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم (خدا) تجھکو (اے رسول) کسی روز اُن پر اکسا دیں گے۔ یعنی اُن کی سرکوبی پر آمادہ کرینگے۔ پھر وہ تیرے پاس بہت ہی تھوڑی مدت ٹھیر سکیں گے۔ ہر طرف سے اُن کو پھٹکار ہوگی۔ جہاں رہیں گے پکڑے جاوینگے اور قتل ہونگے۔

اس آیت کا ترجمہ ہی بتلا رہا ہے کہ یہ سزا اُن باغیوں کی ہے جن کو شرارت [?] کو دلی میں لگی تھی۔ جو کیسی بھی رحیم کریم سلطنت ہو۔ بغیر اس سزا کے کبھی نہ چھوڑے یہ نہیں کہ کافروں کو خواہ مخواہ تنگ کرو۔ مارو۔ قتل کرو۔ آپ کو معلوم نہیں۔ کہ منافق تو بظاہر مسلمان تھے۔ مگر فساد کرتے تھے۔ جن کے فساد کی سزا اس آیت میں مذکور ہے۔ اگر قرآن شریف میں یہ حکم ہوتا کہ کافروں کو محض کفر کی وجہ سے مار دیا کرو۔ خواہ وہ امن سے بھی رہنا پسند کریں تو سچ کہنا کہ آج آپ کے جواب میں یہ رسالہ بازی نہ ہوتی۔ بلکہ یوں کہیئے۔ کہ آپ آریہ سماج میں نہ جاتے۔ بلکہ آریہ سماج کا وجود ہی نہ ہوتا۔ ہندوستان میں ہزار سال سے زائد مسلمانوں کی حکومت رہی۔ کسی بادشاہ نے بھی کسی ایک متنفس کو محض اُس کے کفر کی وجہ سے قتل کیا؟ آریوں کے خیال میں سب سے زیادہ متعصب غازی **اورنگ زیب** ہیں۔ اُن کی بابت بھی کوئی شخص ہمکو ثابت کر دے۔ کہ کسی کافر کو کفر کی وجہ سے قتل کیا ہے تو ہم سے مبلغ صد روپیہ انعام پاوے۔ ایسے پکے مسلمان بادشاہ کی نسبت مسٹر آرنلڈ سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور لکھتے ہیں۔ کہ اُن کے خزانے پر دو پارسی آتش پرست خزانچی تھے۔ مسلمانوں نے ان سے تکلیف اُٹھا کر ایک عرضی میں شکایت لکھی۔ کہ حضور نے کافروں کو خزانے پر مقرر کر رکھا ہے۔ حالانکہ خدا

نے کافروں سے دوستی لگانا اور محبت کرنا منع فرمایا ہے۔ **اورنگ زیب** نے اس عرضی پر جواب لکھا۔ کہ یہ حکم خداوندی دینی معاملات کے متعلق ہے جس کام پر میں نے اُن کو رکھا ہے یہ دنیاوی کام ہے اسکی ان کو خاص لیاقت ہے۔ اس لئے یہ اسی کام پر رہیں گے اور تمہاری شکایت نہ سُنی جاویگی (دعوۃ اسلام)

ہندوستان کی حکومت کو بھی جانے دیجئے۔ شائد آپ کہیں گے۔ کہ یہ بادشاہ دین کے پابند نہ تھے بلکہ ہندوؤں کی صحبت سے متاثر تھے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو دیکھئے۔ کہ اُنہوں نے بھی کفار کو رعیّت بنا کر اپنے برابر حقوق دیئے کبھی کسی نے ایسا کیا بھی؟

قرآن شریف میں صاف حکم ہے۔ کہ جن لوگوں کو تم سے صلح اور امن کا وعدہ ہے اُن سے لڑنا تو منع ہی تھا۔ بڑی بات یہ ہے کہ جو ان (تمہارے مصالحین) سے صلح رکھیں۔ اُن سے بھی مت لڑو۔ غور سے سنو!

إِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ إِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (سورہ نساء ع)

"یعنی جو لوگ تمہارے مصالحین سے صلح اور وعدہ امن رکھتے ہیں اُن سے بھی نہ لڑو"

اور سنیئے! ایک مقام پر ارشاد ہے۔ کہ مسلمانوں کی کوئی قوم اگر کافروں سے تنگ آکر تم سے امداد چاہیں تو ان کی مدد کرو۔ لیکن ایسی قوم کے مقابلہ پر مدد نہ کرنا جو تمہارے ساتھ صلح رکھتے ہوں۔ غور سے پڑھو۔ اور سنو!

اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ
بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (انفال ۷۲)

بلکہ اس سے بڑھ کر سنیئے! قرآن شریف میں کافروں اور غیر قوموں کو وہ حقوق دیئے ہیں۔ جو آج تک باوجود دعویٰ تہذیب اور ترقی کے کسی مہذب سلطنت نے بھی اپنی رعایا کو نہیں دیئے۔ غور سے سنیئے۔ خدا فرماتا ہے۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰى أَهْلِهٖ
وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰى أَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ

رَقَبَۃٍ مُّؤْمِنَۃٍ (پ۵ ع ۱۰)

یعنی اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو بھول کر قتل کرے تو اُس پر فرض ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو اس کا خونبہا (عوض) دیوے اور اگر کسی غیر قوم (کافروں) کے آدمی کو قتل کرے۔ جن سے تمہارا معاہدہ ہے تو بھی یہی حکم ہے"

بابو صاحب! کہیئے یہ انصاف اور مروّت اور مساوات اور سلوک کسی قوم نے غیر قوموں سے کئے ہیں۔ کہ فاتح مفتوح میں تمیز ہی نہیں۔ اللہ اللہ! کس زور آور دباؤ سے کافروں کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ مگر واہ ری ناشکری تیرا ستیاناس۔ کیا سچ ہے ؎

نکوئی با بداں کردن چنانست
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

اب ذرہ وید کی ہدایات بھی سنیئے! اور غور سے سنیئے! کہ کس زور شور سے اپنے معتقدوں کو حکم دیا جاتا ہے۔ کہ مخالفوں کو تہ تیغ کرو۔ یوں کرو۔ توں کرو۔

پس سُنیئے!

"اے دشمنوں کے مارنیوالے اصول جنگ میں ماہر بیخوف و ہراس پرجاہ و جلال عزیز دا جوانمردو! تم سب رعایا کے لوگوں کو خوش رکھو۔ پرمیشور کے حکم پر چلو اور بزور جام دشمن کو شکست دینے کیلئے لڑائی کا سرانجام کرو۔ تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے حواس کو مغلوب اور روئے زمین کو فتح[1] کیا تم روئیں تن اور فولادی بازو ہو۔ اپنے زور شجاعت سے دشمنوں کو تہ تیغ کرو تاکہ تمہارے زور بازو اور ایشور کے لطف و کرم سے ہماری ہمیشہ فتح ہو"

(اتھرو وید کانڈ ۳۔ انوواک ۱۰ ورگ ۹۷ منتر ۳)

اور سُنیئے!

"اے انسانو! تمہارے آتشگیر اسلحہ اور تیر و کمان تلوار وغیرہ ہتھیار میری عنایت سے مضبوط

[1] بابو صاحب! کب؟

اور فتح نصیب ہوں۔ بدکردار دشمنوں کی شکست اور تمہاری فتح ہو۔ تم مضبوط طاقتور اور کارنمایاں کرنے والے ہو۔ تم دشمنوں کی فوج کو ہزیمت دے کر انہیں رُوگرداں و پس پا کرو۔ تمہاری فوج جرار کار اور نامی گرامی ہو۔ تاکہ تمہاری عالمگیر حکومت روئے زمین پر قائم ہو اور تمہارا حریف ناہنجار شکست یاب ہو اور نیچا[1] دیکھے"

(رگوید اشٹک اول ادھیائے ۳ ورگ ۱۸ منتر ۲)

اور لیجیئے!

"میں اس محافظ کائنات پرمیشور کو جس کے آگے تمام زبردست بہادر سر اطاعت خم کرتے ہیں اور جو انصاف سے مخلوقات کی حفاظت کرنیوالا اندر ہے ہر جنگ میں فتح پانے کیلئے مدعو کرتا ہوں اور پناہ لیتا ہوں" (یجروید۔ ادھیائے ۲۰ منتر ۵۰)

اور سُنو!

"اے فرمانبردار لوگو! تمہارے اسلحہ آتشین مخالفوں کو مغلوب کرنے اور اُن کو روکنے کیلئے قابل تعریف اور باستحکام ہوں۔ اور تمہاری فوج مستوجب توصیف ہو تاکہ تم لوگ ہمیشہ فتحیاب ہوتے رہو" (رگوید منڈل اول سوکت ۳۹ منتر ۱)

بابو صاحب! ان منتروں میں جو دشمنوں کے مارنے اور قتل کرنے تہ تیغ کرنے کے احکام صادر ہوئے ہیں۔ ان دشمنوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ کچھ شک نہیں کہ مذہبی کتابوں میں جو اس قسم کے احکام ہوتے ہیں۔ وہ اُن کے ماننے والوں کو ہوتے ہیں اور جن کا نام اِن کتابوں میں دشمن یا مخالف رکھا جاتا ہے وہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان کتابوں سے منکر یا دوسرے لفظوں میں کافر ہوتے ہیں۔ پس وید بھی چونکہ مذہبی کتاب ہے تو وید کے مذکور بالا اور انہی جیسے اور کئی ایک منتروں میں صاف حکم ہے۔ کہ کافروں کو تہ تیغ کرو۔ اور اپنی (آریوں کی) حکومت تمام روئے زمین پر قائم کرو (افسوس! کبھی ہوئی بھی؟)

سماجی دوستو! سوچتے نہیں ہو۔ کہ سوامی دیانند جی نے تم کو کیسے ایک باریک

[1] جیسا محمود غزنوی مرحوم نے دیکھا (چیرز)

رازپر مطلع کیا ہے۔ مگر تم ابھی تک بدستور غافل ہو۔ ماس اور گھاس اور گروکل اور کالج کے دھندوں میں پڑ کر ناحق روپیہ اور وقت ضائع کرتے ہو۔ اسی تمہاری غفلت کو تمہارے گروجی نے پہلے سے جان کر تم کو ہدایت کی تھی۔ اور اسی لئے تم کو اس بیجا اختلاف سے روکنے کو فرمایا تھا۔

اب اوبار بدبخت آریوں کی سستی غفلت اور باہمی نفاق کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں راج کرنیکا تو ذکر ہی کیا ہے بلکہ خود آریہ ورت بھی اس وقت آریوں کا کامل آزاد خود مختار اور بیخوف راج نہیں۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۹۸)

آریہ سجنو! اس عبارت کا مطلب تم لوگ سمجھ گئے ہوگے۔ اب اسلامی حکم بھی سنو۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (بقرہ ۱۹۰)

یعنی جو تم سے لڑیں۔ اُن سے لڑو۔ اور زیادتی مت کرو۔ خدا زیادتی کرنیوالوں سے محبت نہیں کرتا۔

کیا یہ جہاد فساد ہے۔ یا رفع فساد؟ سوچکر جواب دینا۔

آریہ نمبر ۹۶ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ لوٹ کا مال خدا اور اُس کے رسول کا حق ہے اور خدا کو لوٹ کے مال کا پانچواں حصہ ملنا چاہیئے۔ بھلا جب خدا ہی لوٹ مار کرنے کے لئے وحی بھیجے۔ تو پھر محمود کا کیا قصور؟ مگر بھائیو میں اس تعلیم کو بہت خوفناک اور غارت گر تصور کرتا ہوں۔ خدا ہر ایک شخص کو اس سے بچائے۔ (انفال ۱-۲)

مسلمان نمبر ۹۶ جس لفظ پر آپ کو سوال ہے وہ انفال ہے۔ چنانچہ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ

انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل اس مال کو کہتے ہیں۔ جو مغلوب سے غالب کے ہاتھ آتا ہے۔ جنگ بدر کی فتح کے بعد (جو اسلام میں پہلی جنگ ہے جس میں مسلمانوں کو نمایاں فتح ہوئی تھی) مسلمانوں میں اُس مال کی بابت (جو بعد فتح ہاتھ آیا تھا)

تکرار ہوئی۔ تو سرور کائنات کے حضور تک بھی بات پہنچی۔ جس پر آیت مرقومہ بالا نازل ہوئی۔ مال غنیمت اللہ کے اختیار میں ہے اور اس کے رسول کے سپرد ہے جسطرح تم کو حکم دیں۔ ویسا کرو۔ چنانچہ اس آیت سے آگے چلکر وہ حکم بتلایا۔ کہ مال غنیمت کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ غور سے سنو!

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (انفال)

یعنی جو کچھ تم کو مال غنیمت ہاتھ آئے۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ کو دو۔ پھر اسکی تفسیر یہ کردی۔ کہ اللہ کو کس طرح دو۔ اس طرح دو۔ کہ اللہ کے رسول کو یا جو کوئی بادشاہ وقت ہو۔ اور قرابت داروں کو۔ یتیموں۔ مسکینوں اور غریب مسافروں کو دو۔ باقی چار حصے فوج میں تقسیم کرو۔

پورا مطلب اس آیت کا منوجی کے الفاظ میں سناتا ہوں۔ پس غور سے سنو!

"(راجہ) اس آئین کو کبھی نہ توڑے۔ کہ لڑائی میں جس جس ملازم یا افسر نے جو جو گاڑی گھوڑا ہاتھی۔ چھتر۔ دولت۔ رسد۔ گائے وغیرہ جانور۔ نیز عورات اور دیگر قسم کا مال و متاع اور گھی اور تیل وغیرہ کے کُپّے فتح کئے ہوں۔ وہی اُس کو لیوے۔ لیکن فوج کے آدمی فتح کی ہوئی چیزوں میں سے سولہواں حصہ راجہ کو دیویں" (مندرجہ ستیارتھ صفحہ ۱۹۶)

منوجی اور سوامی جی کی کونسل نے راجہ کو سولھواں حصہ دلایا ہے اور قرآن شریف نے پانچواں حصہ دیا۔ مگر اس پانچویں حصے میں پانچ کو شریک کرکے امیر المومنین (بادشاہ) کے لئے پچیسواں حصہ رکھا ہے۔ مگر بابو صاحب نے سمجھا کہ خدا خود اس مال میں سے حصہ لینے آتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھے۔ کہ عربی زبان میں واو عطف تفسیر کیلئے بھی ہوتا ہے۔ ہائے کیسا پاپی اور عقل کا دشمن ہے۔ جو متکلم کی حیثیت اور پوزیشن کا اندازہ نہ کرے (دیباچہ ستیارتھ صفحہ)

سماجیو! یاد رکھو قرآن شریف میں انفال (مال غنیمت) سے وہی مراد ہے جو منوجی کے قول میں مراد ہے۔ نہ کہ ڈاکہ زنوں کی غارت گری جو تم اور

تمہارا نونہال دہرمیپال اپنی خوش فہمی سے سمجھے ہو۔

آریہ نمبر ۹۷ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ دین اسلام خدا کی طرف سے ہے میں اس طرح تو اسلام اور قرآن کو منجانب اللہ تسلیم کرتا ہوں۔ جس طرح تمام برائیاں قرآنی خدا کی طرف سے ہیں۔ وہی اُن کا خالق ہے۔ تمام گمراہی قرآنی خدا کی طرف سے ہے۔ وہی گمراہ کنندہ ہے۔ تمام چیزوں کا حتیٰ کہ شیطان کا بھی وہی خالق ہے۔ گویا شیطان بھی منجانب اللہ ہے۔ ان معنوں میں دین اسلام بھی بیشک خدا کی طرف سے ہے۔ لیکن مذکورہ بالا تعلیم کو دیکھ کر میں سچا مذہب نہیں کہہ سکتا۔ اگر میں ایسا کہوں تو صداقت انصاف حق پسندی کے گلے پر چھری پھیروں گا۔

(آل عمران ع ۱۹)

مسلمان نمبر ۹۷ بدم گفتی و خرسندم جزاک اللہ نکو گفتی
کلام تلخ مے زیبد لب بابو نجس خارا

اس نمبر میں تو آپ نے بہت سی سٹھنیاں (طعنے) دی ہیں۔ بابو صاحب ایسے کیوں بد کتے ہیں۔ سب باتوں کے جواب پہلے ہو چکے ہیں۔ اصول موضوعہ نمبر ا کو دیکھئے۔ ہاں ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ کہ اسلام ہاں خدا کا سچا دین اسلام کس طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

سنیئے! اسلام میں سچی اور کامل توحید ہے۔ صفات خداوندی کا ثبوت جیسا چاہیئے ملتا ہے۔ معاملات میں کمال صفائی ہے۔ بت پرستی۔ اگنی اور عناصر پرستی وغیرہ سے خالی ہے۔ ہاں بڑی بات قرآن کی صداقت کی یہ ہے کہ نیوگ جیسا حکم اس میں نہیں ہے مفصل بحث ہمارا مباحثہ موسومہ "الہامی کتاب" دیکھو۔

آریہ نمبر ۹۸ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔

جاؤ۔ اُن کے پاس جس وقت اور جس طرف سے چاہو۔ کھیتی کسانوں اور زمینداروں کی ملکیت ہوتی ہے۔ عورتوں کو ملکیت کہا گیا ہے۔ اور محض جذبۂ مخصوص کی سیری کا سامان تصوّر کیا گیا ہے۔ آدمیوں کے برابر اُن کو کوئی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ (بقرہ ۲۱۶)

مسلمان نمبر ۹۸ کیا کہتے ہیں۔ قربان ایسی سمجھ پر۔ جس آیت پر بابو صاحب کو بتقلید سوامی دیانند شبہ ہے وہ یہ ہے۔

نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ (بقرہ)

جس کا مطلب آپکے روحانی باپ دیانند جی کے الفاظ میں بتلاتا ہوا پس غور سے سنیئے!

"عورت اور مرد کو دھیان رکھنا چاہیئے۔ کہ دیرج اور رج (مرد اور عورت کی منی) کو بے بہا سمجھیں جو کوئی اس بیش قیمت چیز کو بیگانی عورت۔ رنڈی۔ یا بُرے مردوں کی صحبت میں کھوتے ہیں وہ بڑے بے عقل ہوتے ہیں۔ کیونکہ **کسان** یا مالی جاہل ہو کر بھی اپنے **کھیت** یا باغیچہ کے سوا اور کہیں بیج نہیں بوتے جبکہ معمولی بیج اور جاہل کا ایسا دستور ہے۔ تو جو شخص سب سے اعلیٰ انسانی جسم کے درخت کے بیج کو برے کھیت میں بوتا ہے۔ وہ بھاری بیوقوف کہلاتا ہے۔ کیونکہ اسکا پھل اسکو نہیں ملتا" (ستیارتھ صفحہ ۵۶)

بابو صاحب! انصاف سے کہنا اگر کوئی سوامی دیانند جی کے اس حکم پر عمل کرکے اپنی منکوحہ عورت کے پاس جائے تو اُس نے کس کے کھیت میں بیج ڈالا یہی بتلا!۔ کہ کھیت میں بیج ڈالا۔ یا پاخانہ میں ضائع کیا۔ ہائے افسوس کیا عقل کا دشمن ہے۔ جو شیشہ کا گھر بنا کر دوسروں پر پتھر برساتا ہے۔

ناظرین! یہی آیت کے معنے ہیں۔ کہ اپنی عورتوں کو اپنی اولاد کے لئے کھیت سمجھو۔ چونکہ قرآن شریف ہر ایک مجلس (مردوں اور عورتوں کا فردوں اور مومنوں) کے اجتماع) میں پڑھا جاتا تھا۔ اس لئے نہایت ہی شستہ عبارت میں اعلیٰ

درجہ کی بلاغت سے مضمون ادا کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ عورت کو سامنے سے ملا کرو .... کیونکہ سامنا اس کا بیج کا محل ہے پچھلا نہیں۔ نیز اس طرف اشارہ ہے کہ ایّام حیض میں جماع نہ کیا کرو۔ کیونکہ رحم بوجہ جوش خون کے نطفہ قبول نہیں کرتا۔

سماجیو! یہی تمہارے چوتھے اصول کی پابندی ہے۔ کہ حق کے قبول کرنے کو طیار رہا کرو۔ جو مضمون تمہارے گرو ویدوں سے اخذ کر کے تم کو تعلیم کر چکے ہیں اسی مضمون پر جب قرآن شریف میں تم کو نظر پڑ جاوے۔ تو بڑے بڑے دانت نکال کر اعتراض کرنے لگ جاتے ہو۔

ہاں یاد آیا۔ کہ ناراضگی کی اصل وجہ ایک مخفی راز ہے۔ جو بقول شخصے "گونگے کی فارسی گونگے کی ماں سمجھے" ہم ہی اس راز کو جانیں۔ اور کون جانے وہ ہم بتلاتے ہیں۔

سماجیو! اگر وہ غلط ہو۔ تو ہمیں اطلاع دینا۔ ہم اپنی رائے کو واپس لینگے۔ اور تمہاری طرح ہرگز ضد نہ کریں گے۔ سنو! اصل ناراضگی یہ ہے۔ کہ سوامی جی مہاراج نے عورت کو ایسی کھیتی بنایا تھا۔ کہ مرد کے نطفے میں ضعف ہو۔ یا پیداوار کے قابل نہ ہو۔ یا مسافری میں مدت دراز رہا ہو۔ تو اُسکی کھیتی (عورت منکوحہ) کو دوسرا شخص آباد کر کے ہری بھری کر سکتا ہے۔ یعنی اُسکی عورت دوسرے سے نطفہ لے کر اپنے خاوند کیلئے بچّہ پیدا کر سکتی ہے۔ (ستیارتھ)

سماجیو! انصاف سے کہنا اپنے چوتھے اصول کو یاد کر کے کہنا یہی وہ نیچرل تعلیم ہے۔ جس کا تم لوگ دعویٰ کیا کرتے ہو؟ کیا بتلا سکتے ہو کہ دوسرے کے نطفے سے پیدا شدہ بچہ عورت کے اصلی خاوند کا کیونکر کہلا سکتا ہے بتلاتے ہوئے یہ بھی سوچ لینا۔ کہ اگر برہمن کھتری کی لڑکی سے شادی کر لے۔ تو جو اولاد پیدا ہو گی۔ وہ براہمن کہلائیگی۔ یا کھتری۔؟ ضرور برہمن ہو گی اس سے معلوم ہوا۔ کہ باپ کا نطفہ جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے اصل ہے وہی

تمام کام کا مدار ہے۔ پھر یہ کیا انصاف اور نیچر ہے کہ نطفہ تو کسی کا ہو اور بیٹا کسی کا کہلائے۔ اور باتوں میں تو تم جواب دے ہی دیا کرتے ہو اور بہت سے حوالجات سے ہندوؤں کے بزرگوں کو نیوگ کی اولاد ثابت کیا کرتے ہو۔ کبھی بائیبل کا کوئی درس پڑھ دیا کرتے ہو۔ مگر ہمارا سوال تو تم سے بحیثیت ایک نیچری پارٹی ہونے کے ہے کونسا نیچرل رول ہے کہ نطفہ کسی کا اور بچّہ کسیکا؟ عورتوں کے حقوق کی بابت سنئیے صاف ارشاد ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ

یعنی عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ اسی طرح ہیں۔ جس طرح مردوں کے عورتوں کے ذمے ہیں۔ یعنی حقوق مساوات ہے مگر بوجہ اسکے کہ قرآن شریف نیچرل (قدرتی) کتاب ہے۔ اس لئے مردوں کو چونکہ فطرتاً فضیلت ہے لہٰذا اسی آیت کے متصل ہی فرمایا۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

یعنی مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے۔ جس کا کسی کو انکار نہیں۔ پس کہئیے! بابو صاحب! ایسا جھوٹ بولنا کہ عورتوں کے حقوق برابر نہیں؟

کہو جی کون دھرم ہے؟

آریہ نمبر ۹۹ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ اگر عورت بدکاری کرے تو اُسکو خوب پیٹو۔ اور گھر میں قید رکھو۔ حتیٰ کہ مرجائے۔ افسوس عورت بدکاری کرے۔ تو اس کو خاوند مارے۔ اگر خاوند بدکاری کرے۔ تو اس کو عورت کیوں نہ جوتے لگائے۔ اور گھر میں تاحیات قید رکھے۔ یہ محض اس لئے کہ عورت غلاموں کی طرح ملکیت تصوّر کیگئی ہے۔

آریہ نمبر ۱۰۰ مسلمان لوگ عورت کو طلاق دیسکتے ہیں افسوس ہے عورت بدصورت ہو۔ لڑکیاں پیدا کرے یا خراب ہو تو اُسکو طلاق دیجاتے۔ لیکن اگر آدمی بدصورت ہو۔ لڑکیاں پیدا کرے یا خراب

ہو۔ تو اُس کو طلاق نہ دے جائے۔ طلاق کا مسئلہ جہاں بذات خود قبیح ہے وہاں اپنے نتائج کے لحاظ سے بھی مذموم ہے۔ طلاق کا مسئلہ خاوند اور بیوی کے درمیان سچی محبت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ کیونکہ عورت ہمیشہ خائف رہتی ہے معلوم نہیں اُسکو کس جرم پر دیدی جاوے۔ طلاق کا مسئلہ بازاری عورتوں کی تعداد کو بڑھا نیوالا ہے طلاق کا مسئلہ عورتوں کو بیوفا بنا نیوالا ہے۔

آریہ نمبر ۱۰۱

مسلمان لوگ ایک ہی وقت میں دو۔ دو۔ تین۔ تین چار بیویاں کر سکتے ہیں۔ بھلا پھر عورتیں ایک ہی وقت میں دو۔ دو۔ تین تین چار خاوند کیوں نہ کریں؟ کاش قرآن کو بنانیوالی کوئی عورت ہوتی۔ تو ہم دیکھتے کہ عورتیں مردوں کو طلاق دیتیں۔ گھر میں قید رکھتیں۔ ایک ہی وقت میں چار چار خاوند کرتیں۔ وہ زمانہ مبارک ہوگا جبکہ اہل اسلام کی عورتیں تعلیم یافتہ ہوکر غلامی سے آزاد ہو جاوینگی۔ اور مردوں کی طرح تمام حقوق طلب کریں گی۔ اُسوقت یا تو قرآن کو بند کرکے طاق میں رکھنا پڑیگا۔ یا چار چار خاوندوں کی نوبت آئے گی۔

مسلمان نمبر ۹۹۔۱۰۰۔۱۰۱

نیچرل سائنس کے جاننے والو! یا مدعیو! ان تینوں سوالوں کا مطلب سمجھے ہو؟ تینوں اعتراضوں کی بنا ایک ہی ہے یعنی نیچرل سائنس (قدرتی فلسفہ) سے ناواقفی اس لئے ہم پہلے آپ لوگوں کو اصول موضوعہ نمبر ۹ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ پھر بتلاتے ہیں ع

تو آشنائے حقیقت نۂ خطا اینجاست

پس غور سے سنو!

کچھ شک نہیں۔ کہ دنیا کی مخلوقات میں گو کتنا ہی اختلاف ہے۔ مگر ایک نسبت ان میں ضرور ہے۔ یعنی بعض مخلوق تو مستعمِل (استعمال میں لانے والی) ہے اور بعض مستعمَل (قابل استعمال) بے جان چیزوں میں تو کسی کو شک ہی نہیں۔ کہ جانداروں کے استعمال کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔ جانداروں میں حیوانات کو دیکھا جاوے۔ تو اس میں شک نہیں ہوتا۔ کہ یہ سب حیوانات حضرت

انسان ہی کی خدمت کو پیدا ہوئے ہیں۔ کوئی اس کا ہل چلاتا ہے۔ تو کوئی اس کی سواری بنتا ہے۔ کوئی اس کو دودھ دیتا ہے تو کوئی اس کو شہد پلاتا ہے گو ان کی خدمت انسان بھی کرتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ خدمت نہیں۔ بلکہ حق الخدمت ادا کرتا ہے۔ حیوانات سے آگے بڑھ کر خود انسان کی دو صنفوں (مرد و عورت) میں بھی یہ نسبت ہے؟ بیشک اور ضروری ہے۔ مرد مستعمِل ہے اور عورت مستعمَلہ جس کے ثبوت کیلئے ہمارے پاس فطری۔ عرفی اور مذہبی ہر طرح کے دلائل موجود ہیں۔ پس پہلے فطری (قدرتی) دلائل سنو!

دلائل فطریہ

۱۔ نکاح کی غرض میں مرد مستعمِل اور عورت مستعمَلہ ہے۔ کیونکہ جب تک مرد جماع کرنا نہ چاہے۔ عورت اُس سے جبراً نہیں کرا سکتی۔ ہاں اگر مرد جبراً کرنا چاہے۔ تو کر سکتا ہے۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ مرد مستعمِل اور عورت مستعمَلہ ہے۔

۲۔ آلہ جماع واستعمال مرد کو عطا ہوا ہے تو پھر مرد کے مستعمِل ہونے میں کیا شک ہے۔

۳۔ مرد عورت کی ظاہری شکل اور ہیئت بھی اس نسبت کو ظاہر کرتی ہے مرد کے چہرہ پر عموماً وقت بلوغت بالوں کا نکلنا اور عورت کا منہ ہمیشہ کیلئے صاف رہنا (جو اسکے مرغوب الطبع ہونیکا ایک قوی ذریعہ ہے) اس نسبت کی ثبوتی دلیل ہے[1]

۴۔ اولاد کے حق میں ماں کا مشقت اور تکلیف شاقہ اُٹھانا (حالانکہ وہ نطفہ یقیناً مرد کا ہے) اس امر کو ثابت کرتا ہے۔ کہ عورت مثل ایک مزدور کے مستعمَلہ ہے۔ اور مرد اس کا مستعمِل۔

۵۔ مرد کا عموماً تنومند اور طاقتور ہونا یہانتک کہ تمام طاقت کے کاموں

[1] اسی لئے اسلام میں ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہے کیونکہ قانون قدرت کا خلاف اور عورتوں سے مشابہت نہ ہو (منہ)

صفائی رکھے اور خرچ میں بہت بے پرواہی نہ کرے یعنی مناسب خرچ کرے سب چیزیں صاف رکھے اور خوراک اس طرح بنائے۔ کہ جو دوائی بن کر جسم یا روح بیماری کو نہ آنے دے۔ جو جو خرچ ہو اُس کا حساب ٹھیک ٹھیک رکھ کر خاوند وغیرہ کو سنا دیا کرے" (ستیارتھ باب ۴ فقرہ ۱۰۵ صفحہ ۱۲۲)

اور سنیئے!

"اولاد لینے کیلئے عورت سے نیوگ کرائے" (صفحہ ۱۵۵)

عبارت مذکور بالا سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ عورت مرد کیلئے بمنزلہ خادم اور کھیتی کے ہے۔ سو یہی معنے اُس کے مستعملہ یا ماتحت ہونے کے ہیں۔ اسی قدرتی نسبت کے بتلانے کو خدا کی قدرتی کتاب کا ارشاد ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا (پ۵)

"یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ دو وجہ سے ایک تو قدرتی فضیلت سے جو خدا نے مردوں کو دی ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ مرد اپنے مال اُن پر خرچ کرتے ہیں"

پس اس نسبت کو (جو قدرت نے مرد و عورت میں بنائی ہے) ملحوظ رکھ کر آپکے یہ سوالات آسکتے ہیں؟ پہلے سوال کا جواب یہی ہے۔ کہ پیٹنا حاکم کا کام ہے محکوم کا نہیں۔ رعیت کا کیا حق ہے؟ کہ حاکم کو اُسی قسم کی سزا دے جو کسی قصور پر حاکم اُس کو دے۔ ورنہ حاکم و محکوم میں مساوات ہو جائیگی۔ جو آپ کے سوا کوئی بھی نہ کہیگا۔

ہاں اس بات کے اظہار کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ کہ آیت کا مطلب یہ نہیں۔ کہ عورت کا خاوند اُس کو سزا دے۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ عورت کا خاوند یا کوئی مخبر عورت کی بدچلنی یعنی زناکاری کی خبر حاکمِ وقت کو کرے۔ تو بعد ثبوت لینے کے حاکم یہ سزا دیگا۔ اسی طرح عورت مرد کی شکایت کرکے سزا دلا سکتی ہے۔

ہاں منوجی کا پرمان (فرمان) بیشک سننے کے قابل ہے۔ جو حکم دیتے ہیں ؎

کا (مثل جنگ و غیرہ سب کا) متکفل ہونا اور عورت کا اس سے بالکل سبکدوش رہنا بھی اس امر کی دلیل یا قرینہ ہے کہ مرد مستقل اور عورت مستعملہ ہے۔

دلائل عرفی

یعنی وہ دلائل جن پر کل بنی آدم بلا تمیز مذہب عمل کرتے ہیں

۱۔ عموماً شادی کرکے خاوند کا عورت کو اپنے گھر میں لے جانا اور وقت نکاح اُسکو کچھ دینا اور گھر میں لیجا کر اس پر مناسب حکمرانی کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ عموماً بنی آدم عورت کو مستعملہ جانتے ہیں۔

۲۔ عموماً بازاروں میں عورتوں کا زنا[1] کے لئے مزین ہو کر بیٹھنا اور مردوں سے عوض لیکر اُن سے زنا کرانا اور مردوں کا عوض دیکر اُن سے بدفعلی کرنا اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ عورت بھی مثل دیگر اشیاء خریدنی و فروختنی کے مستعملہ ہے۔

۳۔ عموماً ہر قوم کا عورتوں کو زیب و زینت سے مزین کرنا اور اس زینت کو معیوب نہ سمجھنا۔ بلکہ عورتوں کا بھی طبعی طور پر اس طرف مائل رہنا اس امر کا ثبوت ہے کہ کل قومیں عورت کو مستعملہ جانتی ہیں۔

۴۔ عورت کا حمل کیوجہ سے تکلیف اُٹھا کر ہر قوم میں بچہ کا باپ کی نسل سے ہونا بھی اس امر کا قرینہ بلکہ دلیل ہے کہ عورت مستعملہ ہے۔

دلائل مذہبی

تمام مذاہب کے رسم و رواج کا بیان کرنا تو شائد بے سود ہوگا۔ خاص آریوں ہی کا بیان سنیئے! سوامی دیانند جی عورت کے فرائض لکھتے ہیں۔

"گھر کے کاموں میں ہوشیار رہے سب چیزوں کو عمدگی سے بنائے۔ گھر کی

[1] یہ ایک عرفی رواج ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ زنا جائز ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہم نے اس دلیل کو دلائل فطری یا مذہبی میں بیان نہیں کیا۔ ۱۲ (ترک)

"استری۔ عورت۔ بیٹا۔ غلام۔ شاگرد اور برادر حقیقی ان سے جرم سرزد ہو تو رسی اور بانس کی چھڑی سے اُن کو سزا دینا چاہئیے" (ستیارتھ پرکاش اَدھیائے ۸ شلوک ۲۹۹)

سماجیو! استری (عورت) نیوگ کرنے پر راضی نہو۔ تو جب بھی بانس ہی سے سزا دیجائیگی؟ یا کسی اور بھی چیز سے؟ ہماری رائے میں بانس بہت مناسب ہے۔ آئندہ اختیار بدست مختار ہے محتسب را درونِ خانہ چہ کار؟

طلاق مسئلہ کو قبیح کہنا بھی نیچرل فلاسفی کے خلاف ہے اگر اصول موضوعہ نیستمر کو ملحوظ رکھتے تو کبھی یہ سوال نہ کرتے۔ بابو صاحب! اگر آپ بھولے ہوں تو سنیئے! قدرتی تعلقات تو کبھی نہیں ٹوٹ سکتے۔ مگر مصنوعی تعلقات سب کے سب قابل انفصال ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں۔ کہ آپ اگرچہ دوسرے مذہب میں چلے گئے ہیں۔ مگر ولدیت لکھاتے وقت آپ ولد میاں جی سلطان محمد مرحوم ہی لکھائیں گے۔ باپ کے بیٹے۔ بھائی کے بھائی مگر اتنی عمر میں آپ بتلا سکتے ہیں۔ کہ کتنے ہم صحبتوں سے آپکی دوستی اور محبت ہوئی جنکو آپ اور وہ آپ کو دوست کہکر پکارتے رہے۔ آپس میں اتنا گہرا تعلق تھا۔ کہ بن دیکھے کھانا ہضم نہونا ہوگا۔ مگر آج اُن میں سے ایک سے بھی ملاپ نہو گا۔ بلکہ نئی پارٹی نئے تعلقات۔ پس بتلائیے اگر قدرتی اور مصنوعی تعلقات یکساں طاقت اور اتصال رکھتے ہیں۔ تو ان دونوں نسبتوں میں سے کیوں پہلی نسبت کو ہنوز متصل اور دوسری کو منفصل پاتے ہیں؟ اسی طرح نکاح بھی چونکہ انسانی تعلقات میں سے ایک مصنوعی تعلق ہے لہذا وہ بھی قابل انفصال ہے یعنی وقت ضرورت مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ عورت مرد کو کیوں طلاق نہیں دے سکتی؟ یہ نیچرل فلاسفی (قانون قدرت) کے خلاف ہے جب حاکم اور محکوم دونوں میں نسبت مساوات کی ہوگی تب یہ سوال وارد ہوسکیگا۔ ذرہ قدرتی فلاسفی کو غور سے دیکھکر مرد و عورت کی نسبت کو یاد کیجئے۔ تاکہ آپ کو آپکے سوال کی قدر معلوم ہو۔ ہاں ہم اس

امر کی شکایت کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ گو یہ شکایت نئی بھی نہیں۔ کہ آپ نے قرآن شریف پر ناحق بہتان لگایا ہے۔ کہ

"عورت کی بدصورتی۔ لڑکیاں پیدا کرنے یا خراب ہونیکی صورت میں طلاق دیجادے"

اگر آپ یا کوئی آریہ اس مضمون کی آیت دکھلادے تو مبلغ پانصد روپیہ چہرہ دار ہم سے انعام پاوے

قرآن شریف خود آپکے اس خیال غلط مقال کا رد کرتا ہے سنو!

عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء ع ۳)

یعنی عورتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کیا کرو۔ اگر اُن کو بوجہ بدصورتی یا کسی اور بات کے ناپسند کرو۔ تو تو بھی نباہ کرتے رہو۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی چیز کو تم ناپسند سمجھو اور خدا اُسی میں بہت بڑی بھلائی پیدا کردے"

یہ بالکل غلط ہے۔ کہ طلاق کے مسئلہ کی وجہ سے خاوند بیوی میں محبت نہیں ہوسکتی بھلا محبت بھی کوئی اختیاری فعل ہے؟ سنو! ؎

کلے گورے پہ کچھ نہیں موقوف — دل کے لگنے کا ڈھنگ اور ہی ہے

مسلمانوں کی عورتیں خدا کے فضل سے خاوندوں پر فدا اور دل و جان سے نباہ کرتی ہیں کسی دوسرے مرد کی طرف نہیں دیکھتیں۔ مرد بھی اُن کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ ہم سے ملیں۔ تو شمار اور اعداد کے حساب سے اُن کو یقین دلا سکتے ہیں کہ مسلم عورتیں غیر مسلم عورتوں کی نسبت بہت زیادہ پاکدامن ہیں غیر اسلام پر تو آپ کا بیان محض بہتان ہے ذرا اپنے سوامی دیانند جی کا فرمان بھی سنیئے۔ کہ کس قسم کی عورت کو پسند کرتے ہیں۔ سنو! فرماتے ہیں:۔

"اس قسم کی عورت سے شادی نہ کریں۔ نہ زرد رنگ والی۔ نہ مرد سے لمبی چوڑی نہ زیادہ طاقتور نہ وہ جسکے جسم پر بالکل بال نہوں نہ بہت بال والی بکواس کرنے والی اور نہ بھوری آنکھ والی" (ستیارتھ پرکاش سملاس باب فقرہ ۹)

کون پوچھے؟ کہ ان میں کیا عیب ہے۔ دکو نسے وید منتر سے آپ پرمان دیتے ہیں ایسی معقول پسند پارٹی اور یہ سوال؟ اور سنیئے! ان میں تو بھلا کوئی بد صورتی یا بدنمائی ہوگی جسکی وجہ سے اس قسم کی عورتیں سوامی جی کو پسند نہ آئیں، آپ تو یہانتک بڑھے ہوئے ہیں کہ مندرجہ ذیل ناموں والی عورتیں بھی پسند نہیں کرتے سنو!

"منحوس نام والی عورت سے بھی (شادی) نکریں (منحوس ناموں کی تفصیل یہ ہے)

رکش یعنی اشونی بھرنی۔ روہنی دئی۔ دیوتی بائی۔ چترمی وغیرہ ستاروں وغیرہ کے نام والی تلسیہ۔ گینڈا۔ گلابی۔ چمپہ۔ چنبیلی وغیرہ پودوں کے نام والی۔ گنگا۔ جمنا وغیرہ ندی نام والی۔ چانڈالی وغیرہ پنچ نام والی۔ بندھیا۔ ہمالیہ۔ پاربتی وغیرہ پہاڑ نام والی۔ کوکلا مینا وغیرہ پرند نام والی۔ ناگی بھجنگا وغیرہ سانپ نام والی۔ مادھوداسی میراں داسی وغیرہ خدمتگار نام والی۔ اور بھیم کماری۔ چنڈکا۔ کالی وغیرہ ڈرانے والی لڑکیوں کے ساتھ شادی نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ نام منحوس اور دیگر اشیاکے بھی ہیں (ستیارتھ صفحہ باب ۴)

(کیا ہی فلاسفی ہے؟ کیوں نہو۔ آریہ تعلیم ہو اور فلاسفی نہو؟)

سماجیو! انصاف سے بتلانا۔ اگر کوئی آریہ بھولے پن یا کسی کے دھوکہ یا رشتہ کے تعلق سے ان اقسام کی عورتوں میں سے کسی عورت کیساتھ شادی کرے تو کیا کرے؟ تمام عمر سینے پر مونگ دلوا کر اسی سے نباہے اور "قہر درویش بر جان درویش" کا مصداق بنا رہے؟ یا کوئی صورت علیحدگی کی بھی ہے؟ انصاف سے کہنا۔ بالوضعت کا الزام اسلام پر ہے یا خود وید کے دھرم اور اپنے روحانی باپ سوامی جی مہرشی پر! سچ کہتے ہوئے کسی کی رو رعایت نہ کرنا۔ ورنہ تمہارا راج تمہارا اصول منسوخ ہوجائیگا۔

تعدد ازدواج کا مسئلہ بھی اس قدرتی اصول اور نیچرل قانون پر مبنی ہے کیونکہ قدرت نے مردوں کو مستعمل (استعمال کرنیوالا حاکم) بنایا ہے اور عورت کو مستعمل (قابل استعمال) پھر کون کہہ سکتا ہے کہ جس مستعمل کو اپنی مستعملہ اشیاء کی جتنی ضرورت ہوگی۔ وہ اُسی قدر اپنے پاس رکھیگا۔ ہاں ان معنے سے قرآن شریف

کا یہ مقصود ہے کہ اُس نے بیشمار کو شمار میں محدود کر دیا۔

اور سنیئے! تمام دنیا کو اولاد کی خواہش ہے آریوں کو تو ایسی خواہش ہے کہ دوسرے سے لینے بھی پرہیز نہیں۔ پھر ذرہ انصاف سے کہیئے۔ کہ اگر آج کسی کی جورو کو حمل ہوا تو نو مہینے تو رحم کا منہ بند رہیگا۔ اس سے بعد دو سال تک عورت کو بچے کے دودھ پلانے پرورش کرنے سے فراغت نہیں ایسے وقت میں عورت سے جماع کرنا اولاد کی غرض سے بالکل بے سود اور بے معنی ہے کیونکہ ایک تو جماع ایسی حالت میں۔ جماع کرنے سے دودھ میں حرارت پیدا ہوکر بچے کو ضرر ہوتا ہے دوم اگر حمل ہوا تو دودھ بالکل خراب ہوجاتا ہے پہلا بچہ جسکو قدرت نے دو سال تک دودھ پینے کی اجازت دی تھی بوجہ نملنے دودھ کے کمزور ہوجاتا ہے۔ بلکہ مرجانے کا بھی احتمال ہے علاوہ اس کے اتنے عرصہ میں دوسرا بچہ ہونے پر عورت کو جو تکلیف ہوتی ہے اُسکو وہی جان سکتی ہیں جن کے گھر میں ایسا واقعہ ہوا ہو۔ کہ سال سال دو دو سال میں بچے پیدا ہوتے ہوں پس ایکدفعہ جماع کرکے تین سال تک مرد عورت کے پاس بغرض اولاد نہیں جا سکتا اگر کسی کو اپنے بھولے پن سے یہ خیال پیدا ہو۔ کہ اتنی تکلیف کی کیا ضرورت ہے ہم بچے کے لئے دایہ رکھ سکتے ہیں جو اُس کو دودھ پلائے۔ اور ہم مزے سے بچے پیدا کریں۔ تو ایسے بھولے لوگوں کو سمجھایا جائیگا کہ یہاں قدرتی قانون کا ذکر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قدرت نے بچے کی ماں ہی کو بچے کی پرورش کے لئے طیار کیا ہے اسی لئے اُسکے پستانوں میں بغیر کسی تجویز اور تدبیر کے دودھ اُتر آتا ہے۔ علاوہ اس کے دایہ کا رکھنا ہر ایک آدمی کا کام نہیں۔ بلکہ خاص امیروں ہی کا کام ہے۔

پس بتلایئے! اس تین سال کے عرصہ میں اگر اس بیچارے مرد کو جس کی عمر شباب جوانی پر ہے۔ اگر خواہش نفسانی ہو تو کیا کرے؟ کس جگہ اپنی حاجت روائی کرے مگر ایسی طرز سے کہ اس کا نتیجہ بھی پیدا ہو۔

اچھا اسے بھی جانے دیجئے اور بتلایئے! کسی مرد میں قدرتی طور پر طاقت زیادہ ہے قوت بڑھکر ہے۔ جو ایک عورت پر قناعت نہیں کرسکتا۔ یا اُس کی عورت کسی خاص

بیماری سے ناقابل یا کمزور یا بقول سوامی دیا نند جی بدشکل یا منحوس نام والی ہے تو مرد مذکور کیا کرے۔

پس یہ ضرورت ہے جس کی وجہ سے تعدد ازدواج کا مسئلہ قرآن شریف نے جائز بتلایا ہے دیا نندی دوستو! وید کے حامیو! وید کو جملہ علوم کا مخزن بتلانے والو! کوئی منتر اس مضمون کو دکھلا سکتے ہو۔ کہ تعدد ازدواج منع ہے؟ دکھاؤ۔ تو اسی کتاب کا ایک نسخہ ہم سے انعام لو۔ مگر یاد رہے۔ کہ آپ کیا بتلاویں گے سوامی دیا نند سے تو یہ نہ ہوسکا۔ کہ کوئی منتر صریح اس حکم کا دکھلاتے۔ ناحق کی کھینچ تان کرتے کراتے جیسی ان کی عادت تھی۔ اس کٹھن امر کو ثابت کرنے بیٹھے۔ سنو تمہیں ارمان نہ رہے۔ کہ سوامی جی نے کیا کہا ہے۔ ہم ہی تم کو بتلاتے ہیں۔ دیا نند جی نے پہلے مذکورہ ذیل منتر نقل کیا ہے۔

"اے زن و مرد! تم دونوں اس دنیا میں خانہ داری میں داخل ہو کر ہمیشہ سکھ کے ساتھ رہو۔ اور کبھی باہم نفاق نہ کرو۔ اور سفر میں باہر جانے کے وقت یا اور کسی طرح کبھی باہم وانہ ہو" (رگوید اشٹک ۸۔ ادھیار ۳ ورگ ۲۸۔ منتر ۲)

اس پر سوامی جی اپنا حاشیہ چڑھاتے ہیں۔

اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ ایک ہی خاوند ہونا چاہیئے۔ اور اسی طرح ایک مرد کو ایک ہی عورت سے بیاہ کرنا چاہیئے اس میں یہ دلیل ہے۔ کہ وید منتروں میں مرد اور عورت کا لفظ واحد میں آیا ہے" (بھومکا ص۱۴۴)

ہمارے دیا نندی دوست تو بہت خوش ہونگے۔ کہ سوامی جی نے بہت اچھا استدلال کیا ہے۔ ان کی بلا کو معلوم کہ ایسے مضامین میں بلکہ ہمارے روزمرہ کے محاورے میں بھی ایسے کلاموں سے مرد اور عورت جو تثنیہ (دو) کے صیغے میں ذکر کئے جاتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہوتی۔ کہ ایک مرد اور ایک ہی عورت بلکہ اس تثنیہ کے صیغے سے دو صنف مراد ہوتے ہیں یعنی مرد اور عورت جو ایک نوع کی دو صنفیں ہیں۔ اُن کو عام طور پر خطاب کیا گیا ہے جیسے ہمارے ہاں بھی محاورہ ہے کہ برات یا کسی عام دعوت میں کہا جاتا ہے

کہ "مرد عورت دونوں کھا چکے ہوں" تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی۔ کہ ایک مرد اور ایک عورت کھا چکے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح منتر مذکور کا مطلب ہے کہ مرد و عورت کے دو صنفو! تم آپس میں آرام سے رہا کرو۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ایک مرد کیلئے ایک ہی عورت چاہیئے۔ بلکہ یہاں تو دو صنفوں کا ذکر ہے اگر ایک مرد کے پاس چار عورتیں ہیں۔ تب بھی وہ دو صنف ہیں۔ اسی لئے تو ہم نے کہا ہے کہ سوامی جی ناحق کی کھینچ تان کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مرد کو چونکہ قدرت نے مستقل اور حاکم بنایا ہے جیسا کہ دلائل مذکور سے ثابت ہوتا ہے اور عورت کو مستعمل اور محکوم اس لئے جس مرد کو متعدد عورتوں کی حاجت ہوگی۔ وہ متعدد کریگا۔ مگر حاجت سے مراد اصل حاجت ہے نہ بناوٹی۔

اب سُنیئے! قرآن شریف نے اس بارہ میں کیا تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا (نساء)

یعنی اگر تم متعدد عورتیں کرو۔ تو ان میں عدل اور انصاف کیا کرو۔ اور اگر تمہیں بے انصافی کا خوف ہو تو ایک ہی منکوحہ یا اپنی مملوکہ لونڈی پر قانع رہو۔ پھر فرمایا۔ کہ یہ پچھلی صورت بہت مناسب ہے تاکہ تم جور و ظلم میں نہ پھنسو۔ پس آپکا یہ کہنا کہ ایک عورت کو بھی متعدد خاوندوں کی اجازت ہونی چاہیئے۔ بالکل بنیادی اصول اور قدرتی اصول کے خلاف ہے۔ گو اسکے یہ معنی ہیں کہ ایک مزارع اگر دو چار قطعات اراضی میں ہل چلاتا ہے تو ایک قطعہ اراضی میں دو چار مزارع یکے بعد دیگرے کیوں نہ ہل چلائیں۔ تو ایسی فضول اور لغو حرکت کو کون پسند کریگا۔

پس دیانندی دوستو! تعدد ازدواج کے منع پر وید منتر اگر نہیں دکھا سکتے ہو۔ تو اپنے ہم خیال بلکہ استاد عیسائیوں ہی سے مدد لو۔ کوئی بائبل کا کوئی درس دکھاویں یاد رکھو کبھی نہ دکھا سکو گے۔

وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

تعدد ازدواج کی مزید تحقیق تفسیر ثنائی جلد دوم حاشیہ نمبر ۲ میں دیکھو۔

آریہ نمبر ۱۰۲

قرآن کی تعلیم ہے کہ مسلمان عورتیں پردہ کریں اور چادر سے اپنے چہروں کو ڈھانک کر جاویں تاکہ کوئی غیر آدمی اُن کو

نہ دیکھ سکے۔ یا وہ کسی غیر آدمی کو نہ دیکھ سکیں۔ کوئی وجہ تو معلوم نہیں ہوتی کہ مسلمان آدمی چادروں سے منہ چھپا کر باہر نکلا کریں، تاکہ کوئی غیر عورت ان کو نہ دیکھ سکے زیادہ کسی غیر عورت کو نہ دیکھ سکیں۔ کیا منہ کے چھپانے سے پاکیزگی قائم رہ سکتی ہے؟ جبکہ دل کا پردہ اٹھ گیا ہو علاوہ ازیں منہ کو کپڑے سے چھپا کر سونا۔ چلنا پھرنا۔ صحت کیلئے بہت مضر ہے افسوس ہے کہ آدمی آپ تو کھلے منہ تازہ ہوا کھاوے اور عورت کو بیل کی طرح منہ پر نقاب ڈالنے کیلئے مجبور کرے (احزاب ۵۹)

مسلمان ۱۰۲ واہ جی سوامی آپ نے سمرن کرا یہ سبق دیا کہ کسی طرح بھولتے نہیں کیا معقول سبق پڑھایا کہ قرآن کے مقابلے پر دو نمونے چار بھی غلط سمجھا کر دئے۔ سنیئے! قرآن شریف وید کیطرح کسی کا محتاج نہیں۔ وہ تو ایک نیچرل کتاب ہے۔ ہر ایک حکم کی بنا مضبوط رکھتا ہے اور اس کا ہر ایک حکم ایک قدرتی اصول پر مبنی ہے۔ مرد و عورت کی باہمی نسبت جو پہلے نمبروں میں بیان ہوئی ہے اس کے سمجھنے سے آپکا یہ سوال بیخ و بنیاد سے اکھڑ جاتا ہے۔ یاد ہو تو سنو! عورت مرد کی ایک مستعملہ چیز ہے کس نے بنائی؟ اسی سچدانند۔ نراکار وحدہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ نے دلائل سابقہ نمبروں میں دیکھو۔ پس جس چیز کے برہنہ رکھنے سے بگڑنے کا خطرہ ہو۔ اس کو محفوظ ہی رکھنا دانائی ہے۔

اس مضمون پر اگر اپنے روحانی باپ دیانند جی کے دستخط چاہو۔ تو سنو! تمہارے گرو جی آگیا (حکم) دیتے ہیں۔

"پڑھانے کا مکان کسی تنہا موقعہ پر ہونا چاہیئے۔ اور لڑکوں اور لڑکیوں کی اُپھ شالا ایک دوسرے سے دو کوس دور ہونی چاہیئے۔ جو معلّمہ یا معلّم یا نوکر چاکر ہوں۔ لڑکیوں کے مدرسہ میں سب عورتیں اور مردانہ مدرسہ میں سب مرد ہوں زنانہ مدرسہ میں پانچ برس کا لڑکا اور مردانہ مدرسہ میں پانچ برس کی لڑکی نہ جانے پاوے" (ستیارتھ ص۴۲ باب ۳ فقرہ ۴)

کوئی پوچھے کہ ایسی پابندی کیوں ہے کہ پانچ پانچ برس کے لڑکے لڑکیاں بھی ایسے الگ رہیں کہ وہ دو کوس تک ایک دوسرے کو دیکھنے نہ پاویں۔ تو سوامی جی یا ان کی طرف سے ہمارے برہمچاری بابو صاحب صاف کہدینگے۔ کہ مولوی صاحب یہ بڑی سائنس فلاسفی ہے۔ آپنے کسی اُستاد کا شعر نہیں سُنا؟ ؎

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ہم انکو چھوڑ بیٹھے ہیں
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آ ہی جاتی ہے

چنانچہ سوامی جی نے اس مضمون کو دوسری جگہ صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں میں ادا کر ہی دیا۔ بابو صاحب کو اختیار ہے مانیں یا نہ مانیں۔ دیانند جی ہندوؤں کو مندروں میں اور تیرتھوں میں جانے سے روکتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عورتوں مردوں کا مندروں میں میل ہونے سے زناکاری۔ لڑائی بکھیڑے اور بیماریاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں" (ستیارتھ ص۴۱۲)

اب سنیئے! قرآن کی آیت جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے:۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (احزاب ۵۹)

یعنی اے پیغمبر! تم اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دو کہ بازاروں اور راستوں میں چلتی ہوئیں اپنے چہروں پر نقاب رکھا کریں۔ اس شریفانہ برتاؤ سے شریف معلوم ہونگی تو انکو کوئی بدمعاش چھیڑ چھاڑ کر کے ستائیگا نہیں۔

کہیئے! بابو صاحب! پانچ برس کی لڑکی اور پانچ برس کے لڑکے کو علیحدہ رکھنے سے بالغوں اور جوانوں کو آنکھ ملانے سے باز رکھنا کہیں زیادہ بڑھ کر ضروری ہے یا نہیں؟ ہاں یہ خوب کہی کہ مسلمان آدمی کیوں نہ چادروں سے منہ چھپا دیں؟[۱] ہائے ضد کیسے عقل کو زائل کر لیتے ہیں (دیباچہ ستیارتھ ص ک) آپکو معلوم نہیں کہ شریعت اسلامی چونکہ بانی فطرت اور علیم و حکیم کی طرف سے ہے جو انسان بلکہ جملہ حیوانات بلکہ تمام اشیاء

[۱] واہ رے بی سادہ تیری ادا و الٰہی! آج تک تو ہم حسب اللہ خاموش ہی رہے مگر یہاں تو داد دینے سے باز نہیں رہ سکتے۔ مرد اور عورت کا حق برابر کیا کہیئے! (منہ)

کی حاجات کو جانتا ہے۔ اسی لئے ہر ایک صورت اور ہر ایک پہلو کو جیسا مناسب ہو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ پردہ سے چونکہ اتنی ہی غرض تھی۔ کہ زنا کاری بند یا کم از کم۔ کم ہو اور زنا کاری کے واسطے یہ بڑا مقدم سبب ہے کہ مرد کی نظر عورت پر پڑتی ہے۔ اور وہ چونکہ مستعل ہے اس لئے خواہش کرتا ہے۔ اور اُسکو پھندے میں لانیکے ذرایع پیدا کرتا ہے۔ اس لئے عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے چہروں کو چھپاویں۔ مردوں کے متعلق چونکہ دیگر ضروریات معاش اور انتظام دنیا متعلق ہیں۔ پس اُن کو اگر چہرہ چھپانیکا حکم ہوتا تو کاروبار انتظام دنیا میں عظیم خلل آتا۔ اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔

مضمون صاف ہے۔ لیکن آپ شاید اپنے گرو دیانندجی کا منہ تاکتے ہونگے کہ کیا فرماتے ہیں۔ پس اُن کے دستخط بھی آپکی خاطر کرائے دیتے ہیں۔

سنیئے سوامی جی لکھتے ہیں:۔

"اندریوں کو بڑے قاعدے سے قابو رکھنا چاہیئے۔ اندریوں کو کشش باہمی تعلق سے ہوتی ہے۔ منوجی نے فرمایا ہے۔ کہ اندریاں اسقدر زبردست ہیں۔ کہ ماں، ساس اور لڑکی دعیرہ کے ساتھ بھی ہوشیاری سے رہنا چاہیئے دوسروں کا تو کیا کہنا ہے (اپدیش منجری صفحہ ۱۷)

بابو صاحب غور سے دیکھئے سوامی جی اور منو جی نے کیا اصول باندھا ہے ایک تو یہ کشش باہمی تعلق سے ہوتی ہے۔ بالکل ٹھیک ہے ؎

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ہم اُن کو چھوڑ بیٹھے ہیں
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آہی جاتی ہے

دوم یہ کہ خوف سارا مرد کی طرف سے ظاہر کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ لکھا ہے۔ ماں، ساس لڑکی دعیرہ کیساتھ بھی ہوشیاری کیساتھ رہنا چاہیئے یہ نہیں لکھا۔ کہ بیٹے داماد اور باپ کے ساتھ بھی ہوشیاری کے ساتھ رہنا چاہیئے گو یہ ٹھیک ہے کہ دونوں کی طبیعت ملنے ہی سے کام ہوتا ہے۔ مگر بوجہ اُن دلائل کے جو سابقہ نمبروں میں بتلا آئے ہیں۔ مرد کی طرف سے اضداد زیادہ ہوتی ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں یوں

کہو کہ مرد مستعل ہے اور عورت مستعلہ۔

سماجیو! سچ بتلانا۔ اپنے چوتھے اصول کو یاد کرکے بتلانا۔ پرماتما سے ڈر کر بتلانا کہ جب تم کسی خوبصورت ماہ جبین (عورت) کو دیکھتے ہو۔ تو تمہارے دلپر کیا گذرتی ہے کیا تم بیساختہ اسوقت یہ نہیں کہا کرتے؟ ؎

کون رکھتا ہے بھلا ایسا جگر دیکھیں تو
یار ہو سامنے دیکھے نہ اُدھر دیکھیں تو

اور اگر اُس وقت کوئی تم سے کہے کہ مہاشہ جی! اپنی اندریوں (آنکھوں) کو قابو رکھو۔ دیکھو سوامی جی اور منوجی منع فرماتے ہیں۔ تو تم صاف اور کھلے الفاظ میں ایک ہی سناتے ہو ؎

بل بے خود بینیٔ زاہد کہ ترے دیکھنے کو
منع کرتا ہے تو یہ اور تماشہ دیکھو

یہ بھی ایک ہی کہی کہ مُنہ کے چھپانے سے پاکیزگی قائم رہ سکتی ہے؟ جبکہ دل کا پردہ اٹھ گیا کیا ہی نئی منطق ہے! قربان! ایسے بی۔ اے پر۔ بابو صاحب! یہ کون کہتا ہے۔ کہ دل کے گندوں کے لئے ظاہری پردہ کامل روک ہے؟ ہاں یہ بیشک ہے۔ کہ دل کا گندہ کتنا بھی کیوں نہو۔ اگر وہ پردہ دار عورت کو دیکھیگا۔ تو اسکی گندگی کا اظہار اس قدر نہوگا۔ جتنا کہ برہنہ رو عورت کو دیکھکر ہوگا۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ پردہ داری زناکاری کیلئے رکاوٹ ہے

اخیر میں ہم اپنے ناظرین کو تکلیف دیتے ہیں۔ کہ پردہ داری کی شرم و حیا کا خود ہی اندازہ کریں۔ مزید تحقیق کیلئے ہمارا رسالہ حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش کا نمبر ۱۲۷ ملاحظہ فرماویں۔

آریہ نمبر ۱۰۳

قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ متبنّٰی یعنی لے پالک بیٹے کی بیوی تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ بات کتنی قابل اعتراض ہے مانا کہ متبنّٰی صلبی بیٹا نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی عام سوشل میل ملاپ کے لحاظ سے فرض کردہ بیٹے کی عورت سے شادی کرنا کس قدر معیوب ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اگر کسی شخص کی عورت پر

فریفتہ ہوجاتے اور وہ اس عورت کو قابو میں نہ لاسکے۔ تو اُس کے خاوند کو یہ لالچ دیکر کہ ہم تم کو اپنی جائداد کا مالک بنا دیں گے۔ متبنّیٰ بنالے اور پھر آہستہ آہستہ جوڑ توڑ کرکے عورت کو اُڑا لیا جائے اگر عورت آگے سے اعتراض کرے۔ کہ میں تمہارے لڑکے کی بیوی ہوں تم مجھے بغیر نکاح اور بغیر گواہ کے کیوں اپنے تصرّف میں لاتے ہو؟ تو فوراً قرآنی آیت پیش کردی جائے۔ کہ دیکھو! تم میرے لئے حلال ہو اور قاضی گواہ کی ضرورت نہیں خدا نے خود میرا تمہارا نکاح کردیا ہے

مسلمان نمبر ۱۰۳

متبنّیٰ (لے پالک) کی رسم عرب میں قدیم سے چلی آئی تھی۔ چنانچہ ہندوؤں اور آریوں میں بھی ہے۔ مگر چونکہ متبنّیٰ (لے پالک) بنانا دراصل گویا قدرت[1] سے مقابلہ کرنا ہے کہ خدا نے تو اُسے اولاد نہ دی اور یہ ناحق دوسرے کی اولاد کو اپنی اولاد بناتا ہے ان معنے سے متبنّیٰ بنانا گو نیوگ کی ایک مثال ہے۔ مگر چونکہ بحکم اصول موضوعہ نمبر ۳ یہ تعلق بھی قابل انفصال ہے۔ بلکہ یوں کہیئے کہ واجب الفصل ہے۔ اس لئے شریعت اسلامی نے جہاں اور خرابیاں دنیا سے دور کیں۔ اس بیہودہ رسم کو بھی ملیامیٹ کردیا۔ جسکے لئے قرآن نے دو طریق بتلائے ایک تو یہ کہ اس بدرسم کو فرع سے کاٹا۔ یعنی اس رسم کے نتیجہ کو پامال کیا کہ عرب میں متبنّیٰ کو بالکل حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اور اُسکی بیوی کو مثل حقیقی بہو کے خیال کیا جاتا تھا۔ پہلے تو اس خیال کی تغلیط کی کہ متبنّیٰ کی بیوی بہو نہیں۔ پھر اسکو نہایت ہی حکیمانہ دلیل سے ثابت کرنیکو فرمایا۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ

[1] ہمارے شہر میں ایک ہندو وکیل کے لے پالک مرنے پر لوگ تعزیت کو گئے۔ تو اُس نے کہا خدا مجھ پر ناراض تھا۔ کہ میں نے تو تجھکو بیٹا نہیں دیا۔ تو نے کیوں بنا لیا؟ کیا ہی دانائی کی بات ہے (منہ)

یعنی لے پالکوں کو اُنکے باپوں کی طرف نسبت کیا کرو۔ جنکے نطفے سے پیدا ہوئے ہیں یعنی ولدیت بتلاتے ہوئے کہ اُنکے بیٹے کہا کرو۔ اپنے مت کہا کرو تم سے اُن کا تعلق نطفے کا نہیں۔ بلکہ وہ تمہارے قومی اور دینی بھائی ہیں۔ سنو!

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ

یعنی اگر تم اُنکے باپوں کے نام نہیں جانتے۔ تو تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ یعنی اُن کو بھائی اور دوست کہا کرو۔ بیٹے کہا کرو۔ مطلب یہ کہ بیٹا بیٹی ہونا قدرتی جوڑ ہیں۔ جب قدرت نے تمہارا اُن کا جوڑ نہیں بنایا۔ تو تم کیوں غلط گوئی کرتے ہو؟ غور سے سنو!

مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ (احزاب ع ۱)

یعنی لے پالک خدا نے تمہارے بیٹے نہیں بنائے۔ یہ تو صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اللہ سچ کہتا ہے۔ اور وہی سیدھی راہ بتلاتا ہے۔

پس اس رسم کے مٹانے میں جیسا کہ ایک فطری مذہب کا فرض تھا۔ پیغمبر اسلام علیہ السّلام نے مقدور بھر کوشش کی۔ جو خدا کے فضل سے کامیاب ہوئی۔ اس لحاظ سے آریہ سماج جیسے آزاد اور نیچرل مذہب کا فرض ہونا چاہیئے تھا کہ اس بدرسم کے مٹانے میں اسلام کا ہاتھ بٹاتا گو اسلام خدا کے فضل سے اسکی امداد کا محتاج نہیں تھا مگر اسکو تو یہی حکم تھا۔

(راستگوؤں کو ساتھ دیا کر۔ اور ناراستی پسندوں سے بچے رہا کر (ستیارتھ ص۴۲))

لیکن مذہبی ضد اور عداوت انسان کی عقل اور سمجھ کو زائل اور تباہ کردیتی ہے (دیباچہ ستیارتھ ص۳)

اب سنیئے! اصل قصّہ جسکی طرف بابو صاحب نے کمال ایمانداری اور دل آزاری سے اشارہ کیا ہے۔ زید ولد حارثہ کو جو غلام تھا آنحضرت نے تربیت کیا تو ملک کے دستور کے مطابق لوگ اُسکو متبنّیٰ کہنے لگ گئے جوان ہونے پر اُس کی

شادی اپنے قریبی رشتہ میں زینب کے ساتھ کردی۔ باوجودیکہ اسکی غلامی کیوجہ سے زینب کے رشتہ داروں نے کچھ انکار بھی کیا۔ مگر منشا نبوی کے سامنے دم نہ مار سکے۔ اتفاقاً دونوں میاں بیوی میں کچھ رنجش ہوئی۔ تو زید اسکو طلاق دینے پر آمادہ ہوا۔ آپنے بہت سمجھایا۔ کہ ایسا مت کر۔ اس نے نہ مانا۔ اسی اثنا میں آپکے دل میں خیال آیا۔ کہ میں نے ہی انکا نکاح زور دیکر کرایا تھا۔ زینب اور زینب کے رشتہ دار ایک تو اسوقت اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ دوسری اب طلاق ہونے پر ہوئی اُس کا تدارک کیا کیا جائے اسی پر آپکے دل میں خیال آیا۔ کہ میں خود ہی زینب کو نکاح میں لے آؤں تاکہ ان تمام زخموں کا مرہم ہوسکے۔ مگر ملک کے رسم ورواج اور جاہلوں کی شورش کے خیال سے آپ اس رائے کو ظاہر نہ کرسکے۔ یہانتک کہ آیات مذکورہ ذیل نازل ہوئیں۔ پس غور سے سنو!

اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (احزاب ع۵)

یعنی آپ اے رسول! یاد ہے تجھے اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا تھا (کہ غلامی سے چھڑا کر آزاد کرایا۔ ہدایت دیکر مسلمان بنایا) اور آپنے بھی اس پر احسان کیا تھا (کہ تربیت کیا۔ یعنی زید کو کہہ رہا تھا) کہ اپنی بیوی زینب کو اپنے پاس رکھ۔ اور طلاق نہ دے اللہ سے ڈر۔ کہ خواہ مخواہ اسکی ہتک کر۔ اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپاتا تھا جسے اللہ کو ظاہر کرنا تھا (کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح کا رواج ہو) اور تو اسکے اظہار کرنے پر لوگوں سے ڈرتا تھا۔ حالانکہ اللہ سے ڈرنے کا زیادہ حق ہے پس جب زید نے زینب کو چھوڑ دیا۔ تو ہم (خدا) نے تیرا نکاح اُس سے کردیا۔ تاکہ مسلمانوں کو لے پالکوں کی بیوی سے نکاح کر لینے میں روک نہو۔ جب وہ (لے پالک) اپنی بیویوں کو چھوڑ دیں۔ اور اللہ کا حکم تو ہوکر ہی رہتا ہے"

ان آیتوں کا ترجمہ ہی بتلا رہا ہے۔ کہ آنحضرت نے زینب سے نکاح اپنی خواہش یا نفسانی غرض سے نہیں کیا۔ بلکہ زید کو بہت سمجھایا۔ مگر میاں بیوی کی سود مزاجی ایسی کچھ مانع ہوئی۔ کہ نہ مانا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ جسکا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا نے آپکو زینب کے نکاح کی اجازت دی۔ چنانچہ زینب کا نکاح اُسکے بھائی ابواحمد نے مجلس میں کرایا (دیکھو سیرت ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد صفحہ ۲۲۴) جس کا ولیمہ بھی بڑی دھوم دھام سے ہوا۔

ہائے! سوامی جی نے کیا ہی سچ فرمایا ہے۔ کہ آگے پیچھے کلام کو نہ ملانے والے بڑے ہی بدباطن اور جاہل ہوتے ہیں۔ (دیکھو مکا صفحہ ۵۲)

دیانندی دوستو! وید کو تمام علوم اور احکام کا مخزن جاننے والو! کہاں ہو؟ کوئی وید منتر بتلاؤ۔ جس کا یہ مضمون ہو۔ کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح کرنا منع ہے۔ تم اکیلے یہ کام نہ کرسکو تو اس فن میں اپنے اُستاد عیسائیوں کو بھی ملالو۔ کہ وہی بائبل کا کوئی درس اس مضمون کا دکھائیں۔ ورنہ ایسی بے تکی اور بہکی بہکی کہنے سے باز آؤ۔ عیسائیو! تمہیں تو خاص طور سے توجہ کرنی چاہیئے۔ تم رومیوں کی ۴ باب کی پندرہ کو کبھی نہیں دیکھتے کہ: "جہاں شریعت نہیں وہاں نافرمانی بھی نہیں"

یہ کیسی فضول گوئی اور دل آزاری ہے۔ جو آپنے کی ہے کہ مسلمان آیت سنا کر اپنی بہو کو بے لیگا۔ کیا آیت مذکورہ کا یہ مطلب ہے کہ مسلمان اپنی بہو کو بے نکاح رکھ سکتے ہیں۔ یا کسی مسلمان کا یہ مذہب اور خیال ہے کہ پیغمبر صاحب کی طرح مجھ پر قرآن نازل ہوتا ہے یا پیغمبر صاحب نے بغیر نکاح کے زینب کو رکھا تھا؟ ہائے کیسا پاپی ہے۔ جو مستکلم کا مطلب بگاڑے (دیباچہ ستیارتھ صفحہ ۴)

آریہ نمبر ۱۰۴

قرآن کی تعلیم ہے کہ غریبی سے مت ڈرو۔ نکاح ضرور کرلو خدا تمہیں امیر کردیگا۔ مانا۔ کہ ایک خاص شخص ایک خاص مالدار عورت کیساتھ نکاح کرکے مالدار ہوگیا۔ مگر کیا یہ حسن اتفاق ہر ایک شخص کو ملسکتا ہے؟ نہیں۔ پھر خدا کا غریبی کی حالت میں نکاح کا حکم چہ معنی دارد؟ اگر امیر بننے کا یہ خدائی نسخہ ہے تب تو بہت اچھا آسان طریقہ ہے مگر میں اہل اسلام کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ایسا

کریں جس صورت میں خود ہی لنگڑے ہوں دوسرے لنگڑے کو سہارا نہ اٹھالیں (سورہ نور پ۲۳)

مسلمان نمبر ۱۰۴

جس آیت کا آپنے حوالہ دیا ہے۔ اسکے الفاظ یہ ہیں غور سے سنو!

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (نور ۳۲)

مطلب آیت کا یہ ہے کہ بیوگان کا (بیوا ہوا) نکاح کر دیا کرو۔ اور جو تمہارے غلام اور لونڈیاں نیک چلن ہوں انکا بھی جوڑ ملا دیا کرو۔ یہ خیال مت کرو۔ کہ انکا گذارہ کیسے ہوگا۔ خدا سب کا روزی رساں ہے۔ چونکہ مجرد رہنے سے دوسرے سخت نقصانات (فحش زناکاری وغیرہ) کا خطرہ ہے اس لئے اس برائی کی بندش کرنے کو نکاح ضرور کر دیا کرو۔ اللہ اُن کو اپنے فضل وکرم سے غنی کر دیگا"

یہ ایک قسم کی تسلی ہے کہ خدا پر بھروسہ کرکے یہ کام کر لو۔ یہ مطلب نہیں۔ کہ نکاح کرنا تجارت کی طرح تحصیل دولت کا ایک ذریعہ ہے۔ سنیئے! آپکے اس غلط گمان کو خدا نے اسی آیت کے متصل ہی یوں رد فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ واقعی قرآن شریف عالم الغیب کا اُتارا ہوا ہے سنو!

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نور ۳۳)

یعنی جن لوگوں کے پاس شادی کے اخراجات کی سکت اور وسعت نہ ہو۔ وہ نکاح نہ کریں اور ضبط سے ہو۔ بدکاری سے بچتے رہیں جبتک کہ خدا اُنکو وسعت عطا کرے"

کہیئے! اگر آپکا مطلب ہوتا۔ کہ نکاح کوئی ذریعہ نجات ہے۔ تو اس آیت میں ایسی جرأت کرنے سے منع کیوں کیا جاتا؟ ہائے کیسا جاہل ہے جو کلام کو آگے پیچھے نہیں دیکھتا (بہو مکا ص۲۸)

بابو صاحب! اگر آپ سچے آریہ ہوتے تو اس آیت کی قدر کرتے کہ اس میں بدھوا بواہ (رانڈ و نکے نکاح) کا صریح حکم ہے۔ مگر ہائے کیسا ضدی اور ستم ہے جو مذہب کی تاریکی میں پھنسکر عقل کو خیرباد کہدے (دیباچہ ستیارتھ ص ک)

قرآن شریف کا مطلب تو سُن چکے ہو۔ اب ذرا وید پال بھی سنیئے! ایشور حکم دیتا ہے؟

"اے گرہ آشرم (خانہ داری) کی خواہش رکھنے والے انسانو! باہمی پسند در ضامندی سے بیاہ کرکے گھر بساؤ اور گرہ آشرم (خانہ داری) میں داخل ہونے سے خوف مت کرو اور اُس سے کانپو۔ تم کو قوت اور حوصلہ کیساتھ یہ ارادہ رکھنا چاہیئے کہ جملہ سامان راحت کو حاصل کریں۔ میں تم کو کل سامان راحت عطا کروں گا"

(یجروید ادھیائے ۳۔ منتر ۴۱)

اب اگر انصاف ہے تو اپنی تماٹک بندی اور منہ زوری اس منتر پر بھی تو کیجیئے!

اصل بات یہ ہے کہ آپ جیسے قرآن شریف سے بیخبر ہیں۔ ایسے ہی وید سے بھی اجنبی خدا معلوم! یہ بیخبری آپکو کہاں کہاں تک پہنچا دیگی۔ کچھ عجب نہیں۔ کہ آپ ویدکے مضامین پر اطلاع پاکر بہت جلد ایک رسالہ ترک وید بھی شایع کر دیگے[۱]

یہ مَیں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں رہیگا
مگر یہ قاتل کے او ستمگر ہمیشہ تو بھی نہیں رہیگا

آریہ نمبر ۱۰۵

قرآن کی تعلیم ہے کہ چچا۔ ماموں وغیرہ نزدیکی رشتوں کی لڑکیاں تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس قدر نزدیکی رشتہ میں شادی کرنا مَیں معیوب سمجھتا ہوں۔ سگے بھائی بہنوں کی اولاد ایک دوسرے کو بھائی بہن کہتی پھرے اور پھر خاص وقت آجانے پر وہ میاں بیوی بن جاویں۔ اہل عرب آپس میں ایک دوسرے قبیلے کے ساتھ دشمنی رکھنے کے سبب لڑکیوں کو اپنے ہی کنبہ میں رکھتے تھے اور دشمن کے قبیلے میں لڑکی دینا کسرشان سمجھتے تھے۔ مگر ہندوستان میں جہاں عرب کے خانہ بدوشوں کی طرح چند آدمیوں کی جھونپڑیاں علیحدہ علیحدہ نہیں تھیں۔ بلکہ وہ عالیشان شہروں میں جو مختلف کنبوں اور قبیلوں اور گوتوں کے آدمیوں سے معمور ہیں آباد ہیں اس قاعدے کا جاری رکھنا شایاں نہیں ہے۔ میں اسکو معیوب سمجھتا ہوں۔ (احزاب ۔۵۰)

[۱] الحمد للہ ہمارا یہ خیال صحیح ثابت ہوا جس کا ثبوت پہلے صفحات میں ہم لکھ آئے ہیں (ترک)

مسلمان نمبر ۱۰۵

بھلے آدمی! بابا سے کبھی اپنے دعویٰ کو کسی دلیل سے ثابت کیا ہوتا یا دہی بات سے جھوٹ کو سچ کر دکھاتا کوئی تم سے سیکھ جا۔

مہاجیو! کوئی وید منتر دکھا سکتے ہو؟ کہ فلاں فلاں عورت سے شادی کرو اور فلاں عورت سے مت کرو تفصیل بتلاؤ۔ تو بات کرو۔ اور اسی کتاب کا ایک نسخہ (الفاظ یاد ہیں) سنیئے! ناطہ نکاح کرنے سے دو نور (میاں بیوی) کے جوڑ کے علاوہ دونوں خاندانوں کا جوڑ ہو جاتا ہے۔ چونکہ چچا ماموں کی اولادیں بہ نسبت دو حقیقی بہن بھائیوں کے دوری آجاتی ہے۔ اس لئے اس دوری کو نزدیک کرنے اور خاندانوں کو ملائے رکھنے اور ایک دوسرے کے ہمدرد بنانے کی غرض سے اس قسم کے رشتے نہائت ضروری ہیں۔ قرآن شریف چونکہ باقی فطرت کی کتاب ہے اسلئے وہ انسان کی سب ضرورتوں کو پورے طور سے ملحوظ رکھتا ہے اور یہی قرآن شریف کا اعلیٰ معجزہ ہے۔ باقی رہا ایسے نزدیکی رشتوں کو آپکا ناپسند کرنا۔ سو یہ ویسی ہی بات ہے جو بعض مغرور آدمی۔ بافندل (جولاہوں) سے رشتہ داری ناپسند کرتے ہیں۔

یہ بھی غلط ہے کہ عرب کے قبیلے بوجہ دشمنی کے ایک دوسرے سے شادیاں نہ کرتے تھے آپ اُن کے دیوان اور قصائد اور حالات قبل از اسلام کو پڑھتے۔ تو کبھی نہ لکھتے مگر ہمیں اس سے مطلب نہیں۔

آریہ نمبر ۱۰۶

قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ اہل اسلام یا اہل قرآن چار سے زیادہ عورتیں ایک وقت میں نہیں کر سکتے۔ مگر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ جو شخص قانون بنائے وہ اپنے آپ کو کیوں مستثنےٰ سمجھے اور نو عورتیں کرے۔ میں اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ قانون بنانیوالا ہی قانون کو توڑ دے۔ اگر قرآن خدا کی طرف سے ہے تو کیا وجہ کہ ایک آدمی کو اس سے مستثنےٰ کر دیا جائے" (نساء۔ ۳)

مسلمان نمبر ۱۰۶

جس آیت کا آپنے حوالا دیا ہے۔ گو اس سے یہ حکم ثابت کرنا۔ کہ چار عورتوں سے زیادہ کیساتھ نکاح کرنا منع ہے ذرا ٹیڑھی کھیر ہے مگر خیر ہم مسلمانوں میں چونکہ یہی مروج ہے خواہ اسکی دلیل یہ آیت ہو یا کوئی حدیث یا اجماع امت اس لئے ہم آپ کو اصل مطلب بتلاتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب یہ آیت اُتری تھی جس میں بقول آپکے چار سے زیادہ نکاح کرنے سے منع ہے اُسوقت ایک اور آیت بھی خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا مکان میں نازل ہوئی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ (احزاب ع ۶)

یعنی اے نبی تجھے آج سے بعد کوئی اور عورت حلال نہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ تو ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ کر اور کو کرے اگرچہ تجھے پسندیدہ معلوم ہو"

اس آیت نے آپکو موجودہ عورتوں کے رکھنے کی اجازت دیکر آئندہ کو منع کر دیا۔ پس ان دونوں آیتوں پر عمل اسی طرح ہو سکتا تھا کہ آئندہ آپ کوئی نیا نکاح نہ کرتے نہ انکو چھوڑتے چنانچہ آپنے ایسا ہی کیا۔ جو دونوں آیتوں کے ملانے سے مطلب ثابت ہوتا ہے اس کا خلاف نہ تو حضور علیہ السلام نے کیا۔ اور نہ کوئی قانون توڑا۔ مگر بقول سوامی دیانند جی عقل سے خالی آگے پیچھے کو نہ دیکھنے والے بد باطن ایسے رازوں سے آگاہ نہوں تو قصور کس کا؟ (بھومکا صفحہ ۵۲)

آریہ نمبر ۱۰۷

قرآن کریم کی تعلیم ہے کہ اے رسول! (خطاب از جانب خدا) ہم تم کو یہ خبریں غیب کی سناتے ہیں تو اور تیری قوم اس سے بالکل بیخبر تھے۔ حاضرین! اس وحی سے پہلے مختلف قصے نوح۔ ابراہیم وغیرہ کے بیان کئے گئے ہیں۔ اور اُن کو غیب کی بات کہا گیا ہے۔ کیا جن کو اہل عرب پہلے نہیں جانتے تھے۔ بائبل کے پڑھنے والے دوسرے لوگ بھی اس سے بیخبر تھے؟ سچ ہے۔ کہ قرآن کا وجود ہونے سے پہلے ابراہیم نوح موسے وغیرہ کے مفصل قصے بائیبل میں موجود تھے پھر اسکو غیب کی بات کہنا اور الہام کا دم بھرنا۔ سراسر غلطی ہے معلوم

نہیں خدا کو بائیبل کا خلاصہ بنانے کیلئے کیوں جبرائیل بھیجنے کی ضرورت پڑی؟ میں بائیبل کو قرآن سے زیادہ مستند سمجھتا ہوں گر دونوں کو ہی پایہ الہام سے ساقط تصور کرتا ہوں (ہود۔ ۱م)

مسلمان نمبر ۱۰

قرآن شریف کے الہامی ہونے کا مطلب آپکے گرو جی نے بھی نہیں سمجھا۔ تو آپکی کیا شکایت؟ قرآن شریف کے الہامی ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ قرآن کے موجودہ الفاظ خدا تعالےٰ کے الہام اور وحی سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائے گئے اور انہوں نے وہی الفاظ اپنی امت کو پہنچائے۔ خواہ اس سے پہلے بھی قصے اور احکام اس ذریعہ سے خدا نے اپنے رسول کو پہنچائے۔ تو یہی الہامی اور وحی اور یقینی سمجھے گئے۔ کیونکہ رجسٹرڈ ہو کر پہنچے ہیں۔ اسکی مثال اگر اپنے محاورے میں سننی چاہو۔ تو سنو؟ جس طرح موجودہ ویدوں سے پہلے ہی (بقول آریہ سماج) یہی مضامین پہلی دنیا میں بھی موجود تھے مگر باایں ہمہ آریہ سماج موجودہ ویدوں کو الہامی مانتی ہے۔ تو کیا کوئی اس پر یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ موجودہ ویدوں سے پہلے بھی تو یہ مضامین پہلی دنیا میں تھے۔ پھر یہ الہامی کیونکر ہوئے۔

بابو صاحب ٹھیک اسی طرح قرآن شریف کی مثال ہے قرآن خود کہتا ہے

إِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (شعراء ع ۱۱)

یعنی قرآن شریف پہلے نبیوں کی کتابوں میں ہے۔ قرآن شریف خود بتلاتا ہے کہ میں پہلی کتابوں کے سچے مضامین کی تصدیق کرتا ہوں اور ساتھ ہی انکی غلطیوں پر اطلاع دیتا ہوں۔ سنو!

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (سورہ مائدہ ع ۷)

یعنی قرآن اپنے سے پہلے مضامین کی تصدیق کرتا ہے اور ان پر نگہبان بھی ہے کہ جو مضامین غلط گوؤں کی غلط گوئی سے اُن میں آملے ہیں۔ اُن کی چھانٹ کرتا ہے اور چنانچہ بتلاتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ

یعنی جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ خدا تین ہیں۔ وہ کافر ہیں"

یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کا بیان بعض مواقع پر کتب سابقہ سے مخالف ہو جاتا ہے جسکو عیسائی اپنی غلط فہمی سے قرآن کی تکذیب کا ذریعہ بناتے ہیں حالانکہ یہ مخالفت اُن کتب کی بے اعتباری کیوجہ ہو سکتی ہے کیونکہ ان کتابوں کو بھی یہ رتبہ حاصل نہیں ہوا۔ کہ وہ قرآن شریف جیسی کتاب سے مقابلہ کر سکیں اُن کے مصنف خود بتلاتے ہیں کہ ہم نے جو لکھا سُن[1] سنا کر۔ یہی مصنفین اس بات کے بھی قائل ہیں کہ بہت سے واقعات ہم نے نہیں لکھے۔ بلکہ اگر تمام لکھے جاتے تو ان کے لکھنے سے جو کتابیں بنتیں وہ تمام دنیا میں نہ سما[2] سکتیں۔ (کیا یہ الہامی مبالغہ ہے یا واقعی ہے؟)

علاوہ اسکے افسوس تو یہ ہے۔ کہ آریہ سماج کیا اور عیسائی یہودی کیا سب کے سب قرآن شریف کی غرض وغائت سے بالکل بیخبر ہیں۔ وہ اتنا ہی جانتے ہیں کہ قرآن صرف قصوں کا ایک مجموعہ ہے۔ پس اُسکی کیا ضرورت ہے۔ عقلمندوں کو ہماری کتاب تقابل ثلاثہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

آریہ نمبر ۱۰۸

قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے اس کو بذریعہ وحی اپنے پیغمبر پر نازل کیا ہے۔ مگر کیا خدا اور اس کا جبرائیل محض موسےٰ عیسیٰ ابراہیم نوح لوط وغیرہ بائیبلی ناموں سے ہی واقف تھے۔ کیا اُن کو ہندوستان کے رشی منی۔ پانڈو کورو۔ رام چندر اور سیتا۔ بکرماجیت گوتم بدھ کناد۔ پتنجلی وغیرہ کے نام نہیں آتے تھے۔ اور کیا یہ سب کے سب عیسیٰ موسیٰ سے کچھ کم تھے۔ پھر وحی شریف اور قرآن شریف میں ان کا نام کیوں نہ آیا۔

۱۰۹ قرآن شریف کی تعلیم ہے۔ کہ اہل کتاب نے جن سے مراد یہودی اور

[1] انجیل لوقا شروع۔ [2] یوحنا ۲۱ باب کی ۲۵

نصاریٰ وغیرہ لوگ ہیں۔ انجیل اور توریت میں کچھ اَدل بدل کر دیا ہے۔ انجیل اور توریت کے علاوہ زبور اور دیگر صحائف انبیاء کا بھی بہل سا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ مگر اس میں وید شاستر ژند اوستھا وغیرہ کتابوں کا کہیں نام نہیں آیا۔

مسلمان نمبر ۱۰ —
بلا سے کوئی ادا اُن کی بدنما ہو جائے
کسی طرح سے تو مٹ جائے ولولہ دل کا

ان دونوں نمبروں کا خلاصہ ایک ہی فقرے میں ہے۔ کہ ہندوستان وغیرہ کے برگزیدوں اور واقعات کا ذکر قرآن شریف میں کیوں نہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اُن کے ذکر کرنے کا مقتضی اور سبب تھا۔ اس قسم کے سوالات سنکر بیساختہ ہنسی آتی ہے۔ کہ ان لوگوں نے خدا کی کتاب (قرآن شریف) کو ہسٹری آف ورلڈ (دنیا کی تاریخ) سمجھ رکھا ہے۔ وید کو تمام علوم اور سائنس کی کان کہا جاتا ہے مگر جب یہ سوال ہو۔ کہ بتلاؤ۔ کہ آدمی کے کتنے اجزا وید نے بتلائے ہیں تو اتنا ہی کہکر جان چھڑائی جاتی ہے۔ کہ وید میں بالتفصیل نہیں بالاجمال سب کچھ ہے اس پہلو سے بھی سوال ہوتا۔ تو امیر خسرو کے بڑے گلے کی طرح بتلایا جاتا ہے کہ دیکھو! بیماری میں پرہیز کرنیکا حکم ہے تو یہ علم طب کے اصول ہیں (دیکھو مکالمہ ۱۲۹)

سنو! قرآن شریف ایک مذہبی لیکچر ہے۔ جس طرح لیکچرار اپنے مخاطبوں کو سمجھاتا ہوا کہیں کوئی تمثیل دیتا ہے۔ کہیں کوئی قصہ اور حکایت بھی بتلاتا ہے۔ کہیں اجمال سے تو کہیں تفصیل سے۔ قصے بتلانے سے چونکہ اُس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حاضرین میرے لیکچر کا مضمون کچھ بی سمجھ لیں۔ اس لئے وہ ایسے قصے بتلاتا ہے جن سے وہ مانوس ہوں۔ جن لوگوں کے ناموں سے اُن کے کان آشنا ہوں۔ یہ نہیں کہ ہندوستانیوں کے سمجھانے کو انگلینڈ کے اُن لوگوں کے واقعات سنادیں۔ جن کو جانتے بھی نہوں۔ ٹھیک اسی طرح قرآن شریف کی روش ہے۔ کیونکہ اوّل مخاطب اس کے عرب کے لوگ تھے۔ اسی لئے اُن کو

سمجھانے کیلئے اُنہی قوموں اور نبیوں کے قصے سنائے جاتے ہیں۔ جن کے ناموں سے اُن کے کان آشنا تھے۔ ہاں باقی دنیا کی نسبت اُسی واعظانہ طرز سے بالاجمال اتنا کہہ دیا جاتا ہے۔

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ع ۳) اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

یعنے ہر ایک قوم میں کوئی نہ کوئی خدا کے عذاب سے ڈرانیوالا ہو گذرا ہے۔

تو اے نبی لوگوں کو عذاب سے ڈرانیوالا ہے۔ اور ہر ایک قوم کے لئے ہادی ہوا کرتے تھے۔

پس بابو صاحب اپنے سوال کی اس عبارت کو (کہ کیا خدا اور اس کا جبرائیل موسیٰ۔ عیسےٰ وغیرہ ناموں سے واقف تھے۔ اُن کو ہندوستان کے رشیوں کے نام نہ آتے تھے؟) اس طرح صحیح کیجئے کہ کیا عرب کے لوگ موسیٰ عیسیٰ وغیرہ نبیوں کو جانتے تھے۔ ہندوستان کے رشیوں کو نہ جانتے تھے؟ تو اس کے جواب میں ہم بالکل بے تامل کہدینگے۔ کہ بیشک نہ جانتے تھے۔ خدا جاننے کی نسبت قرآن خود بتلاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن)

"یعنی ہم نے تجھ سے پہلے کئی ایک رسول بھیجے۔ جن میں بعض کے قصے ہم نے تجکو بتلائے ہیں۔ اور بعض کے نہیں"

کہیے! عقل بڑی یا بھینس؟

آریہ نمبر ۱۱ — قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ قسم مت کھاؤ۔ مگر خدا نے بذریعہ وحی کہ زیتون۔ گھوڑوں۔ ہواؤں وغیرہ کی قسمیں کھائی تھیں۔ کیا وجہ کہ خدا نے ہمالیہ۔ ایلپیس۔ بندیاچل پہاڑوں اور ہندوستان کے آڑو۔ آلوچوں۔ سنگتروں۔ اور بھینس۔ ہاتھی وغیرہ کی کہیں قسم نہ کھائی۔

مسلمان نمبر ۱۱ — آج تک تو ہم یہ مثال سنا ہی کرتے تھے کہ "دروغگو تم بردئے تو"

ترکِ اسلام کو دیکھکر یقین ہوا کہ دنیا میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو منہ پر جھوٹ بول جاتے ہیں۔ چونکہ یہی دعویٰ بابو صاحب نے نمبر ۱۴ میں بھی کیا تھا۔ اس لئے اُسی نمبر میں اس کا جواب مل چکا ہے۔

آریہ نمبر ۱۱۱ قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ خدا نے اَنْ پڑھوں میں اَنْ پڑھ رسول بھیجا۔ تو کیا پڑھے لکھے عالم فاضل لوگوں کیلئے ایک اَنْ پڑھ کی بات قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے ؟ (جمعہ۔ ع ۲)

مسلمان نمبر ۱۱۱ کیا ہی اچھا اصول ہے۔ مگر افسوس بی۔ اے ہو کر انگریزی اردو فارسی عربی سے محض بیخبر۔ دیانند جی کے کیوں پیرو بنے۔ اور انہوں نے باوجود سنسکرت کے ودوان (عالم) ہونے کے اگنی وایو وغیرہ اَن پڑھوں کی پیروی اور غلامی کیوں اختیار کی ؟ اگر کہو۔ کہ ان کو ایشور نے الہام سے سب کچھ پڑھا دیا تھا تو سنیئے! تمہارے پاس تو اس دعویٰ کا کوئی ثبوت نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ وید سے بھی اس کا ثبوت نہیں دیسکتے۔ قرآن سے سنیئے! خدا فرماتا ہے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (نساء ۱۱۷)

یعنی اے نبی جو کچھ تو نہ جانتا تھا۔ خدا نے تجھے سکھا دیا۔ تجھ پر خدا کا بہت بڑا فضل ہے۔ سماجیو! اگر کچھ رکھتے ہو۔ تو لاؤ۔ دکھاؤ۔ جس سے اسی طرح اگنی۔ وایو وغیرہ کے الہام کا دعویٰ ثابت ہو۔ اور تم اُس فرض سے سبکدوش ہو جاؤ۔ ؎

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

آریہ نمبر ۱۱۲ قرآن کی تعلیم کہ خدا نے اس کو عربی میں نازل کیا۔ یہ اس لئے کہ لوگ اس کی عجمی زبان میں ہونے پر کہیں یہ نہ کہدیں۔ کہ ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ بھلا خدا کو کیا معلوم نہ تھا کہ دوسرے لوگ جو عربی نہیں جانتے۔ وہ عربوں کا

اعتراض پیش کرینگے (حم سجدہ۔ ۴۴)

مسلمان نمبر ۱۱۲ بابو صاحب! ہر کلام کا مطلب اُس کے عالم سے پوچھنا چاہیئے! یوں تو قرآن شریف کے مخاطب سب لوگ ہیں چنانچہ ارشاد ہے

مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا ۳۷)

یعنی ہم (خدا) نے تجھکو (اے نبی) تمام لوگوں کیلئے راہنما کر کے بھیجا ہے۔

مگر چونکہ عرب کے لوگ ان سب سے اول طبقہ میں تھے اور سب سے مقدم حق رکھتے تھے۔ پھر انہی کے ذریعہ تمام لوگوں کو قرآن پہنچایا جاتا تھا۔ اس لئے فرمایا

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (یوسف ع ۱)

یعنی ہم (خدا) نے قرآن کو عربی زبان میں اس لئے اتارا ہے کہ تم اے عرب کے لوگو! اسے سمجھو!

دور کیوں جاتے ہو۔ اپنے میں مثال لو۔ دیانند جی نے اُس زبان میں کتابیں لکھیں جو وہ جانتے تھے۔ حالانکہ اُن کے مخاطب تمام دنیا کے لوگ ہیں۔ قرآن اور بائیبل کا (بزعم خود) رد کیا۔ تو ناگری میں۔ حالانکہ دونوں کتابوں کے ماننے والے ناگری کم جانتے ہیں۔ پھر ان کتابوں کا آریہ سماج نے سب سے پہلے ترجمہ کیا تو ملک کی عام زبان اردو میں کیا۔ کیوں سب سے پہلے ترکی روسی جرمنی فرنچ وغیرہ زبانوں میں نہ کیا ؟ اسی لئے نہیں کیا۔ کہ پہلے وہ لوگ تو سوامی جی کا مطلب سمجھ لیں۔ جن میں خود سوامی جی پیدا ہوئے جن کو وہ سمجھانے کے درپے تھے۔ یہی وجہ قرآن کے عربی میں آنے کی ہوئی۔ چنانچہ قرآن شریف خود بتلاتا ہے جس آیت کا آپنے حوالہ دیا ہے۔ وہ بھی تو یہی مضمون ادا کرتی ہے۔ غور سے سنو!

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ (حم سجدہ ع ۵)

یعنی اگر ہم (خدا) قرآن کو کسی عجمی (عرب کے سوا کسی اور) زبان میں نازل کرتے تو عرب کے لوگ کہتے کہ یہ کبھی ہوا ہے۔ کہ کلام عجمی ہو۔ اور مخاطب عربی ؟

کون اسے سمجھے اور کون اس پر عمل کرے۔ اور کون اسے لوگوں میں پھیلاوے؟ بلکہ وہ یہ بھی کہتے کہ یہ تو ماجرئی ایسا ہے کہ سوامی دیانندجی کی تصنیف کا ترجمہ اردو میں تو ہوا نہیں مگر روسی اور ترکی زبان میں کیا جاوے۔ اینچہ بوالعجبی است۔

آریہ نمبر ۱۱۳ قرآن کی تعلیم ہے خدا کے کلمات تبدیل نہیں ہو سکتے اگر کلمات سے مراد ہم قانون قدرت لیں تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قرآن کس قدر قانون قدرت کے خلاف باتوں اور لغویات سے بھرا ہوا ہے۔ اگر کلمات کے معنے محض باتوں یا آیتوں کے لیں تو بھی ہم دیکھ سکتے ہیں۔ کہ ایک آیت کو بدل کر دوسری آیت نازل کی گئی ہے (انعام۔ ۱۱۳)

مسلمان نمبر ۱۱۳ ہائے کیا ظالم ہے جو متکلم کا مطلب نہ سمجھے (دیباچہ ستیارتھ) بابو صاحب! آپکا کیا ہرج تھا۔ کہ آپ قرآن شریف کسی محقق عالم سے پڑھ لیتے۔ پھر آپکا اختیار تھا۔ آریہ نہیں۔ دہریہ ہوجاتے بلا سے۔ مگر قرآن شریف کے مضامین پر تو کامل عبور آپ کو ہوتا۔ سنیئے! کلمات سے مراد معلومات اللہ یعنی خدا تعالٰے نے جس چیز کو جس اندازہ پر جانا ہے اس سے کم و بیش نہیں ہو سکتی۔ اپنے گرو کے دستخط چاہو۔ تو ستیارتھ ص۲۸۲ کو ملاحظہ کرو۔ قانون قدرت وغیرہ باتوں کا جواب پہلے کئی دفعہ آچکا ہے نسخ کے متعلق تفسیر ثنائی جلد اول یا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ فوز الکبیر مطالعہ کرو۔ پھر دکھلاؤ۔ کہ قرآن شریف میں کتنی آیتیں منسوخ ہیں اور کیوں ہیں؟ اگر کوئی کہدے کہ قرآن شریف میں کوئی آیت منسوخ نہیں۔ تو آپ اسکو نسخ کا ثبوت کیا دیںگے؟

آریہ نمبر ۱۱۴ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ اے محمد لوگوں کو جو کافر ہیں۔ کہدے۔ کہ وہ اور اُن کے معبود قرآن جیسی کتاب بنا لاویں۔ اگر وہ سچے ہیں۔ اور وہ تحقیق نہیں بنا سکیں گے پس وہ

دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ حاضرین! کیا کسی کتاب کے منجانب اللہ ہونے کی یہ کوئی دلیل ہے۔ کہ اس کا ثانی کوئی نہیں بنا سکتا۔ ہرگز نہیں اگر یہی بات ہو۔ تو شاید شکسپیر کے تمام ناٹک اور مکالمے کے مضامین جو اپنی طرز میں بالکل نرالے ہیں۔ سب منجانب اللہ ہی سمجھنے چاہئیں اور اسی طرح ایک شیر خوار بچّے کی اوٹ پٹانگ بات چیت بھی کہ جس کی نقل کوئی نہیں کر سکتا منجانب اللہ ہی ہونی چاہیئے۔ کیا اگر کوئی آدمی چیل اور کوّوں کی طرح کائیں کائیں۔ یا بندر کی طرح چر چر۔ یا چڑیوں کی طرح چوں چوں نہیں کر سکتا۔ تو اس کے معنے ہونگے کہ بندر کوے اور چڑیاں سب خدا کی بولی بول رہے ہیں؟ مطلق نہیں۔ اس بات کو نظر انداز کر کے اگر یہ کہا جاوے۔ کہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت کی کیا تعریف ہے۔ کیا یہ کہ ایک قصّہ کو سینکڑوں دفعہ بار بار دُہرایا جاوے اور ایک ہی مضمون کو بار بار لایا جاوے۔ اور ایک ہی فقرے کو مکرر سہ کرر لکھا جاوے۔ اور مکڑی کا ہیڈنگ دیکر شیر۔ بھیڑیوں وغیرہ کا حال لکھدیا جاوے۔ شہد کی مکھی پر مضمون لکھنے کے وقت بابا آدم وغیرہ کے قصے نہ دیئے جائیں۔

مسلمان نمبر ۱۱۴ بابو صاحب! کیا ضرورت تھی؟ کہ آپ پورے ایک سو سو سوال کرتے۔ صرف ۱۶ ہی کرتے مگر معقول کرتے مطلب تو یہ ہے کہ عرب کے لوگ جو اپنی زبان دانی کے زعم میں دوسری قوموں کو عجمی یعنی گونگے جانتے تھے۔ نظم و نثر میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اُن کے سامنے ایک ایسے شخص نے دعوے کیا۔ جس کو اُمّی (اَن پڑھ) کہتے تھے۔ کہ یہ کلام الہام سے کہتا ہوں۔ اور دعوی کرتا ہوں۔ کہ یہ بےمثل فصیح و بلیغ ہے۔ اگر تم میرے الہام کے دعوے کو نہیں مانتے تو یہی ایک دلیل فیصلہ کن ہے۔ کہ اس کلام جیسا کلام بنا لاؤ۔ اور

میں دعویٰ سے کہتا ہوں۔ کہ کبھی بھی نہ لاسکو گے[1]۔ گو تم تمام ایک دوسرے کے مددگار بن جاؤ۔ پس آپ ہی بتلاویں؟ ایک زبان دان قوم کے سامنے جو اپنی زبان دانی میں کامل مہارت رکھتی ہو۔ یہ دعویٰ کرنا اور پھر اُن کو خاموش کرا دینا اپنے دعویٰ کی تصدیق کرا دینا نہیں تو کیا ہے؟ اس پر آپ نے جن لوگوں کے نام لئے ہیں۔ انہوں نے بے مثل ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ نہ اہل زبان نے ان کے کلام کو ایسا بےمثل مانا ہے۔ کہ باوجود للکارنے کے بھی کوئی نہ بنا سکے اب آپ کو اختیار ہے کہ کوؤں کی کائیں کائیں کو پسند کریں۔ یا گھوڑوں کی ہنہناہٹ کو۔ کون منع کرتا ہے؟ بے سمجھی سے ایسی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ فصاحت بلاغت کے معنے آپ کو معلوم نہ تھے تو کس نے کہا تھا۔ کہ ایسی جلدی قرآن شریف پر معترض ہو۔ تعجب ہے۔ آپ بی اے ہو کر ایسی بہکی بہکی باتیں کہتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے۔ کہ ایک ہی سوال پر متعدد طلباء جواب مضمون لکھتے ہیں۔ مگر ان میں ایک دو ہی قابل تعریف ہوتے ہیں۔ ایک ہی قصے کو بار بار ایک تو اسی غرض سے بیان کیا گیا ہے۔ جو ہم ۱۰۹ میں بتلا آئے ہیں۔ دوم آپ جیسے معترض یہ بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ اس جیسا کلام کیونکر لاویں۔ اگر بعینہٖ ویسا ہی ہو۔ تو مسلمان کہیں گے۔ یہ تو قرآن کی سورت ہے۔ اور اگر اسکے

[1] ہمارے زمانے کے روشن دماغ مرزا صاحب قادیانی بھی بےمثل عربی لکھنے کا دعویٰ کرتے تھے مگر جب کبھی کوئی تحریر ایسی نکالتے تھے۔ تو اُس کو ایک وقت سے مقید کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خود اس معجزے پر یقین نہیں۔ مگر قرآن شریف نے کسی خاص وقت تک محدود نہیں کیا (طبع اول)
ان کا جواب قادیانی مصنف نے دیا ہے کہ مرزا صاحب اس لئے اپنے معجزے کو قرآن کی طرح غیر محدود نہیں کرتے کہ اپنے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری پسند نہیں کرتے"
(نور الدین ص۲۳۳)
بہت خوب! ہمیں بھی یہی کہلوانا تھا۔ کہ مرزا جی کا دعویٰ قرآنی دعوے کے برابر نہیں
چہ نسبت خاک را با عالم پاک (ثرک)

خلاف ہو۔ تو مثل نہ مانینگے۔ ان کو بتلانے کیلئے ایک ہی قصہ کو مختصر پیراؤں میں سنایا ہے۔ کہ تم بھی اسی طرح قرآن شریف کے کسی قصے کو کسی عمدہ اسلوب سے بیان کردو۔ پھر کلام کی صفائی اور فصاحت اور بلاغت اہل زبان خود ہی جانچ لیں گے۔ اب آپکا اختیار ہے۔ کہ بقاعدہ تناسخ جس جون (قالب) کو پسند کریں۔ ان کی زبان سنیں۔ بندر کی چیر چیر۔ یا چڑیوں کی چوں چوں۔ یہ سب بے سمجھی کی دلیل ہے۔

آریہ نمبر ۱۱۵ قرآن کی تعلیم ہے۔ اے رسول تو لوگوں کو سنا دے اگر قرآن خدا کی طرف سے نہ ہوتا۔ تو اس کی باتوں میں اختلاف پایا جاتا۔ لیکن سوچئے کن کا دم بھرنا۔ مگر پھر بھی چھ دن میں زمین و آسمان کا بنانا۔ ماں اور باپ کے نطفہ سے انسانی پیدائش کی تعلیم مگر آدم کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسٰے کو بغیر باپ کے پیدا کرنا۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ (خدا کے قوانین بدل نہیں سکتے) کا دم مارنا مگر پھر بھی لاٹھیوں کے سانپ بنانا۔ اور پتھروں میں سے اونٹوں کا پیدا کرنا۔ خدا اقدوس ہونا۔ مگر پھر بھی اس کا مکار اور فریبی لڑاکا۔ گمراہ کنندہ خالق شر ہونا وغیرہ وغیرہ باتیں کس قدر مختلف ہیں (نساء ۸۲)

مسلمان نمبر ۱۱۵ ع سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست
ان سب باتوں کے جوابات پہلے ہو چکے ہیں۔ ہاں صرف قرآن شریف کی اس آئت کے معنے بتلاتے ہیں۔ پس سنیئے! قرآن شریف کی آئت زیر بحث میں منافقوں کا ذکر ہے۔ اور منافقوں (یعنی ان لوگوں کے جو ظاہر میں تو مسلمان بنتے۔ مگر دل سے کافر ہوتے تھے[illegible]) کے خفیہ راز عموماً قرآن شریف میں بتلائے جاتے تھے۔ جو بالکل حرف بحرف صحیح ہوتے اُن حالات کی نسبت خدا فرماتا ہے۔ پس سنو!
وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ

الَّذِیْ تَقُوْلُ وَاللّٰہُ یَکْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (نساء ع)

"یعنی منافق تمہارے سامنے آکر حضور حضور کہتے ہیں اور اپنی تابعداری کا اظہار کرتے ہیں مگر جب تمہارے پاس سے الگ ہوتے ہیں۔ تو بہت سے لوگ ان میں سے اپنے ہی کہنے کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ کیا یہ قرآن میں فکر نہیں کرتے اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور سے آیا ہوتا تو ضرور اس میں اختلاف پاتے"

یعنی اُن کے راز کی خبریں جو قرآن میں بتلائی جاتی ہیں۔ جنکو یہ خود بھی جانتے ہیں۔ وہ کبھی غلط ہوتیں اور کبھی صحیح۔ حالانکہ ایک بھی غلط نہیں۔

یا یہ معنے کہ قرآن میں جو خبریں بطور پیشگوئیوں کے بتلائی جاتی ہیں وہ ہمیشہ سچی ہوتی ہیں۔ ایک بھی غلط نہیں نکلتی۔ اگر غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو کوئی نہ کوئی ضرور غلط ہوتی۔

یا یہ معنے کہ قرآن تئیس سال کا مجموعہ ہے۔ مگر جس انداز سے پیغمبر خدا نے شروع سے زہد اور توحید وغیرہ کی تعلیم شروع کی۔ اخیر عمر تک اُسی انداز پر رہی۔ حالانکہ تئیس سال کی عمر ایک ربع صدی ہے۔ جس میں انسان کے کئی طرح سے خیالات بدلتے ہیں۔ خود آنحضرت ایک غریبی کس مپرسی کی تکلیف سے بادشاہی ریاست حکومت تک پہنچے تھے۔ مگر تعلیم جیسی ابتدا سے تھی ویسی ہی رہی۔

یا یہ معنے کہ عموماً شعرا اور خطیبوں کی حالت ہوتی تھی۔ کہ بعض مضمونوں میں تو اعلےٰ درجے کے گویا ہوتے تھے۔ لیکن دوسروں میں ایسے نہیں۔ چنانچہ عرب کے مشہور شاعر امرء القیس کو شراب۔ کباب تعیش کا مضمون باندھنے میں اعلےٰ درجہ کی دسترس تھی۔ مگر مرثیہ گوئی وغیرہ مضامین میں قافیہ تنگ ہوجاتا تھا۔ علی ہذا القیاس ہندوستان کے شعراء ذوق غالب وغیرہ کی بھی یہی

حالت تھی کہ ایک آدھ مضمون میں تو اعلےٰ درجہ کی فصاحت کا اظہار کرسکتے تھے مگر باقی مضامین میں فرق آجاتا تھا۔ لیکن قرآن کی فصاحت ہے کہ قصص ہیں تو اعلےٰ درجے کے فصیح۔ احکام ہیں۔ تو اُن کے مساوی۔ امثال ہیں۔ تو نہائت عالیشان۔ خطبات ہیں، تو ویسے۔ پس آئت کا یہ مطلب ہے۔ اگر قرآن خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے آیا ہوتا۔ تو ضرور اسکی فصاحت بلاغت میں فرق آجاتا۔ باقی سوالات کے جوابات سابقہ نمبروں میں ہوچکے ہیں۔

آریہ نمبر ۱۱۶

قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ وہ لوگوں کے لئے ہدائت ہے۔ میں پوچھتا ہوں۔ کہ خدا کی کلام۔ اور وہ بھی لوگوں کی ہدائت کے لئے۔ مگر اس میں معموں اور بوجھارتوں کا کیا مطلب؟ اب تک بڑے بڑے مفسّر اور فصیح البیان۔ حتیٰ کہ خود رسول خدا کے اصحاب بھی زور لگا چکے۔ مگر قرآن کے حروف مقطع کا اصل مطلب کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر سب کو یہ کہنا پڑا کہ یہ ایک بھید ہے۔ جس کو خدا ہی جانتا ہے۔ بھلا بتلائیے! ہدائت تو لوگوں کے لئے۔ مگر بھید کن کے لئے۔ مجھے سوائے پڑھنے خدا۔ اس کے علاوہ کتنی ہی آئتیں ایسی ہیں۔ کہ جب تک آپ تفسیر اور حدیث لے کر نہ بیٹھیں۔ ٹکریں مارئیے۔ لیکن مطلب سمجھ میں نہیں آئیگا مشتے نمونہ از خروارے دیکھئے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ (سورہ فیل)

یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا۔ کہ تیرے خدا نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (سورہ کوثر)

یعنی تیری بزرگی کی قسم کہ وہ شخص ابتر ہے وغیرہ وغیرہ ہزاروں آئتیں ہیں کہ حدیث کو برطرف کیجئے۔ تفسیر کو الگ رکھ لیجئے۔ اور پھر کوئی شخص بتائے۔ کہ اصحاب الفیل اور ابتر کیا معنے ہیں؟

مسلمان نمبر ۱۱۶

اللہ اللہ! ایک معجزہ تو اس سورت کیوجہ سے اسوقت ظاہر ہوا تھا۔ جب یہ نازل ہوئی تھی۔ یعنی

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (سورۂ کوثر)

جب نازل ہوئی۔ تو ایک فصیح اللسان شاعر نے بیساختہ کہدیا

مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ

(یہ آدمی کا کلام نہیں)

ایک تو اس سورت کا یہ اعجاز تھا۔ کہ مخالف نے صاف اقرار کیا۔ یہ کلام آدمی کا نہیں۔ مگر اس معجزے سے اعلےٰ اور واضح معجزہ اس صورت کے ذریعے سے خدا نے اس زمانے میں بھی ظاہر کیا۔ کہ بیچارے پا بو عبد الغفور بی۔ اے دھرمپال) باوجود ایسے دعویٰ ہمہ دانی کے اس سورت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ کہ تیری بزرگی کی قسم کہ وہ شخص ابتر ہے" پھر اس پر اعتراض جماتے ہیں۔ سبحان اللہ کسی عربی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

وَإِذَا أَتَتْكَ مَذَمَّتِي مِنْ نَاقِصٍ　فَهِيَ الشَّهَادَةُ لِي بِأَنِّي كَامِلُ

"یعنی جب ناقص سمجھ کے لوگ میری مذمت اور ہجو کریں۔ تو بس وہی تو میرے کمال کی دلیل ہے"

آپنے سمجھا کہ اس سورت میں جو شَانِئَكَ ہے اسکے معنی شان کے ہیں اسی طرح ایک جاہل ملا سے کسی عامی آدمی نے اس سورت کے معنے پوچھے گر خیریت سے انہوں نے بھی قرآن شریف کا ترجمہ کبھی چھوا تک نہ تھا۔ انکی بلا سے لیکن چونکہ عوام میں مولوی کے نام سے مشہور تھے۔ ترجمہ بتا ئیسے انکار بھی نہ کر سکے۔ آخر کہا۔ تو یہ کہا ؎

شان سے شان پیمبر ہے مراد　اس کو گر ابتر کہوں ہووے فساد

سماجیو! سنو! آیت کے معنے یہ ہیں۔ بیشک تیرا دشمن پیچھا کٹا ہوا یعنی ذلیل ہے سچ پوچھو! تو آپ جیسے علم و فضل کے مدعی سے ایسا ترجمہ ہونا بھی اس آیت کا

زندہ ثبوت ہے۔ کیونکہ آپ بھی تو اس وقت سید الانبیاء کے سابقہ دشمنوں سے کم نہیں۔ پس ضرور تھا۔ کہ آپ بھی اس ذلت اور خواری سے حصہ لیتے۔ جس ذلت کی اس آیت میں انکے لئے خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ اس ترجمہ نے آپ کی علمی پردہ دری کر کے زندہ معجزہ دکھایا۔ فالحمد للہ

مطلب یہ ہے کہ (اے نبی) جو لوگ تجھ سے عداوت کرتے ہیں تیرے دین کی اشاعت میں حارج ہوتے ہیں۔ اور تیری تبلیغ کو ملیا میٹ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسے ملیا میٹ ہو جائیں گے۔ کہ اُن کا نام بھی کوئی نہ لیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور الحمد للہ۔

قرآن شریف کے اصلی مضامین کا سمجھنا نہ تو حدیث پر موقوف ہے اور نہ ہی کسی مفسر کے قول پر۔ اعتبار نہو۔ تو ہماری تفسیر تَفْسِيرُ الْقُرْآنِ بِكَلَامِ الرَّحْمٰنِ ملاحظہ کرو۔ البتہ جیسا کسی مجمل بلکہ واضح مضمون کا سمجھنا بھی اوستاد کی تقریر سے ہوتا ہے اسی قدر قرآن کو بھی کسی حدیث یا تفسیر کی ضرورت ہے۔ ہاں ایسے واقعات جو بوجہ مشہور اور زبان زد ہونے اہل زبان کے اشارتًا بتلائے گئے ہیں اُن واقعات کی تحقیق کتب حدیث یا تواریخ سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً عرب میں عمومًا اور مکہ شریف میں خصوصًا فیل (ہاتھی) کا قصہ مشہور تھا۔ کہ ایک زمانے میں یمن کے حاکم نے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا تھا۔ جس میں ناکام رہا تھا۔ اُس مشہور قصے کی طرف مجملًا اشارہ ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (فیل)

یعنی کیا تمہیں معلوم نہیں۔ کہ پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا تھا۔ ان کو ناکام کیا برباد کیا" وغیرہ

اس سے قرآن شریف کا اجمال یا اہمال تو کیا بلکہ نہایت کمال معلوم ہوتا ہے کہ مشہور قصے کو جو ہر ایک کی زبان پر جاری تھا۔ اشارتًا بتلا کر اصل مطلب پر واضح لفظوں میں اطلاع دی۔ کلام میں نقص یا اہمال تو یہ ہوتا ہے کہ اس کا مطلب ذہن نشین

نہ ہو سکے۔ یہ نہیں۔ کہ کسی مشہور قصے کی طرف بالاجمال اشارہ ہو تو کلام میں نقص آئے۔ ایسا کہنے والوں کو ذوق صحیح حاصل کرنا چاہیئے۔ ویدوں میں تو ایسا اجمال بلکہ اہمال ہے۔ کہ شاید ہی کسی کتاب میں ہو کسی مشہور قصے کی تو اُن کو حاجت ہی نہیں کیونکہ بقول آریہ سماج اُن کی عمر تو خدا کی عمر کے برابر ہے پھر ان میں قصے اور قصوں کے اشارے کہاں؟ بلکہ نفس مضمون میں خرابی اور نقص ہیں

سماجیو! اعتبار نہ ہو تو سنو! ایشور یوں پوچھتا ہے۔

اے پیارے بیٹے! دو دو چور تو اتم دونوں رات کہاں ٹھہرے تھے؟ اور دن کہاں رہے؟ کیا تھا؟ تم کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا؟ تمہارا وطن کہاں ہے؟ (رگوید اشٹک [illegible] منتر [illegible])

مضمون اس منتر کا تو صاف ہے کہ متکلم کسی گھر کے خاوند بیوی سے ان باتوں کا سوال کرتا ہے مگر آریہ سماج یہ نہیں مانتی کیونکہ اس سے ایشور کی بے علمی ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک تو یہ کلام پرمیشور کا ہے۔ پس جو معنے سماج بتلاوے اور بابو صاحب اُسے پسند کریں اُس کی تشریح اسی منتر سے بتلاویں۔ ورنہ اُن کو ماننا پڑیگا کہ خدا کا کلام مبہم ہے کیونکہ مشرح نہیں۔ [illegible] اسی طرح تمام ویدوں کا حال ہے کوئی مصنف وید کا ایسا نہ ملیگا جو کسی خاص مضمون کا پتہ بتلا سکے دعویٰ کرے تو اس کو دلیل سے بھی ثابت کر دے کسی مضمون کو شروع کر کے باقاعدہ انتہا تک پہنچا دے۔

حروف مقطعات کی بابت بھی آپ نے معمولی لوگوں سے سن سنا کر قرآن شریف پر اعتراضات جما دیئے ہیں۔ ورنہ قرآن شریف کی معتبر تفاسیر دیکھتے محققین علماء کے اقوال غور سے پڑھتے۔ تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ تحقیقی بات یہی ہے۔ کہ قرآن شریف کا کوئی لفظ بھی ایسا نہیں کہ جسکے معنے ہم نہ جانتے ہوں۔ گو جاننے میں مراتب مختلف ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ بڑے پائے کے محدث اور امام گذرے ہیں اپنی کتاب شرح حدیث النزول میں ایک عام قاعدہ لکھتے ہیں۔ جو ایسے تمام مسائل پر حاوی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

هل يحل لمسلم ان يقول ان النبى صلى الله عليه وسلم ما كان يعرف معنى ما يقوله و يبلغه من الايات والاحاديث بل كان يتكلم بالفاظ لا يعرف معانيها الخ صلا

یعنی کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ یہ کہے۔ کہ آنحضرت جو ہم کو آیتیں اور حدیثیں پہنچاتے تھے اُن کے معنے نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ایسے الفاظ بولتے تھے جنکے معنے نہ جانتے تھے

ایسا ہی امام نووی جو فن حدیث میں ایک بڑے پائے کے محدث گذرے ہیں فرماتے ہیں

يبعد ان يخاطب الله عباده بما لا سبيل لاحد من الخلق الى معرفته (اتقان بحث متشابہات)

یعنی یہ خیال صحت سے بہت دور ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے کلام سے مخاطب کرے جسے کوئی بھی نہ سمجھ سکے۔

ان دونوں بزرگوں کے کلام سے ایک عام اصول ثابت ہوتا ہے کہ علماء علیٰ قدر المراتب قرآن کو سمجھ سکتے ہیں کوئی حصہ یا جملہ یا لفظ ایسا نہیں کہ علماء میں سے کوئی بھی اُسے نہ سمجھ سکے۔ اسی لئے حروف مقطعات کے معنی کتاب **اتقان** میں صحابہ کرام سے نقل کئے ہیں جو بابو صاحب کی نظر سے نہیں گذرے اگر عربی میں نہیں گذرے تو ہماری تفسیر ثنائی اردو میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

الحمد للہ کہ آریوں کے جملہ سوالات سے جو سوامی دیا نند اور بابو عبد الغفور (دھرمپال نو آریہ) نے قرآن شریف پر کئے تھے۔ آج ہم فارغ ہوتے ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارے سماجی دوست جی کھول کر اپنے شبہات پیش کر کے جوابات لیا کریں کیونکہ انکے ایسا کرنے سے ہمیں بہت کچھ بہتری کی امید ہے ؎

راہ پر اُنکو لے آتے ہیں ہم باتوں میں اور کھل جاویں گے دو چار ملاقاتوں میں

خدا کے فضل سے اسلام کو ہمیشہ مخالفین سے مقابلہ رہا ہے۔ ایک زمانہ میں جبکہ اسلام عین شباب پر تھا۔ یونان کے فلسفہ سے اُس کو مقابلہ ہوا۔ تو نمایاں فتحیابی اسی کو ہوئی۔ اس سے بعد ہر زمانہ میں اسلام کو کفار سے مقابلہ رہا۔ اور خدا کے فضل سے فتحیاب رہا۔ ان بیرونی شہادات سے قطع نظر قرآن شریف پر

نظر ڈالیں۔ تو وہ خود بھی ایک مناظرہ کی اعلیٰ درجہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ کہیں مشرکوں سے مقابلہ ہے۔ تو کہیں عیسائیوں سے۔ کہیں یہودیوں سے ہے۔ تو کہیں مجوسیوں سے۔ کہیں دہریوں سے ہے۔ تو کہیں آریوں[1] سے۔ غرض ہر ایک مخالف فریق سے روئے سخن ہے اور نہائت ہی شائستگی اور کمال سے ہے پس قرآن شریف کے واقفوں کی نظروں میں تو اس قسم کے اعتراضات نئے اور اچنبہ بات نہیں ہیں۔ البتہ جن کی کتاب خاموش اور ساکت ہے مرید ول اور معتقدوں کا منہ تاکتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہمنے کوئی نیا کام کیا ہے۔

مسٹر دہرمپال نے ترک اسلام کے دیباچہ میں بھی کئی ایک اعتراضات کئے ہیں۔ مگر ہمنے اُن سے تعرض نہیں کیا۔ اس لئے کہ ان اعتراضات پر کوئی حوالہ نہیں بلکہ بعض اپنے دل کا غبار ہے۔ اور انہی ایک سو پندرہ سوالات پر وہ خیالات متفرع ہیں۔ پس اُن کے جوابات سے وہ خیالات فاسدہ بھی بیخ و بن سے اکھڑ جائیں گے۔

خاتمہ

ہم نے جو جو خیال مسٹر دہرمپال کی بابت اس رسالہ میں ظاہر کئے تھے سب پورے ہوئے۔ دیباچہ رسالہ ہذا ملاحظہ ہو۔ جن کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم اپنے دوست کو غازی محمود کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔

لَهُ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا

راقم۔ آریوں کا خادم ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری۔

---

[1] آریوں سے مراد منکرین نبوت ہیں (منہ)